فَسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ

احسن الفتاوی

بحذف مکررات و تخریجات فرائض مسائل غیر مہمہ

جلد ۹

(از)

فقیہ العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(واحد تقسیم کنندگان)

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

نام کتاب ـــــ احسن الفتاوی

جلد ـــــ نہم

زیر اہتمام ـــــ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ضخامت ـــــ ۴۴۸ صفحات

کتابت ـــــ محمد عیسیٰ سربازی

تعداد ـــــ ایک ہزار

پریس ـــــ [illegible] کمرشل پریس کراچی

طبع اول ـــــ سنہ ۱۴۰۲ھ

طبع دوم ـــــ سنہ ۱۴۲۵ھ

ملنے کا پتہ

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی
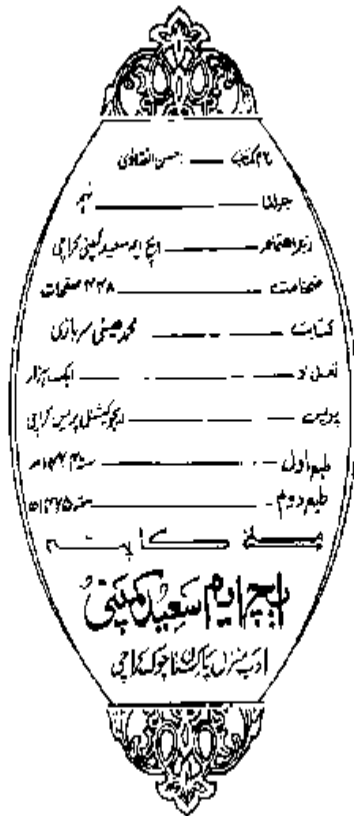
عرضِ مرتب

احسن الفتاویٰ کی آٹھ جلدیں حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی زندگی میں شائع ہو گئی تھیں، جلد نہم میں شامل رسائل کی کتابت پہلے سے مکمل ہو چکی تھی اور مسائل کا مسودہ حضرت کے وصال سے تقریباً ایک سال قبل مکمل ہو چکا تھا، مگر احسن الفتاویٰ کے کاتب منشی فاروق صاحب ضعف کی وجہ سے مزید کتابت سے معذور تھے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے معیار کا نیا کاتب ڈھونڈنا ایک مشکل کام تھا، کیونکہ حضرت کے ہاں خوبصورتی سے زیادہ اہمیت املاء وترقیم کو تھی اور اس کی صحت کا ایسا اہتمام تھا کہ اس میں ذرا سا تسامح بھی گوارا نہ تھا۔ کئی کاتب اپنی کتابت دکھاتے رہے مگر پسند نہ آئی، آخر ایک کاتب صاحب کی کتابت پر کچھ اطمینان ہوا تو مسودہ انہیں دے دیا گیا، آدھے یا اس سے زائد حصے کی کتابت کے بعد حضرت نے اس پر نظر ثانی شروع فرمائی تو املاء وکتابت کی غلطیوں کی کثرت دیکھ کر ساری کتابت مسترد فرما دی۔ پھر ایک نئے کاتب مولوی محمد عیسیٰ صاحب مرباتی سے ..... جو پہلے کسی زمانہ میں حضرت کے بعض رسائل ومواعظ کی کتابت کر چکے تھے..... رابطہ کیا گیا اور مسودہ ان کے حوالے کیا گیا، وہ ابھی تین چوتھائی کتابت ہی کر پائے تھے کہ ۶ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ کو حضرت والا کا وصال ہو گیا، رحمه الله تعالىٰ رحمةً واسعةً ورفع درجاته وانزله المقعد المقرب عنده.

علم وعمل کے آفتاب و ماہتاب کے اس جہان فانی سے رخصت ہونے پر ایسی تنہائی و محرومی محسوس ہونے لگی کہ کچھ عرصہ تک اس کام کے لئے یکسوئی و دلجمعی میسر نہ آئی، دوسری طرف کاتب صاحب کی مصروفیت بھی تاخیر کا باعث بنتی رہی، اس طرح اس جلد کی اشاعت میں حضرت کے وصال کے بعد بھی ڈیڑھ سال سے زیادہ تاخیر ہوگئی۔

یہ سطور لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اس جلد کے تمام رسائل ومسائل حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے اپنے تحریر فرمودہ ہیں یا بندہ کے تحریر کردہ ہیں جنہیں حضرت والا نے تصحیح و تصویب کے بعد احسن الفتاوی کے لئے منتخب فرمایا تھا۔

اس جلد کی پہلی طبع میں یہ وضاحت نہ ہو سکی تھی، حضرت استاذ صاحب دامت برکاتہم نے اس طرف توجہ دلائی، اس لئے دوسری طبع میں یہ سطور شامل کی جا رہی ہیں۔

محمد عفا اللہ عنہ

مرتب احسن الفتاوی

دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

۱۰ ذی القعدہ ۱۴۲۴ھ

فہرست مضامین احسن الفتاویٰ جلد نہم

عنوان	صفحہ

رسائل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی بغاوت کیوں کی؟

[اس مسئلہ کی تفصیل کتاب الجہاد ص ۱۹۹ ج ۶ رسالہ "ذبّ الجہول عن سبط الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" میں ہے]

کیا تین بار سورۂ اخلاص پڑھنے سے قرآن کا ثواب ملتا ہے؟

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ سورۂ اخلاص تین بار پڑھنے سے کامل قرآن پڑھنے کے برابر ثواب ملتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

سورہ اخلاص کی فضیلت کے بارے میں صحیح بخاری و صحیح مسلم میں مندرجہ ذیل روایات منقول ہیں:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا سمع رجلا یقرأ قل هو الله احد یرددها، فلما اصبح جاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر ذلک له، وکان الرجل یتقالها، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: والذی نفسی بیده انها لتعدل ثلث القرآن (صحیح البخاری ص ۷۵۰ ج ۲)

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصحابه: ایعجز احدکم ان یقرأ ثلث القرآن فی لیلة فشق ذلک علیهم وقالوا اینا یطیق ذلک یا رسول اللہ فقال الواحد الصمد ثلث القرآن (حوالہ بالا)

عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه خرج الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اقرأ علیکم ثلث القرآن فقرأ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ حتی ختمها۔ (مسلم ص ۲۷۱ ج ۱)

ان احادیث میں سورۂ اخلاص کو ثلث قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے جس کی محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں، چند معروف توجیہات یہ ہیں:

① قرآن میں تین قسم کے مضامین بیان کئے گئے ہیں: اللہ تعالیٰ کی صفات، احکام اور قصص، سورۂ اخلاص پوری کی پوری صفات باری تعالیٰ پر مشتمل ہے، اس اعتبار سے یہ ثلث قرآن ہے۔

③ اس کا ثواب ثلث قرآن کے برابر ہے۔

④ جس نے اس کے مضامین یعنی توحید اور اذعان بالخالق پر عمل کیا یعنی ایمان رکھا وہ (حصول مقصد میں) اس شخص کی طرح ہے جس نے ثلث قرآن پڑھا۔

⑤ ثواب ہی مراد ہے لیکن یہ صاحب واقعہ کے ساتھ خاص ہے۔

جبکہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ فضیلت پر یقین رکھنا چاہئے اور اپنی رائے سے کوئی توجیہ نہیں بیان کرنی چاہئے کہ سورۂ اخلاص ثلث قرآن کے برابر کیسے اور کیوں ہے؟

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: قولہ (انہا) ای ان قراءۃ قل ھو اللہ احد تعدل ثلث القرآن، واختلف فی معناہ فقال المازری: القرآن ثلاثۃ انحاء قصص واحکام وصفات اللہ عزوجل، وھذہ السورۃ متضمنۃ للصفات وھی ثلث وجزء من الثلاثۃ۔ وقیل ثوابھا یضاعف بقدر ثواب ثلث القرآن بغیر تضعیف، وقیل القرآن لایتجاوز ثلاثۃ، فسائر الارشاد الی معرفۃ ذات اللہ تعالیٰ ومعرفۃ اسمائہ وصفاتہ ومعرفۃ افعالہ وسننہ، ولما اشتملت ھذہ السورۃ علی التقدیس وازنھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بثلث القرآن، وقیل ان من عمل بما تضمنتہ من الاقرار بالتوحید والاذعان بالخالق کمن قرأ ثلث القرآن، وقیل قال ذلک لشخص بعینہ قصدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وقال ابوعمر: نقول بما ثبت عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا نعدہ ونکل ما جھلناہ من معناہ، فنردہ الیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا ندری لم تعدل ھذہ ثلث القرآن (عمدۃ القاری ص۳۳ ج۲۰)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۷/ صفر سنہ ۵۵ھ

سورۂ اخلاص کی فضیلت اور ایک غلط فہمی کا ازالہ:

سوال: عام طور پر سورۂ اخلاص کی یہ فضیلت بیان کی جاتی ہے کہ تین بار سورۂ اخلاص پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب ملتا ہے اور حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ جب قرآن کی تلاوت سے مقصد ثواب کا حصول ہی ہے اور ہر شخص روزانہ کئی بار سورۂ

اخلاص پڑھ کر کئی قرآن پڑھنے کا ثواب حاصل کر سکتا ہے تو اسے باقاعدہ بالترتیب پورا قرآن پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر کوئی نہ پڑھے تو اس میں کیا حرج ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

حدیث میں سورۂ اخلاص کو ثلث قرآن قرار دیا گیا ہے، مگر یہ بیان نہیں کیا گیا کہ یہ ثواب کے اعتبار سے ثلث قرآن ہے، یہ کس اعتبار سے ثلث قرآن ہے؟ اس کی محدثین رحمہم اللہ تعالی نے مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں جن میں سے ایک توجیہ ثواب والی بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ سورۂ اخلاص پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب ملنا حدیث نہیں بلکہ حدیث کی توجیہات مختلفہ میں سے ایک توجیہ ہے لہذا اس فضیلت کو بطور حدیث بیان کرنا جائز نہیں بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان کے زمرے میں آتا ہے اور ایسا شخص «من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار» میں بیان کردہ وعید کا مستحق ہے۔

بہرحال قرآن مجید کی باقاعدہ ترتیب سے تلاوت نہ کرنا اور صرف سورۂ اخلاص پڑھنے پر اکتفاء کرنا شرعاً وعقلاً کسی طرح بھی صحیح نہیں، وجوہ درج ذیل ہیں:

① سورۂ اخلاص کی فضیلت والی حدیث کی کوئی تشریح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں کہ سورۂ اخلاص کے ثلث قرآن ہونے سے کیا مراد ہے؟ اور یہ کس اعتبار سے ثلث قرآن ہے؟ اسی لئے بعض حضرات محدثین نے اس حدیث کی کوئی توجیہ کرنے کو پسند نہیں کیا اور اسے مفوض الی الرسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کیا ہے۔

② اگر توجیہ کا راستہ اختیار کیا بھی جائے تو بھی یہ توجیہ متعین نہیں کہ سورۂ اخلاص کا ثواب ثلث قرآن کے برابر ہے، بلکہ اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں جن میں سے راجح توجیہ یہ ہے کہ یہ سورہ مضامین قرآن یعنی اسماء اللہ وصفاتہ، احکام اور قصص کے اعتبار سے ثلث قرآن ہے۔ لہذا یقین سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سورۂ اخلاص کا ثواب ثلث قرآن کے برابر ہے۔

③ اگر ثواب والی توجیہ ہی اختیار کی جائے تو اس میں مختلف احتمالات ہیں:

(ا) اجر بلا تضعیف مراد ہے، یعنی ثلث قرآن کا اجر حقیقی تو مل جائے گا مگر ثلث قرآن کی تلاوت پر جو اجر اضافی ملتا وہ نہیں ملے گا۔

(ب) یہ فضیلت صاحب واقعہ کے ساتھ خاص ہے۔

(ج) سب سے بہتر مطلب وہ ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی نے بیان کیا ہے

کہ اجر و ثواب کی انواع مختلف ہیں، سورۂ اخلاص پڑھنے سے ایک نوع کا ثواب ملے گا جو اگرچہ ثلث قرآن کے برابر ہوگا مگر بقیہ قرآن کی تلاوت نہ کی جائے تو دوسری انواع اجر اور منافع سے محروم رہے گا جبکہ بندہ سب انواع اجر کا محتاج ہے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تقریب فہم کے لئے محسوسات میں اس کی مثال بیان فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس مسکن، طعام، لباس اور کچھ نقدی موجود ہے جن کی مالیت ایک لاکھ روپے کے برابر ہے اور دوسرے شخص کے پاس مسکن، طعام و لباس کچھ نہیں ہے، البتہ ایک لاکھ روپے کی نقدی موجود ہے۔ اب یہ دوسرا شخص باوجودیکہ اس کے پاس پہلے شخص کے کل سامان کی قیمت کے برابر نقدی موجود ہے ان چیزوں کا محتاج ہے جو پہلے شخص کے پاس ہیں اور پہلے شخص کے پاس ضرورت کی ہر چیز موجود ہے، وہ دوسرے کا محتاج نہیں۔ اسی طرح سورۂ اخلاص تین بار پڑھنے والے کو اجر و ثواب کی انواع مختلفہ میں سے صرف ایک نوع حاصل ہے، وہ بقیہ قرآن کی تلاوت پر ملنے والے اجر و ثواب کی انواع مختلفہ کا محتاج ہے اور جو پورا قرآن کریم بالترتیب پڑھتا ہے اسے تمام انواع حاصل ہیں، وہ کسی نوع کا محتاج نہیں۔

حاصل یہ کہ اولاً تو تین بار سورۂ اخلاص پڑھنے سے کامل قرآن پڑھنے کا ثواب ملنا متعین نہیں بمحض احتمال ہے اور محض احتمال کی بناء پر بقیہ قرآن سے صرف نظر کرنا اور بالترتیب تلاوت نہ کرنا کسی طرح بھی معقول نہیں۔

ثانیاً ثواب کا حصول یقینی تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس سے ثلث قرآن کا اجر حقیقی ملے گا، اجر اضافی سے محروم رہے گا یا اجر کی ایک نوع حاصل ہوگی خواہ سینکڑوں بار سورۂ اخلاص پڑھ لے دوسری انواع اجر، تلاوت کی برکات اور اس میں غور و تدبر کے منافع سے محروم رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بیان فضیلت سے اس سورۃ کا عظیم الشان ہونا بیان کرنا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سورۃ تین بار پڑھنا پورے قرآن کے قائم مقام ہو جائے گا اور پورے قرآن کی تلاوت کی ضرورت نہیں رہے گی۔ جیسے والدین کی خدمت کی اہمیت بیان کرنے کے لئے اس پر حدیث میں جہاد کا اطلاق کیا گیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ والدین کی خدمت جہاد کے قائم مقام ہو جائے گی اور فریضۂ جہاد ادا کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور علماء و صلحاء امت کا تعامل یہی چلا آرہا ہے کہ وہ بالترتیب پورے قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے اور اسی کی تاکید

کرتے رہے کسی نے بھی سورۂ اخلاص کی قراءت پر اکتفاء کرتے ہوئے بالترتیب تلاوت کو ترک نہیں کیا۔

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالی: وقیل ثوابها یضاعف بقدر ثواب ثلث القرآن بغیر تضعیف (الی ان قال) وقال ابو عمر نقول بما ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا نعلله ونکل ما جهلناه من معناه فنرده الیه صلی اللہ علیہ وسلم ولا ندری لم تعدل هذه ثلث القرآن وقال ابن راهویه لیس معناه ان لو قرأ القرآن کله کانت قراءة قل هو اللہ احد تعدل ذلک اذا قرأها ثلث مرات لا ولو قرأها اکثر من مأتی مرة. (عمدة القاری ص۸۲ ج۲۰)

وقال العلامة الجنجوهی رحمہ اللہ تعالی: ان المراد بذلک الاجر المعین لقراءة یس مع ما یؤتی له بعد ذلک منة منه تعالی وفضلا، وفی القرآن لم یرد ههنا الا ما هو له معین من الاجر. (الکوکب الدری ص۲ ج۴)

وقال شیخ الاسلام ابن تیمیة رحمہ اللہ تعالی: فاذا قرأ الانسان (قل هو اللہ احد) حصل له ثواب بقدر ثواب ثلث القرآن، لکن لا یجب ان یکون الثواب الحاصل من جنس الثواب الحاصل ببقیة القرآن، بل قد یحتاج الی جنس الثواب الحاصل بالامر والنهی والقصص، فلا تسد (قل هو اللہ احد) مسد ذلک ولا تقوم مقامه فلهذا لو قرأ (قل هو اللہ احد) فانه وان حصل له اجر عظیم لکن جنس الاجر الذی یحصل بقراءة غیرها لا یحصل له بقراءتها، بل یبقی فقیرا محتاجا الی ما یتم به ایمانه من معرفة الامر والنهی والوعد والوعید لو قام بالواجب علیه، فالمعارف التی تحصل بقراءة سائر القرآن لا تحصل بمجرد قراءة هذه السورة، فیکون من قرأ القرآن کله افضل ممن قرأها ثلث مرات من هذه الجهة لتنوع الثواب، وان کان قارئ (قل هو اللہ احد) ثلاثا یحصل له ثواب بقدر ذلک الثواب، لکنه جنس واحد لیس فیه الانواع التی یحتاج الیها العبد، کمن معه ثلاثة الاف دینار وآخر معه طعام ولباس ومساکن ونقد یعدل ثلاثة الاف دینار فان هذا معه ما ینتفع به فی جمیع اموره، وذاک محتاج الی ما مع هذا، وان کان ما معه یعدل ما مع هذا، وکذلک لو کان معه طعام من اشرف الطعام یساوی ثلاثة الاف دینار فانه محتاج الی لباس ومساکن، وما یدفع به الضرر من السلاح والادویة وغیر ذلک مما لا یحصل بمجرد الطعام۔

(مجموعہ فتاوی ابن تیمیة ص۱۳۹ ج۱۷) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۷؍صفر ۸۵ھ

موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کو طمانچہ مارنا:

سوال: کیا موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو قبض روح کے وقت طمانچہ مارا تھا؟ کیا یہ صحیح ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ واقعہ صحیح ہے، ملک الموت شکل انسانی میں آئے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کو موت کا اختیار بھی نہ دیا، حالانکہ انبیاء علیہم السلام کو پہلے اختیار دیا جاتا ہے اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو نہیں پہچانا اور کوئی انسان سمجھ کر طمانچہ مار دیا، بعد میں جب موسیٰ علیہ السلام کو موت کا اختیار دیا گیا تو آپ نے موت کو اختیار فرمایا۔ کما فی روایۃ البخاری وغیرہا، کیونکہ اب آپ کو اس کا ماسوی من جانب اللہ ہونا متحقق ہو گیا تھا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۹ر صفر سنہ ۸۵ھ

زندہ کو بھی ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے:

سوال: کیا کسی زندہ شخص کو اعمال صالحہ وصدقات کا ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے جیسا کہ بعض عقیدتمند اپنے شیوخ وعلماء کے لئے کرتے ہیں، نیز ایصال ثواب صرف نوافل کا کیا جا سکتا ہے یا فرائض کا بھی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

زندہ کو ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے اور فرض ونفل میں کوئی فرق نہیں، دونوں کا ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی البحر من صام او صلی او تصدق و جعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابہا الیہم عند اہل السنۃ والجماعۃ کذا فی البدائع ثم قال وبہذا علم انہ لا فرق بین ان یکون المجعول لہ میتا او حیا والظاہر انہ لا فرق بین ان ینوی بہ عند الفعل للغیر او یفعلہ لنفسہ ثم بعد ذلک یجعل ثوابہ لغیرہ لاطلاق کلامہم وانہ لا فرق بین الفرض والنفل اہ (رد المحتار ص[illegible] ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

یوم عرفہ سنہ ۸۳ھ

فرائض کا بھی ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے:

سوال: ایصال ثواب صرف نوافل کا کیا جا سکتا ہے یا فرائض کا بھی؟ بینوا توجروا.

الجواب باسم ملہم الصواب

فرض ونفل دونوں کا ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے (رد المحتار ص ۲۶۳ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۲ر ذی الحجہ سنہ ۸۴ھ

بدل کر آئے ہوئے سامان کا حکم:

سوال: بعض مرتبہ دھوبی کے ہاں سے کپڑے بدل کر آجاتے ہیں، اگرچہ واپس کردیئے جاتے ہیں تو یہ بھی ہاتھ سے گئے اور اپنے کپڑے بھی نہیں ملتے، اسی طرح بعض دفعہ مساجد میں جوتے تبدیل ہوجاتے ہیں اور کبھی چور نیا جوتا اٹھا کر پرانا جوتا رکھ جاتا ہے، کیا ان کپڑوں اور جوتوں کا استعمال کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا.

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر ان کپڑوں اور جوتوں کے مالک کا پتا لگانا ممکن نہ ہو تو جواز استعمال کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ اپنی بالغ اولاد یا کسی دوسرے عزیز پر صدقہ کردے بشرطیکہ وہ فقیر ہوں، پھر وہ اپنی رضا سے صدقہ کرنے والے کو واپس کردیں۔ اگر یہ شخص خود فقیر ہے تو اس حیلہ کی بھی ضرورت نہیں، اس کے لئے ان کا استعمال کرنا جائز ہے۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله تعالى: امرأة وضعت ملاءتها فجاءت امرأة اخرى ووضعت ملاءتها ثم جاءت الاولى واخذت ملاءة الثانية وذهبت لا يسع للثانية ان تنتفع بملاءة الاولى والحيلة ان تتصدق الثانية بهذه الملاءة على بنتها ان كانت فقيرة على نية ان يكون الثواب لصاحبتها ان رضيت ثم تهب البنت الملاءة منها فيسعها الانتفاع بها كاللقطة (خلاصة الفتاوى ص ۳۵۰ ج ۴)

اگر کسی طرح اس کا یقین ہوجائے کہ یہ چیز اسی کی ہے جو اس کی چیز کو لے گیا ہے اور یہ بھی یقین ہوجائے کہ وہ اپنی چیز لینے یہاں نہیں آئے گا اور نہ ہی اس کا کوئی سراغ لگانا ممکن ہو تو اس چیز کو خود بھی رکھ سکتا ہے مگر اس کی قیمت زیادہ ہو تو بقدر زائد صدقہ کردے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۷ر ذی الحجہ سنہ ۹۵ھ

سلام کہنا سنت مؤکدہ ہے:

سوال: ہر خاص و عام جو بھی راستہ میں ملے اسے سلام کہنا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بعض نے وجوب سلام کا قول کیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ ابتداء بالسلام سنت مؤکدہ ہے اور جواب سلام واجب ہے، البتہ فاسق کو سلام کہنا مکروہ ہے۔

ڈاڑھی منڈانا یا کٹانا بھی فسق ہے، لیکن جن فساق سے تعارف ہو، ان کو سلام نہ کہنے سے تہمت کبر اور دین و اہل دین سے تنفر کا خطرہ ہو تو ان کو سلام کہنا جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ فلو اصم یرد بتحریک شفتیہ) قال فی شرح الشرعۃ واعلم انہم قالوا ان السلام سنۃ واسماعہ مستحب وجوابہ ای ردہ فرض کفایۃ واسماع ردہ واجب بحیث لو لم یسمعہ لا یسقط ہذا الفرض عن السامع حتی قیل لو کان المسلم اصم یجب علی الراد ان یحرک شفتیہ ویریہ بحیث لو لم یکن اصم لسمعہ (رد المحتار ص ۲۶۴ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۹ رشوال سنہ ۸۶ھ

لاؤڈ اسپیکر کے سلام کا جواب دینا:

سوال: لاؤڈ اسپیکر سے سلام سننے پر اس کا جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم نے آلات جدیدہ ص ۱۱۲ پر تحریر فرمایا ہے کہ ریڈیو سے سلام سنے تو جواب واجب نہیں، اس لئے کہ جواب سنانے پر قدرت نہیں، یہی علت لاؤڈ اسپیکر میں بھی پائی جاتی ہے تو کیا اس کا بھی یہی حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ریڈیو اور اسپیکر دونوں کا ایک ہی حکم ہے کہ سلام کا جواب واجب نہیں، اس لئے کہ یہ سلام ہی بے موقع ہے، وعظ و خطبہ وغیرہما سے قبل سلام شرعاً معہود نہیں۔

ورد ان رجلا عطس فسلم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال صلی اللہ علیہ وسلم وعلی امک السلام فعدل صلی اللہ علیہ وسلم عن الجواب المسنون الی الاسلوب الغریب تنبیہا لہ علی ان موقع السلام ہو حین اللقاء لا بعد

المطاس رواہ الترمذی وابو داؤد (مشکوٰۃ ص۴۰۰)

اسماع پر قدرت وجوب جواب کے لئے شرط نہیں، چنانچہ کسی خط کا جواب لکھنے کا ارادہ نہ ہو تو ابلاغ جواب سلام بذریعہ خط پر حقیقۃً اگرچہ قدرت ہے مگر حکماً قدرت نہیں، اس لئے کہ خط کا جواب لکھنا ضروری نہیں، سو اس صورت میں سلام کا جواب لکھنے کو واجب قرار دینے میں حرج ہے، و ہو مدفوع، اس لئے یہ قدرت بحکم عدم قدرت ہے، معہذا زبان سے اس کا جواب دینا واجب ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله ویجب رد جواب کتاب التحیة) لان الکتاب من الغائب بمنزلة الخطاب من الحاضر مجتبی والناس عنه غافلون ط اقول المتبادر من هذا ان المراد رد سلام الکتاب لا رد الکتاب (وبعلما اسطر) وقال النووی رحمه الله تعالی ولو اتاه شخص بسلام من شخص او فی ورقة وجب الرد فورا (رد المحتار ص۲۶۶ ج ۵) والله سبحانه وتعالی اعلم۔

۲۴ ذی القعدہ سنہ ۸۶ھ

جواب سلام کا اسماع:

سوال: کیا سلام کا جواب اتنی بلند آواز سے دینا ضروری ہے کہ سلام کہنے والا اسے سن لے یا مطلقاً جواب کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر اسماع جواب پر قدرت ہو تو ضروری ہے ورنہ نہیں، جیسے خط کے سلام کا جواب اگر خط کا جواب لکھا تو اس میں سلام کا جواب لکھنا بھی واجب ہے اور یہ ابلاغ بمنزلۂ اسماع ہے اور اگر خط کا جواب نہیں لکھا تو زبان سے جواب دینا واجب ہے، تفصیل "احسن الفتاوی" جلد ۸ کتاب الحظر والاباحۃ میں عنوان "خط کے سلام کا جواب" کے تحت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۶ ذی القعدہ سنہ ۸۶ھ

دونوں نے بیک وقت سلام کہہ دیا:

سوال: دو آدمیوں نے بیک وقت ایک دوسرے کو سلام کہا تو دونوں پر ردّ سلام واجب ہوگا یا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں پر جواب دینا واجب ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ عن التتارخانیة : فان سلما معا یجب علی کل واحد (رد المحتار ص۲۶۷ ج ۵) واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۲۶ ذی القعدہ سنہ ۸۶ھ

اشارہ سے سلام کا جواب :

سوال : ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرنے والے کو جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر آواز پہنچانے پر قدرت کے باوجود صرف ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا تو اس کا جواب واجب نہیں۔ واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

خالی گھر یا مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کہنا :

سوال : اگر کوئی شخص اپنے گھر یا مسجد میں جائے جہاں کوئی شخص موجود نہ ہو یا ایسی جگہ سے نکلے تو اسے سلام کہنا چاہئے یا نہیں، اگر کہنا چاہئے تو کن الفاظ سے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خالی گھر میں داخل ہوتے وقت استحباب سلام کی فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے اور گھر اور مسجد میں بظاہر کوئی فرق نہیں، بلکہ مسجد میں وجود ملائکہ اقرب ہے، یہ حکم اس صورت میں ہے کہ مسجد خالی ہو، اگر اس میں لوگ ہوں تو سلام کہنا جائز نہیں اس لئے کہ اس سے ان کی عبادت میں خلل واقع ہوگا۔

ایسے موقع پر سلام ان الفاظ سے کہنا چاہئے :

السلام علینا وعلی عباد اللّٰه الصالحین - قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ تحت (قوله واذا اتی دارا نسان الخ) وان دخل بیتا لیس فیه احد یقول السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین فان الملائکة ترد علیه السلام (رد المحتار ص۲۶۶ ج ۵)

واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۳ ربیع الثانی سنہ ۸۹ھ

نابالغ پر سلام کا جواب واجب نہیں:

سوال: بالغ اگر نابالغ کو سلام کہے تو نابالغ پر جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

نابالغ غیر مکلف ہے، اس لئے اس پر سلام کا جواب واجب نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ ذی الحجہ سنہ ۸۹ھ

نابالغ کے سلام کا جواب واجب نہیں:

سوال: نابالغ اگر بالغ کو سلام کہے تو بالغ پر جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

واجب نہیں، بشرطیکہ بچہ عاقل ہو اس کی دل شکنی کا اندیشہ ہو ورنہ سلام کا جواب واجب معلوم ہوتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی:

رد السلام واجب الا على ... من فی الصلوٰة او باکل شغلا

الی قوله او سلام الطفل او السکران ... او شابة یخشی بها افتتان

(رد المحتار ص ۳۵۲ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۸۹ھ

حکم ابلاغ سلام:

سوال: اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ فلاں کو میرا سلام کہہ دینا، وہ خاموش رہا تو سلام پہنچانا ضروری ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

سکوت عرفاً و دلالةً رضا و التزام ہے، اس لئے اس صورت میں سلام پہنچانا واجب ہے البتہ اگر صراحةً یا دلالةً التزام نہ کیا ہو مثلاً پہنچانے سے معذرت کردی یا ان شاء اللہ کہہ دیا تو پہنچانا واجب نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالی: ولو قال لآخر اقرأ فلانا السلام یجب علیه ذلک۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله یجب علیه ذلک) لانه من ایصال الامانة لمستحقها والظاهر ان هذا اذا رضی بتحملها تأمل ثم رأیت فی

شرح المنار عن ابن حجر التحقیق ان الوصول ان المغربه اشبه الامانة و الا فودیعة اهـ ای فلا یجب علیه الذهاب لتبلیغه کما فی الودیعة. (رد المحتار ص۲۸۲ ج۵)

وقال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: والودیعة ما تترک عند الامین وهی اخص من الامانة کما حققه المصنف وغیره. ورکنها الایجاب صریحا کاودعتک او کنایة کقوله لرجل اعطنی الف درهم او اعطنی هذا الثوب مثلا فقال اعطیتک کان ودیعة بحر لان الاعطاء یحتمل الهبة لکن الودیعة ادنی وهو متیقن فصار کنایة او فعلا کما لو وضع ثوبه بین یدی رجل ولم یقل شیئا فهو ایداع، والقبول من المودع صریحا کقبلت او دلالة کما لو سکت عند وضعه فانه قبول دلالة کوضع ثیابه فی حمام بمرأی من الثیابی وکقوله لرب الخان این اربطها فقال هناک کان ایداعا خانیة وهذا فی حق وجوب الحفظ واما فی حق الامانة فتتم بالایجاب وحده حتی لو قال للغاصب اودعتک المغصوب برئ عن الضمان وان لم یقبل اختیار.

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: (قوله شیئا) فلو قال لا اقبل لا یکون مودعا لان الدلالة لم توجد بحر وفیه عن الخلاصة لو وضع کتابه عند قوم فذهبوا وترکوه ضمنوا اذا ضاع وان قاموا واحدا بعد واحد ضمن الاخیر لانه تعین للحفظ فتعین للضمان اهـ فکل من الایجاب والقبول فیه غیر صریح (رد المحتار ص۶۶۲ ج۴)

والله سبحانه وتعالیٰ اعلم.

۶ جمادی الاولیٰ سنه ۱۳۹۹ھ

لڑکیوں کا ختنہ مستحب ہے:

سوال: آج کل کے زمانہ میں لڑکیوں کا ختنہ سنت ہے یا نہیں؟ کسی حدیث سے اس کا ثبوت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

لڑکیوں کا ختنہ حدیث سے ثابت ہے، لڑکوں کا ختنہ سنت مؤکدہ ہے اور لڑکیوں کا ختنہ الذ للجماع ہونے کی وجہ سے مستحب ہے، نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ تحت (قوله الختان): لان الختان سنة للرجال من جملة الفطرة لا یمکن ترکها وهی مکرمة فی حق النساء کما فی

الکفایۃ (رد المحتار ص ۴۷۹ ج ۵)

وقال رحمہ اللہ ایضاً: (قولہ وختان المرأۃ) الصواب خفاض لانہ لا یقال فی حق المرأۃ ختان وانما یقال خفاض حموی (قولہ بل مکرمۃ للرجال) لانہ الذ فی الجماع زیلعی (قولہ وقیل سنۃ) جزم بہ البزازی معللا بانہ نص علی ان الخنثی تختن ولو کان ختانہا مکرمۃ لم تختن الخنثی لاحتمال ان تکون امرأۃ ولکن لا کالسنۃ فی حق الرجال اھ (قولہ ختان الخنثی) لاحتمال کونہ رجلا وختان الرجل لا یترک فلذا کان سنۃ احتیاطا ولا یفید ذلک سنیتہ للمرأۃ تأمل وفی کتاب الطہارۃ من السراج الوہاج اعلم ان الختان سنۃ عندنا للرجال والنساء وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ واجب وقال بعضہم سنۃ للرجال مستحب للنساء لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ختان الرجال سنۃ وختان النساء مکرمۃ (رد المحتار ص ۴۸۰ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرۂ ذی الحجہ سنہ ۸۷ھ

سوال مثل بالا:

سوال: عورت کا ختنہ کرنا سنت ہے یا مستحب؟ اور یہ حکم تمام علاقوں کے لئے عام ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مذہب الحنفیہ: ختنہ رجال کے حق میں سنت مؤکدہ ہے اور نساء کے حق میں مستحب۔

مذہب المالکیہ: دونوں کے حق میں سنت ہے۔

مذہب الشافعیہ: رجال ونساء دونوں کے حق میں واجب ہے، اسی کو امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا ہے، دوسرا قول نساء کے حق میں عدم وجوب کا ہے۔

مذہب الحنابلہ: رجال کے حق میں واجب ہے اور نساء کے حق میں مستحب۔

احادیث ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کے ختنہ کا عام دستور تھا:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جاوز الختان الختان وجب الغسل فعلتہ انا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاغتسلنا

رواہ الترمذی وابن ماجہ (مشکوٰۃ ص ۴۸ ج ۱)

عن ام عطية الانصارية ان امرأة كانت تختن بالمدينة فقال لها النبي صلى الله عليه وسلم لا تنهكي فان ذلك احظى للمرأة واحب الى البعل (ابوداود ص۳۶۳ ج۲)

خرج سباع فقال هل من مبارز؟ قال فخرج اليه حمزة بن عبد المطلب رضي الله عنه فقال يا سباع يا ابن ام انمار مقطعة البظور [illegible] البخاري مع فتح الباري ص۲۹۵ ج۷)

بعض نے عورتوں کے ختنہ کے بارے میں یہ تفصیل بیان کی ہے کہ بعض ممالک میں مستحب ہے اور بعض میں نہیں، بعض کتب طبیہ میں اس کی وجہ یہ نظر سے گزری ہے کہ گرم ممالک میں بظر کچھ لمبا ہوتا ہے اس لئے اسے کاٹ دیا جاتا ہے۔

قال العلامة السهارنفوري رحمه الله تعالى: واختلف في وجوب الختان فروي عن الشافعي وكثير من المشايخ رحمهم الله تعالى انه واجب في حق الرجال والنساء وعند مالك وابي حنيفة رحمهما الله تعالى قال النووي وهو قول اكثر العلماء انه سنة فيهما قاله الشوكاني، وقال الحافظ في الفتح: فذهب الى وجوب الختان دون باقي الخصال المذكورة في الباب الشافعي رحمه الله تعالى وجمهور اصحابه وقال به من القدماء عطاء رحمه الله تعالى حتى لو اسلم الكبير لم يتم اسلامه حتى يختتن وعن احمد وبعض المالكية لا يجب وعن ابي حنيفة رحمه الله تعالى واجب وليس بفرض وعنه سنة يأثم بتركه وفي وجه للشافعية لا يجب في حق النساء انتهى (بذل المجهود ص۳۳۳ ج۶)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: والاصل ان الختان سنة كما جاء في الخبر وهو من شعائر الاسلام وخصائصه فلو اجتمع اهل بلدة على تركه حاربهم الامام فلا يترك الا لعذر وعذر شيخ لا يطيقه ظاهر (الى قوله) وختان المرأة ليس سنة بل مكرمة للرجال وقيل سنة۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله بل مكرمة للرجال) لانه الذ في الجماع زيلعي (قوله وقيل سنة) جزم به البزازي معللا بانه نص على ان الخنثى تختن ولو كان ختانها مكرمة لم تختن الخنثى لاحتمال ان تكون امرأة ولكن لا كالسنة في حق الرجال اهـ اقول ختان الخنثى لاحتمال كونه رجلا وختان الرجل لا يترك فلذا كان سنة احتياطا ولا يفيد ذلك سنيته للمرأة تأمل وفي

کتاب السراج الوھاج اعلم ان الختان سنۃ عندنا للرجال والنساء وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ واجب وقال بعضہم سنۃ للرجال مستحب للنساء لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ختان الرجال سنۃ وختان النساء مکرمۃ (رد المحتار ص۴۷۹ ج ۵)

قال العلامۃ ابن قدامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ: فاما الختان فواجب علی الرجال ومکرمۃ فی حق النساء ولیس بواجب علیہن ھذا قول کثیر من اھل العلم (المغنی ص۶۴ ج۱)

قال الامام النووی رحمہ اللہ تعالیٰ: فالختان واجب عند الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ وکثیر من العلماء وسنۃ عند مالک رحمہ اللہ تعالیٰ واکثر العلماء وھو عند الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ واجب علی الرجال والنساء جمیعا (شرح النووی علی مسلم ص۱۲۸ ج۱)

وفی عون المعبود شرح سنن ابی داؤد: اختلف فی النساء ھل یخفضن عموما او یفرق بین نساء المشرق فیخفضن ونساء المغرب فلا یخفضن لعدم الفضلۃ المشروع قطعھا منھن بخلاف نساء المشرق (عون المعبود ص۱۲۵ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الثانی سنہ ۱۴۱۹ھ

ہندو کے متروکہ مکان سے سونا ملا:

سوال: زینب جب ہندوستان سے پاکستان آئی تھی تو ایک ہندو کے مکان سے اتفاقاً تولہ سونا ملا تھا جس کا اس نے زیور بنا لیا، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا وہ اس کی مالک ہوگئی ہے؟ اور کیا اس کی زکوٰۃ ادا کرنا اس کے ذمہ فرض ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

اگر یہ واقعہ ابتداء قیام پاکستان کا ہے تو ان دنوں دونوں حکومتوں کے معاہدہ کے تحت اس سونے پر ہندو کی ملکیت قائم رہے گی، مالک کی تلاش کرکے اس تک پہنچانا فرض ہے، اگر انتہائی کوشش کے باوجود مالک کا علم نہ ہوسکے تو یہ سونا واجب التصدق ہے اگر زینب خود مسکینہ ہے تو خود بھی رکھ سکتی ہے۔

اگر دونوں حکومتوں کا معاہدہ ختم ہوجانے کے بعد یہ سونا ملا تو بحکم فئی ہے جس پر حکومت پاکستان کی اجازت کے بغیر قبضہ کرنا درست نہیں، ہاں اگر زینب مسکینہ تھی تو بدون اجازت حکومت بھی اس کا قبضہ صحیح ہوگیا، وہ اس کی مالکہ ہوجائے گی۔

جن صورتوں میں زینب کی ملک کی صحت تحریر کی گئی ہے ان صورتوں میں زینب پر اس سونے کی زکوٰۃ واجب ہوگی، دوسری صورتوں میں زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ یہ مال غصب ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ صفر سنہ ۹۸ھ

عورت پر گھر کا کام واجب ہے:

سوال: کیا عورت پر گھر کا کام کاج جیسے شوہر اور بچوں کا کھانا پکانا واجب ہے؟ بصورت وجوب اگر عورت کوئی دینی، دنیوی اعزاز وشرف رکھتی ہو تو کیا اس پر بھی واجب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عورت خواہ کوئی بڑے سے بڑا شرف رکھتی ہو تو بھی اس پر گھر کا کام کاج دیانۃً واجب ہے، البتہ اگر کھانا پکانے سے انکار کرے تو قضاءً واجب نہ ہونے کی وجہ سے اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، اس صورت میں اگر عورت ایسے خاندان سے ہو کہ اس کی لڑکیاں خود کام نہ کرتی ہوں یا اسے کوئی ایسی بیماری ہو کہ کھانا نہیں پکا سکتی تو شوہر پر اسے کھانا پکوا کر دینا واجب ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: استأجر امرأتہ لتخبز لہ خبزا للاکل لم یجز وللبیع جاز، صیرفیۃ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ لم یجز) لان هذا العمل من الواجب علیها دیانۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قسم الاعمال بین فاطمۃ وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنهما فجعل عمل الداخل علی فاطمۃ وعمل الخارج علی علی رضی اللہ تعالیٰ عنهما (وافاد المصنف اخر باب ان الاستئجار المرأۃ للطبخ والخبز ونحوهما من اعمال البیت لا تنعقد ونقله عن المضمرات قلت کانه لانه واجب علیها دیانۃ ثم راجعت باب النفقۃ فرأیتہ علل بہ وزاد ولو شریفۃ لانہ علیہ السلام قسم الاعمال الخ (رد المحتار ص ۳۲ ج ۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: امتنعت المرأۃ عن الطحن والخبز ان کانت ممن لا تخدم او کان بها علۃ فعلیہ ان یأتیها بطعام مهیأ والا بان کانت ممن تخدم نفسها وتقدر علی ذلک لا یجب علیہ ولا یجوز لها اخذ الاجرۃ

علی ذلک لوجوبه علیها دیانة ولو شریفة لانه علیه الصلوٰة والسلام قسم الاعمال بین علی وفاطمة رضی الله تعالٰی عنهما فجعل اعمال الخارج علی علی رضی الله تعالٰی عنه والداخل علی فاطمة رضی الله تعالٰی عنها مع انها سیدة نساء العالمین بحر۔

(قوله لوجوبه علیها دیانة) فتفتی به ولکنها لاتجبر علیه ان ابت بلا عذر۔

(ردالمحتار ص ۶۴۸ ج ۲)

واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم۔

۱۰ جمادی الثانیہ سنہ ۸۷ھ

بیوی پر شوہر کے کن احکام کی اطاعت لازم ہے؟

سوال: بیوی پر شوہر کے کن احکام کو ماننا لازم ہے، شوہر اوامر کے امتثال اور نواہی سے اجتناب کے لئے کہے یا مباحات کا حکم دے تو کیا بیوی ان احکام کی تعمیل سے انکار کرنے کی صورت میں نافرمان کہلائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بیوی پر شوہر کے ہر جائز حکم کی تعمیل فرض ہے، اوامر شرعیہ اور نواہی کے بارے میں شوہر کے حکم کی تعمیل بطریق اولیٰ فرض ہوگی۔ واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم۔

۸ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

امہات المؤمنین رضی اللّٰه تعالٰی عنہن کو پردہ کیوں؟

سوال: امہات المؤمنین رضی اللّٰه تعالٰی عنہن صحابہ کرام رضی اللّٰه تعالٰی عنہم سے پردہ کرتی تھیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ پردہ تو اس سے فرض ہے جس سے نکاح جائز ہو اور امہات المؤمنین رضی اللّٰه تعالٰی عنہن کا کسی سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

امہات المؤمنین رضی اللّٰه تعالٰی عنہن کی حرمت تکریمیہ ہے اور پردہ میں بھی تکریم ہے، نیز حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بعد الوفات بھی بعض احکام میں مثل احیاء ہیں، اس لئے امہات المؤمنین رضی اللّٰه تعالٰی عنہن کی حرمت ذوات زوج ہونے کی وجہ سے ہے جو پردہ کے منافی نہیں، علاوہ ازیں اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ امت پر پردہ کی اہمیت واضح ہو۔

واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم۔

۱۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۸ھ

والدین کے گناہ معاف کروانے کا طریقہ :

سوال : جس شخص کے والدین نے گناہ کی زندگی گزاری اور یہ معلوم نہیں کہ توبہ و استغفار کیا یا نہیں، ایسی حالت میں اولاد کا کیا فریضہ بنتا ہے؟ کیا کوئی ایسا عمل ہے جس سے ان کے گناہوں کی معافی یا کم از کم تخفیف ہو سکتی ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

والدین کے انتقال کے بعد اولاد پر ان کے یہ حقوق ہیں :

(۱) ان کے لئے دعاء و استغفار کریں۔

(۲) انہوں نے کسی سے کوئی عہد کیا ہوا تھا مگر پورا کرنے سے پہلے انتقال ہو گیا تو اس عہد کو پورا کریں۔

(۳) والدین کے اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی اور اہل تعلق کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کریں۔

(۴) بلا قیود و شرائط بدنی و مالی عبادت کر کے ایصال ثواب کرنا بھی بہتر ہے۔

اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف ہوں گے اور ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

عن ابی اسید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بینا نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ جاءہ رجل من بنی سلمۃ فقال یا رسول اللہ هل بقی من بر ابوی شیء ابرهما به بعد موتهما قال نعم الصلوۃ علیهما والاستغفار لهما وانفاذ عهدهما من بعدهما وصلۃ الرحم التی لا توصل الا بهما واکرام صدیقهما رواہ ابوداؤد وابن ماجه۔ (مشکوۃ ص ۴۲۰)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۹ جمادی الثانیہ سنہ ۹۸ھ

تصور شیخ کا حکم :

سوال : جو شخص تصور شیخ اور فیض از قبور اولیاء کا انکار کرے کیا وہ اہل سنت سے خارج ہو جاتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تصور شیخ اور استفادہ از قبور اولیاء سے عوام کو منع کرنا چاہئے تاکہ شرک تک نوبت

نہ پہنچ جائے، اگرچہ فی نفسہ یہ دونوں امور جائز ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص سداً للباب الفتنہ انکار کرتا ہے تو اس کا انکار صحیح ہے اور واقعۃً منکر ہے تو حقیقت سے ناواقفیت اور جہل کی بنا پر ہے اس لئے ایسے شخص کو بدعتی یا اہل سنت سے خارج کہنا صحیح نہیں۔

ایسے مسائل میں زیادہ بحث مباحثہ کرکے عوام میں تفرقہ پیدا کرنا اور ان کو دین سے قریب لانے کی بجائے مزید دور کرنا جائز نہیں، اپنی تمام تر کوشش خود کو اور دوسروں کو محرمات و منکرات قطعیہ سے بچانے اور دنیا و آخرت میں سرخرو کرنے پر صرف کرنی چاہئے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۲ر رجب سنہ ۸۸ھ

بروز قیامت باپ کی طرف نسبت کرکے پکارا جائیگا:

سوال: قیامت کے روز لوگوں کو والد کے نام سے پکارا جائے گا یا والدہ کے نام سے؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ نسب باپ کی طرف سے ثابت ہوتا ہے اس لئے باپ کی طرف منسوب کرکے پکارا جائیگا، البتہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے چونکہ والد نہیں تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت کاملہ سے بغیر والد کے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا فرمایا تھا، اس لئے ان کو والدہ کی طرف منسوب کرکے عیسیٰ ابن مریم کہہ کر پکارا جائے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ترجمۃ الباب قائم فرمایا ہے "باب یدعی الناس بآبائہم" اور اس میں یہ روایت ذکر فرمائی ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الغادر یرفع له لواء یوم القیامة یقال هذه غدرة فلان بن فلان (صحیح بخاری ص ۹۱۱ ج ۲)

قال العلامة العینی رحمه اللہ تعالیٰ: قال ابن بطال الدعاء بالآباء اشد فی التعریف وابلغ فی التمییز (وبعد اسطر) وفی حدیث الباب رد لقول من یزعم انه لا یدعی الناس یوم القیامة الا بامهاتهم لان فی ذلک سترا علی آبائهم وفیه جواز الحکم بظاهر الامور. (عمدة القاری ص ۲۰۱ ج ۲۲)

وعن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکم تدعون

یوم القیامة بأسمائکم وأسماء آبائکم فأحسنوا أسماءکم رواه ابوداؤد (مشکوٰۃ ص۴۰۹)

قال العلامة عبد الحق المحدث رحمه الله تعالی: فأحسنوا أسماءکم پس نیک بنهید نامهائے خود را، این خطاب است مر جمیع بنی آدم را، پس پدران نیز داخل باشند و در بعضے روایات آمده که روز قیامت مردم را بنام مادران خوانند و گفته اند حکمت دریں آں است که تا اولاد زنا فضیحت و رسوا نشوند و بجهت رعایت حال عیسیٰ ابن مریم علیه السلام که پدر ندارد و از برائے اظهار فضل و شرف حضرت امام حسن و حسین رضی الله تعالیٰ عنهما به اظهار نسبت آنحضرت صلی الله علیه وسلم و اگر این روایت ثابت شود تأکید را حمل بر تغلیب میتوان کرد چنانکه ابوین میگویند و شاید که گوئیم که با بار خوانند و گاهے با امهات یا بعضے را بنسبت پدران و بعضے را بنسبت مادران یا در بعضے مواطن چنان و در بعضے چنین والله اعلم (اشعة اللمعات ص۴۳ ج۴)

والله سبحانه وتعالیٰ اعلم

۱۵ رجب سنہ ۹۸ھ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیٹے پر حد زنا جاری کرنے کا قصہ موضوع ہے:

سوال: مشہور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بیٹے کو زنا کرنے کی وجہ سے کوڑے مارے، حد ابھی تک پوری نہیں ہوئی تھی کہ ان کا انتقال ہوگیا، چنانچہ بقیہ کوڑے ان کی نعش پر مارے، کیا یہ قصہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو اس بیٹے کا نام کیا تھا اور عمر کتنی تھی؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ قصہ واعظین کے درمیان مشہور ہے جو موضوع اور باطل ہے، چنانچہ اللآلی المصنوعة میں یہ روایت شیرویہ بن شہریار کی سند سے نقل کی ہے اس کے بعد فرمایا ہے:

موضوع فیه مجاهیل قال الدارقطنی حدیث مجاهد عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما فی حدیث ابی شحمة لیس بصحیح وقد روی من طریق عبد القدوس بن الحجاج عن صفوان عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه وعبد القدوس یضع وصفوان بینه وبین عمر رضی الله تعالیٰ عنه رجال۔

صحیح قصہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبد الرحمن الاوسط ابو شحمہ کے نبیذ پینے کا ہے جس کے بعد انھوں نے خود اپنے آپ کو مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ

کے سامنے حد جاری کرنے کے لئے پیش کیا، انھوں نے مجمع عام کی بجائے گھر کے اندر ان پر حد جاری کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو تنبیہ فرمائی اور مدینہ منورہ لوٹنے کے بعد ان پر دوبارہ حد جاری کی، چنانچہ اللآلی المصنوعہ میں ہے:

والذی ورد فی ھذا ما ذکرہ الزبیر بن بکار وابن سعد فی الطبقات وغیرھما ان عبد الرحمن الاوسط من اولاد عمر ویکنی ابا شحمۃ کان بمصر غازیا فشرب لیلۃ نبیذا فخرج الی السکر فجاء الی عمرو بن العاص فقال اقم علی الحد فامتنع فقال لہ انی اخبر ابی اذا قدمت علیہ فضربہ الحد فی دارہ ولم یخرجہ فکتب الیہ عمر یلومہ و یقول الا فعلت بہ ما تفعل بجمیع المسلمین فلما قدم علی عمر ضربہ واتفق انہ مرض فمات۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۵ رجب سنہ ۸۸ھ

حکم تبرکات شاہی مسجد لاہور:

سوال: لاہور کی شاہی مسجد میں تبرکات یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ، عصا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلاہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دستار وغیرہ رکھی ہیں، کیا واقعۃً یہ چیزیں انہی حضرات کی ہیں جن کی طرف منسوب ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ان کی تصدیق لازم نہیں اور انکار مناسب نہیں، امکانِ ثبوت کی بناء پر احترام ضروری ہے اور اگر ان کی زیارت سے شرک و بدعات کی تائید ہوتی ہو تو اس سے احتراز واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۶ رجب سنہ ۸۸ھ

روح پر موت نہیں آئے گی:

سوال: کیا روح پر موت آئے گی؟ کیا یہ مسئلہ اتفاقی ہے یا اختلافی؟ باحوالہ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ارواح کی فنائیت میں اختلاف ہے، صحیح قول یہ ہے کہ روح پر موت نہیں آئے گی۔ فنائیت ارواح سے مراد افتراق عن البدن ہے، نہ قابلِ انقطاع ہو جانے یا تبدیل صفات

کو فنا ثبت سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، بالخصوص تقیید بالزمان کیا فالواقف الجواب عن عدم فناء کثیر والجنۃ والعرش والکرسی۔

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: والصواب ان یقال موت الروح هو مفارقتها الجسد فان ارید بموتها هذا القدر فهی ذائقۃ الموت وان ارید انها تعدم وتضمحل فهی لا تموت بل تبقی مفارقۃ ما شاء اللہ ثم تعود الی الجسد وتبقی معه فی نعیم او عذاب ابد الآبدین ودهر الداهرین وهی مستثناۃ ممن یصعق عند النفخ فی الصور علی ان الصعق لا یلزم منه الموت والهلاک لیس مخصوصا بالعدم بل یتحقق بخروج الشیء عن حد الانتفاع به ونحو ذلک وما ذکر فی تفسیر الآیۃ تعیین غیر مسلم (روح المعانی ص ۱۰۴ ج ۱۵)

وقال الشاہ عبد العزیز المحدث الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ: زیراکہ مضمونے کہ باین قسم تاکید فرمودہ اند آنست کہ جان آدمی ہر چند در شدائد و مصائب گرفتار شود بحفظ الٰہی محفوظ است شکستہ شدن و فنا پذیرفتن از محالات است و لہٰذا در حدیث شریف وارد است انما خلقتم للابد۔ یعنی جان آدمی کہ در حقیقت آدمی عبارت از آنست ابدی است ہرگز فنا پذیر نیست و آنچہ در عرف مشہور است موت ہلاک جان میکند محض مجاز است نہایت کار موت آنست کہ جان از بدن جدا شود و بسبب نایافت مرکب و محافظ از ہم پاشد والا جان را فنا متصور نیست و اثبات عالم برزخ و امکان حشر نشر مبنی بر ہمین مسئلہ است (تفسیر عزیزی ص ۱۳۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

آخر شعبان سنہ ۸۸ھ

معاہدہ یا وعدہ کی خلاف ورزی:

سوال: معاہدہ یا وعدہ کی خلاف ورزی گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

معاہدہ جانبین سے ہوتا ہے، اس کی خلاف ورزی کرنا گناہ کبیرہ ہے، وعدہ جانب واحد سے ہوتا ہے اس کے خلاف کرنے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وعدہ کرتے وقت ہی ایفاء کی نیت نہ ہو تو گناہ کبیرہ ہے اور اگر ایفاء کی نیت تھی بعد میں بدل گئی تو بلا عذر خلاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور عذر کی وجہ سے ہو تو مباح ہے بشرطیکہ اس سے دوسرے کو ایذاء نہ پہنچے، ایذاء پہنچانا بہر حال حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۶ ماہ شعبان سنہ ۸۸ھ

کافر کو حق کیسے ادا کیا جائے؟

یہ مسئلہ "احسن الفتاوی" جلد ۶ کتاب الحظر ص۳۸۹ پر آچکا ہے۔

غیبت اور جھوٹ فسق ہے:

سوال: فاسق کی جامع و مانع تعریف کیا ہے؟ کیا غیبت کرنا اور جھوٹ بولنا فسق کی تعریف میں آتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اصطلاح شریعت میں فاسق ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جس کے اعمال میں نقص و قصور رہے یعنی شریعت میں جن اعمال کے کرنے کا حکم ہے ان کو ترک کرتا ہو اور جن کے ترک کا حکم ہے ان کا ارتکاب کرتا رہتا ہو۔

غیبت کرنا اور جھوٹ بولنا کبائر میں سے ہیں اس لئے یہ بدرجۂ اتم فسق کی تعریف میں داخل ہیں۔

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فی تفسیر قولہ تعالیٰ "یا ایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا" الآیۃ: والفاسق الخارج عن حجر الشرع من قولھم: فسق الرطب اذا خرج عن قشرہ، قال الراغب: والفسق اعم من الکفر ویقع بالقلیل من الذنوب والکثیر لکن تعورف فیما کانت کثیرۃ، واکثر ما یقال الفاسق لمن لتزم حکم الشرع واقر بہ ثم اخل بجمیع احکامہ او ببعضھا، واذا قیل للکافر الاصلی فاسق فلانہ اخل بحکم ما الزمہ العقل واقتضتہ الفطرۃ (روح المعانی ص۱۴۶ ج۲۶)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۱ ذی القعدہ سنہ ۸۸ھ

جلد سازی میں کٹے ہوئے اوراق بھی قابل احترام ہیں:

سوال: قرآن مجید کی جلد بندی میں جو اوراق غیر تحریر کرکے جاتے ہیں، وہ بھی قابل تعظیم ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جو کاغذ لکھنے کی غرض سے تیار کیا گیا ہو وہ قابل احترام ہے خواہ وہ بعد میں کسی وجہ سے ناقابل تحریر ہوگیا ہو، اس لئے ایسے کاغذ کی تعظیم و احترام ضروری ہے بالخصوص جبکہ قرآن کا کاغذ ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۹ ذی القعدہ سنہ ۸۸ھ

قرآن مجید ہاتھ سے گر جانے کا کفارہ :

سوال : اگر کسی سے قرآن مجید گر جائے تو کیا شرعاً اس کا تدارک ضروری ہے؟ مثلاً کچھ صدقہ کرے اور توبہ واستغفار کرے، بلا قصد گر جائے تو معصیت تو نہیں ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صدقہ کرنا شرعاً ضروری نہیں، نفس پر جرمانہ اور ادعیٰ الی قبول التوبہ ہونے کی وجہ سے بہتر ہے، بلا قصد وارادہ گر جانے سے معصیت نہیں ہوگی، محض صورت معصیت وعدم احتیاط کی وجہ سے توبہ کرنا چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۹ ذی القعدہ سنہ ۸۸ھ

ارواح حیوانات کا مقام :

سوال : جانوروں کی ارواح کا مقام کہاں ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حیوانات کی ارواح کے مقام کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، بعض نے کہا ہے کہ جانوروں کی ارواح ہوا میں معلق رہتی ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ معدوم ہو جاتی ہیں اور بعض نے مذکورہ بالا اختلاف اقوال کی بناء پر ذکر فرمایا کہ جو حضرات حیوانات کے حشر کے قائل ہیں جیسا کہ مشہور مذہب ہے، ان کے نزدیک ان کی ارواح ہوا میں یا جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہو وہاں معلق رہتی ہیں اور جو حضرات حیوانات کے لئے عدم حشر کے قائل ہیں جیسا کہ امام غزالی اور ابن ظاہر کا مذہب ہے ان کے نزدیک حیوانات کی ارواح معدوم ہو جاتی ہیں قول اول صحیح ہے۔

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فی تفسیر قولہ تعالیٰ یسئلونک عن الروح فی المبحث السادس فی مستقر الارواح بعد مفارقۃ الابدان : ثم ان ارواح سائر الحیوانات من البہائم ونحوہا قیل تکون بعد المفارقۃ فی الہواء ولا اتصال لہا مالابدان وقیل تعدم ولا یعجز اللہ تعالیٰ شیء ومن الناس من قال ان کان للحیوانات حشر یوم القیامۃ کما ہو المشہور الذی تقتضیہ ظواہر الآیات والاخبار فالاولیٰ ان یقال ببقاء ارواحہا فی الہواء او حیث شاء اللہ تعالیٰ وان لم یکن لہا حشر کما ذہب الیہ الغزالی واہل الظاہر فالاولیٰ ان یقال بالعدم مہما اھ۔

وبقيت ابحاث كثيرة تركناها لضيق النفس والقرطاس وانتهاز الفرصة للتخصص ولعل في ما ذكرناه هنا مع ما ذكرناه فيما قبل كفاية لاهل الهداية والهداية لمن ساعدته العناية، والله عز وجل ذو الكرم والجود وعنده سبحانه بدأ كل شيء واليه جل وعلا يعود. والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۹ ذی الحجہ سنہ ۸۸ھ

امیر کی اطاعت:

سوال: تبلیغی جماعت والے اپنے امیر کی بڑی اطاعت کرتے ہیں، کیا مامور کو اپنے امیر کی ایسے ہی اطاعت کرنی چاہئے جیسے بیوی اپنے شوہر کی یا غلام اپنے آقا کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے تابع رہتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جیسے تبلیغی جماعت والے اپنے امیر کی اطاعت کرتے ہیں، ہر دینی جماعت کو ہر ایسے حکم میں جو معصیت نہ ہو اپنے امیر کی ایسے ہی اطاعت کرنی چاہئے، اس میں حسن انتظام ہے اور تشتت وافتراق سے اجتناب ہے جس کی شریعت نے تاکید فرمائی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۸ ذی الحجہ سنہ ۸۸ھ

"علیہ الصلوۃ والسلام"، "رضی اللہ تعالی عنہ" اور "رحمہ اللہ تعالی" کا استعمال:

سوال: لفظ علیہ الصلوۃ والسلام، رضی اللہ تعالی عنہ اور رحمہ اللہ تعالی کا استعمال کس کس کی شان میں مسنون ہے اور کس کی شان میں ممنوع یا ناجائز ہے؟ کیا امام ابوحنیفہ کے لئے رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت حسین کے لئے علیہ الصلوۃ والسلام کہنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

لفظ علیہ الصلوۃ والسلام انبیاء وملائکہ علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے، غیر انبیاء کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں، لہذا حسین علیہ الصلوۃ والسلام یا علی علیہ الصلوۃ والسلام کہنا جائز نہیں، البتہ تبعاً استعمال کرنا جائز ہے، یعنی کسی نبی کے نام کے بعد آل نبی یا صحابہ کا ذکر آجائے تو سب کے لئے علیہم الصلوۃ والسلام کہنا جائز ہے۔

مستحب یہ ہے کہ صحابہ کرام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ وصلحاء کے ساتھ رحمہم اللہ تعالیٰ استعمال کیا جائے، البتہ اس کے برعکس یعنی صحابہ کرام کے لئے ترحم اور ائمہ وصلحاء کے لئے ترضی کا استعمال بھی جائز ہے، اس لئے امام ابوحنیفہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا لکھنا جائز ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: ولا یصلی علی غیر الانبیاء ولا علی غیر الملائکة الا بطریق التبع وهل یجوز الترحم علی النبی قولان زیلعی قلت وفی الذخیرة انه یکره وجوزه السیوطی رحمه الله تعالیٰ تبعا لا استقلالا فلیکن التوفیق وبالله التوفیق ویستحب الترضی للصحابة وکذا من اختلف فی نبوته کذی القرنین ولقمان وقیل یقال صلی الله علی الانبیاء وعلیه وسلم کما فی شرح المقدمة للقرمانی والترحم للتابعین ومن بعدهم من العلماء والعباد وسائر الاخیار وکذا یجوز عکسه وهو الترحم للصحابة والترضی للتابعین ومن بعدهم علی الراجح ذکره القرمانی وقال الزیلعی الاولی ان یدعو للصحابة بالترضی وللتابعین بالرحمة ولمن بعدهم بالمغفرة والتجاوز۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: (قوله ولا یصلی علی غیر الانبیاء الخ) لان فی الصلوٰة من التعظیم ما لیس فی غیرها من الدعوات وهی زیادة الرحمة والقرب من الله تعالیٰ ولا یلیق ذلک بمن یتصور منه الخطایا والذنوب الا تبعا بان یقول اللهم صل علی محمد وآله وصحبه وسلم لان فیه تعظیم النبی صلی الله علیه وسلم زیلعی واختلف هل تکره تحریما او تنزیها او خلاف الاولی وصحح النووی رحمه الله تعالیٰ فی الاذکار الثالث لکن فی خطبة شرح الاشباه للبیری من صلی علی غیرهم اثم وکره وهو الصحیح وفی المستصفی وحدیث صلی الله علی آل ابی اوفی الصلوٰة حقه فله ان یصلی علی غیره ابتداء اما الغیر فلا اهـ واما السلام فنقل اللقانی فی شرح جوهرة التوحید عن الامام الجوینی انه فی معنی الصلوٰة فلا یستعمل فی الغائب ولا یفرد به غیر الانبیاء فلا یقال علی علیه السلام وسواء فی هذا الاحیاء والاموات الا فی الحاضر فیقال السلام او سلام علیک او علیکم وهذا مجمع علیه اهـ (رد المحتار صـ ۳۹۹ ج ۵) والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ محرم سنہ ۹۶ھ

عورت گھر کے نامحرم افراد سے پردہ کیسے کرے؟

سوال: چند بھائی ایک گھر میں رہتے ہیں، ہر ایک کے لئے علیحدہ مکان بنانے کی استطاعت نہیں، ایسی صورت میں عورت پردہ کرنے کی کیا تدبیر اختیار کرے، جبکہ اسے گھر میں مختلف کام سرانجام دینے پڑتے ہیں اور نامحرم سے بات کرنے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

شرعی پردہ اللہ تعالیٰ کا قطعی حکم ہے، اگر قلب میں کچھ فکر آخرت ہو تو اس پر عمل کرنا کوئی مشکل نہیں، اس کے لئے علیحدہ گھر ہونا ضروری نہیں، چہرہ چھپانا اور بلا ضرورت بات کرنے سے احتراز ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی ممکن ہے، بقدر ضرورت بات کرنے کی گنجائش ہے، اس گنجائش سے ناجائز فائدہ اٹھاکر بلا ضرورت گپ شپ لگانے یا بالکلیہ پردہ ترک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، عورت گھونگٹ کرکے گھر کے سارے کام کرسکتی ہے، تفصیل رسالہ "شرعی پردہ" میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۹ محرم سنہ ۸۹ھ

پیوند لگا ہوا کپڑا پہننا:

سوال: کیا پیوند لگا ہوا کرتا یا تہبند سنت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پیوند لگا ہوا لباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کی ترغیب دی تھی اس لئے بنیت اتباع پیوند لگا ہوا کپڑا پہننے پر ثواب کی امید ہے۔

البتہ اپنے زمانہ کے علماء وصلحاء کی وضع کے خلاف کوئی صورت اختیار کرنا ریاء ونمود اور عجب وکبر اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کا باعث ہوسکتا ہے، اس لئے ایسی امتیازی شان سے احتراز کرنا چاہئے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عائشۃ اذا اردت اللحوق بی فلیکفک من الدنیا کزاد الراکب وایاک ومجالسۃ الاغنیاء ولا تستخلقی ثوبا حتی ترقعیہ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص ۳۷۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ صفر سنہ ۸۹ھ

چاند پر پہنچنا شریعت کے خلاف نہیں :

سوال : قرآن مجید میں " تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیہا سراجا وقمرا منیرا " سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب آسمانوں میں ہیں، اسی طرح چند تفاسیر میں بھی یہی تحریر ہے اور آجکل لوگ چاند پر اتر رہے ہیں اور اسی طرح زہرہ پر اتر رہے ہیں اور وہاں اسٹیشن قائم کر رہے ہیں اور یہ لوگ آسمانوں کے قائل نہیں ہیں اور دلیل یہی دے رہے ہیں کہ اگر آسمان ہوتے تو ہمیں جانے میں رکاوٹ ہوتی، مہربانی فرما کر تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

سماء کے لغوی معنی بلندی کے ہیں، لہٰذا آیۂ مذکورہ میں اگر اس کے لغوی معنی مراد لئے جائیں جو کثرت سے آتے ہیں کما قالوا فی قولہ تعالیٰ " وانزلنا من السماء ماء " تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، جیسے کہ " کل فی فلک یسبحون " میں فلک کے لغوی معنی یعنی مدور مراد لینے سے اعتراض رفع ہو جاتا ہے، نیز دونوں جگہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حرف " فی " ظاہر رؤیت کے اعتبار سے لایا گیا ہے، یعنی بظاہر یہ سیارات آسمان کے اندر نظر آرہے ہیں، اگرچہ حقیقۃً نیچے ہیں، چنانچہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ میں نے آسمان پر یا آسمان میں فلاں چیز دیکھی، یا آسمان پر بادل ہیں، حالانکہ یہ اشیاء آسمان سے بہت نیچے ہیں۔

نیز آیات مذکورہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیارات محض سماء میں مرکوز ہیں کیونکہ الشیء مجاورہ کے لئے بھی " فی " استعمال ہوتا ہے، کما فی قولہ تعالیٰ " لہ ما فی السموات وما فی الارض " سو قرب الی السماء، یا بالطبع مائل الی المحیط ہونے کی وجہ سے " فی السماء " کا اطلاق صحیح ہے بلکہ " یسبحون " سے یہی متبادر ہے۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

جلد بازی کو شیطان کی طرف منسوب کرنا :

سوال : مشہور ہے کہ جلدی کا کام شیطان کی طرف سے ہوتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ نیز اس کی وجہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

صحیح ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جلد بازی بری چیز ہے اور ہر بری چیز کو شیطان

کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

عن سھل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الاناۃ من اللہ والعجلۃ من الشیطان رواہ الترمذی (مشکوۃ ص۴۲۹)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الاول سنہ ۹۱ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش :

یہ مسئلہ احسن الفتاوی ص۲۶۵ ج ۲ میں بعنوان "محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت" مفصل آچکا ہے۔

۱۲ اسنہ کا مطلب :

سوال : عبارت کے آخر میں جو ۱۲ اسنہ لکھا ہوتا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بحساب "ابجد" لفظ "حد" کا عدد ۱۲ نکلتا ہے، مطلب یہ ہوتا ہے کہ عبارت ختم ہوگئی اور منہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ حاشیہ ماتن کی طرف سے ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۰ رجب سنہ ۹۱ھ

سقوط مالیت کے بعد نوٹوں کے عوض بیع :

سوال : نوٹ مال ہے یا مال کی سند؟ چند ماہ قبل حکومت نے سو اور پانچ سو کے نوٹوں کی مالیت کے ساقط ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے بعد شرعاً وہ نوٹ مال کے حکم میں ہیں یا نہیں؟ نیز اس منسوخ نوٹ کے عوض بیع وشراء یا کوئی عقد کیا جائے تو صحیح ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نوٹ مال نہیں بلکہ مال کی سند ہے، جب حکومت نے اس سند کو منسوخ کر دیا تو اب یہ مال کے حکم میں نہیں رہا، اس لئے اس کے عوض بیع وشراء وغیرہ صحیح نہیں۔

نوٹوں کے بارے میں مفصل تحقیق رسالہ "کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم" مندرجہ احسن الفتاوی جلد ۵ میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۹ شعبان سنہ ۹۱ھ

کسب حرام کا حکم:

سوال: میرے ایک دوست نے مجھے رقم دی کہ کاروبار کرو، نفع نقصان میں سے دو ثلث میرے اور ایک ثلث اس کا طے ہوا، میں نے کاروبار شروع کیا، کچھ دن بعد معلوم ہوا کہ رب المال نے یہ پیسے ناجائز طریقے سے کمائے تھے تو میں نے اس سے تعلق منقطع کرلیا اور رقم واپس کرنا چاہی، مگر وہ واپس نہیں لیتا، اب وہ پاکستان میں نہیں ہے اور رقم میرے پاس بطور امانت رکھی ہوئی ہے، کچھ رقم خرچ بھی ہوگئی ہے، آئندہ بھی اگر یہاں جمع رکھوں تو ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور بینک میں رکھوں تو اس میں بھی گھٹ جائے گی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ میں یہ رقم تجارت میں لگادوں اور اس میں سے کچھ لوں یا کیا کروں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ رقم جن لوگوں سے ناجائز طریقہ سے حاصل کی اگر وہ معلوم ہوں تو ان کو لوٹانا واجب ہے ورنہ واجب التصدق ہے، صاحب معاملہ خود اس کا مالک نہیں، لہٰذا اس کی اجازت سے بھی آپ اس میں کوئی تصرف نہیں کرسکتے، نہ ہی صاحب معاملہ کو واپس دینا جائز ہے، بہرحال اصل مع منافع کا مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۸ شوال سنہ ۹۱ھ

ازار سنت ہے یا شلوار؟

سوال: کیا ازار لنگی کو کہتے ہیں؟ شلوار سنت ہے یا ازار؟ دونوں میں سے افضل کونسی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ازار لنگی کو کہتے ہیں، لنگی اور شلوار دونوں مختلف فیہ میں سے ہیں، چونکہ اس زمانے میں لنگی ہی کا عام دستور تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی عام معمول لنگی باندھنے کا تھا، مگر شلوار کو بھی آپ نے پسند فرمایا اور خریدا بھی، پہننے کا ثبوت ملتا ہے اور بعض روایات میں پہننے کی تصریح بھی ہے اور بعض روایات سے اس کی فضیلت ثابت ہے۔ علاوہ ازیں شریعت میں تستر کی بہت اہمیت ہے اور ظاہر ہے کہ تستر شلوار میں زیادہ ہے، اس لئے شلوار پہننا افضل ہے۔

قال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: وقد صح انہ صلی اللہ علیہ وسلم اشتری

سراويل من سويد بن قيس اخرجه الاربعة واحمد وصححه ابن حبان من حديثه، و
اخرجه احمد ايضا من حديث مالك بن عميرة الاسدي قال قدمت قبل مهاجرة
رسول الله صلى الله عليه وسلم فاشترى مني سراويل فارجح لي وما كان
ليشتريه عبثا وان كان غالب لبسه الازار، واخرج ابو يعلى والطبراني في الاوسط
من حديث ابي هريرة رضي الله تعالى عنه: دخلت يوما السوق مع رسول الله
صلى الله عليه وسلم فجلس الى البزاز فاشترى السراويل باربعة دراهم الحديث
وفيه قلت يا رسول الله وانك لتلبس السراويل قال اجل في السفر والحضر والليل
والنهار فاني امرت بالستر وفيه يوسف بن زياد البصري وهو ضعيف قال ابن القيم
في الهدي اشترى صلى الله عليه وسلم السراويل والظاهر انه انما اشتراه ليلبسه ثم
قال وروي في حديث انه لبس السراويل وكانوا يلبسونه في زمانه وباذنه قلت
ويوخذ ادلة ذلك كله مما ذكرته ووقع في الاحياء للغزالي ان الثمن ثلاثة دراهم
والذي تقدم انه اربعة دراهم اولى (فتح الباري ص۲۷۲ ج۱۰)

وقال الحافظ العيني رحمه الله تعالى: وقال شيخنا زين الدين رحمه الله تعالى
روينا من حديث ابي هريرة رضي الله تعالى عنه مرفوعا ان اول من لبس السراويل
ابراهيم عليه السلام رواه ابو نعيم الاصبهاني وقيل هذا هو السبب في كونه اول من
يكسى يوم القيامة كما ثبت في الصحيحين من حديث ابن عباس رضي الله تعالى عنهما
فلما كان اول من اتخذ هذا النوع من اللباس الذي هو استر للعورة من سائر
الملابس جوزي بان يكون اول من يكسى يوم القيامة وفيه استحباب لبس السراويل
(وبعد سطر) ورواه ابو يعلى في مسنده من حديث ابي هريرة رضي الله تعالى عنه
مطولا وفيه اقباله صلى الله عليه وسلم عن نفسه انه يلبس السراويل وروى
الترمذي ايضا من حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله
عليه وسلم قال كان على موسى عليه السلام يوم كلمه ربه كساء صوف وكمة صوف وجبة
صوف وسراويل صوف وكانت نعلاه من جلد حمار ميت والكمة القلنسوة الصغيرة
(عمدة القاري ص۳۰ ج۲۱) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۳ شوال سنہ ۹۱ھ

صلہ رحمی کے حقدار کون سے رشتہ دار ہیں؟:

سوال: صلہ رحمی کے حق دار کون کون سے رشتہ دار ہیں؟ اپنے اصول و فروع کے علاوہ چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، ان کی اولاد، اور سسرالی عزیزوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صلہ رحمی میں اصول و فروع کے علاوہ قریب و بعید کے رشتہ دار بھی داخل ہیں، البتہ درجہ میں تفاوت ہے، جو زیادہ قریب ہے اس کا حق مقدم ہے، سسرالی عزیزوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا، مگر حقوق ان کے بھی ہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وصلۃ الرحم واجبۃ) نقل القرطبی فی تفسیرہ اتفاق الامۃ علی وجوب صلتہا وحرمۃ قطعہا للادلۃ القطعیۃ من الکتاب والسنۃ علی ذلک قال فی تبیین المحارم واختلفوا فی الرحم التی یجب صلتہا قال قوم ہی قرابۃ کل ذی رحم محرم وقال آخرون کل قریب محرما کان او غیرہ والثانی ظاہر اطلاق المتن قال النووی فی شرح مسلم وہو الصواب واستدل علیہ بالاحادیث نعم تتفاوت درجاتہا ففی الوالدین اشد من المحارم وفیہم اشد من بقیۃ الارحام وفی الاحادیث اشارۃ الی ذلک کما بینہ فی تبیین المحارم (رد المحتار ص ۲۶۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ صفر سنہ ۹۲ھ

نافرمان بیوی کے لئے وعید:

سوال: عورت کا اپنے شوہر کو مارنا، ڈانٹنا، کاٹنا اور گستاخی کرنا کیسا ہے؟ ایسی عورت کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس سے بات چیت بند کردی جائے؟ اس کے ہاتھ سے کھانا پینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

الرجال قوامون علی النساء۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا ہے، لہٰذا عورتوں پر حدود شرع کے اندر رہتے ہوئے مردوں کی اطاعت واجب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر

میں اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، اس سے شوہر کی قدر و منزلت واضح ہو جاتی ہے۔

ایسی عورت جو شوہر کو مارتی ہے یا دیگر گستاخیاں کرتی ہے سخت گناہ گار ہے، شوہر کو ستانے والی عورت کے لئے قرآن و حدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ اس کی عبادات قبول نہیں ہوتیں جب تک کہ شوہر اس سے راضی نہ ہو جائے۔

مذکورہ عورت کو پہلے سمجھایا جائے، اگر نہ سمجھے تو بستر الگ کر دیا جائے، پھر بھی نہ سمجھے تو شوہر اس کو مار کر درست کر سکتا ہے، لیکن چہرہ پر نہ مارے، اس کے ہاتھ سے کھانا پینا جائز ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: واللّٰتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا (۴-۳۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۷ ذی القعدہ سنہ ۹۲ھ

متعدد شوہروں والی عورت جنت میں کس کو ملے گی؟:

سوال: جس عورت نے یکے بعد دیگرے شوہروں کے انتقال کر جانے کی وجہ سے کئی نکاح کئے ہوں وہ جنت میں کس کے ساتھ رہے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری شوہر کو ملے گی اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو اختیار دیا جائے گا، جس کے ساتھ زیادہ موافقت ہو اس کو اختیار کرے اور بعض حضرات نے یوں تطبیق دی ہے کہ اگر سب شوہر حسن خلق میں مساوی ہوں تو آخری شوہر کو ملے گی ورنہ اختیار دیا جائے گا۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأۃ لآخر ازواجھا (احکام النساء ص۱۳)

وعن عروۃ بن رویم اللخمی قال لما احتضر موسیٰ علیہ السلام قالت لہ امرأتہ سل اللہ ان یزوجنیک فی الجنۃ قال ان احببت ذلک لا تتزوجی بعدی ولا تاکلی من رشح جبینک فکانت تتبرع بعدہ للقاطی فاذا رزھا الحصاد ون

لم یحتاطوها فاذا احسنت بذلک ترکتہ وفی روایۃ اخری قال المرأۃ لآخر ازواجہا (بحوالہ بالا)

عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالی عنہا قلت یا رسول اللہ المرأۃ تزوج الزوجین والثلاثۃ والاربعۃ ثم تموت فتدخل الجنۃ ویدخلون معہا من یکون زوجہا منہم قال انہا تخیر فتختار احسنہم خلقا فتقول یا رب ان ھذا کان احسنہم خلقا فی دار الدنیا فزوجنیہ یا ام سلمۃ ذھب حسن الخلق بخیر الدنیا والآخرۃ (معجم طبرانی صفحہ ۳۶۸ ج ۲۳)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۸ جمادی الثانیہ سنہ ۹۳ھ

باکرات ومطلقات کس کو ملیں گی؟:

سوال: مردوں کو جنت میں حوریں ملیں گی۔ کنواری لڑکیوں اور مطلقہ عورتوں کو کیا ملے گا؟ اور غلمان کیا چیز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کنواری اور مطلقہ عورتوں کو جنت میں اختیار دیا جائے گا کہ جس مرد کو چاہیں پسند کرلیں، اگر کسی کو بھی پسند نہ کریں تو اللہ تعالی ان کے لئے مذکر حور پیدا فرمائیں گے۔

غلمان ان نوعمر لڑکوں کو کہا جاتا ہے جن کو اللہ تعالی نے اہل جنت کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

ولو ماتت قبل ان تتزوج تخیر ایضا ان رضیت بآدمی زوجت منہ وان لم ترض فاللہ یخلق ذکرا من الحور العین فیزوجہا منہ (مجموعۃ الفتاوی بحوالہ غرائب)

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالی: (غلمان لہم) ممالیک مخصوصون بہم (روح المعانی صفحہ ۳۲ ج ۲۷) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۳ ربیع الثانی سنہ ۹۳ھ

تصرف شیاطین وجنات کی حقیقت:

سوال: کسی شخص پر شیاطین وجنات کا تصرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا کوئی واقعہ ہوا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی پر جن کے تسلط کا کوئی واقعہ صراحۃً نظر سے نہیں گزرا، البتہ اس کا امکان قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

① الذین یأکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس۔ سود خوروں کی حالت قیامت کے روز اس شخص کی طرح ہوگی کہ جسے شیطان نے بدحواس کر دیا ہو۔

② کالذی استھوتہ الشیاطین فی الارض حیران۔

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ای کالذی ذھبت بہ مردۃ الجن فی المھامہ والقفار (روح المعانی ص۱۹۵ ج ۷)

③ لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللّٰہ۔

قال الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: اخرج ابن ابی الدنیا والطبرانی والصابونی عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکل بالمؤمن ثلثمائۃ وستون ملکا یذبون عنہ مالم یقدر علیہ من ذلک (الی قولہ) ولو وکل العبد فیہ الی نفسہ طرفۃ عین لاختطفتہ الشیاطین (روح المعانی ص۱۱۲ ج ۱۳)

④ سورۂ ناس میں ہے کہ شیطان لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ شیطان انسان کے جسم کے اندر تصرف کرتا ہے، سو یہ تصرف بصورت ایذاء بھی ہو سکتا ہے۔

⑤ قرآن کی آیات اور احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ شیطان انسانوں کو گناہ کی دعوت دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ انسانوں کی طرح جن سامنے آکر گناہوں کی ترغیب نہیں دیتا، بلکہ اس کی ترغیب و تلقین قلب پر ہوتی ہے، یہ اس کا قلب پر تصرف ہے تو دماغ اور دوسرے اعضاء پر بھی تصرف ممکن ہے۔

⑥ ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم۔

⑦ بچہ بوقت ولادت مس شیطان کی وجہ سے روتا ہے۔

⑧ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بسا اوقات بھوک کی وجہ سے گر جایا کرتا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مجھے آسیب زدہ سمجھ کر میرا علاج کیا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آسیب لگنا اس زمانے میں معروف تھا اور اسکا علاج بھی کیا جاتا تھا۔

⑨ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیطان نے یہ تعلیم دی کہ آیۃ الکرسی کے ذریعہ میرے شر سے بچ سکتے ہیں، اس مفصل قصہ سے ثابت ہوا کہ شیطان انسانوں کی چیز چوری کرتا ہے اور آیۃ الکرسی کے ذریعہ اس سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

⑩ جنات کا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنا ثابت ہے۔

قال العلامة ابن عبد البر رحمه الله تعالى: ولم يختلفوا انه وجد ميتا في مغتسله وقد اخضر جسده ولم يشعروا بموته حتى سمعوا قائلا يقول ولا يرون احدا:

قتلنا سيد الخزرج سعد بن عبادة
رميناه بسهمين فلم يخط فؤاده

ويقال ان الجن قتلته. وروى ابن جريج عن عطاء قال سمعت الجن قالت في سعد بن عبادة هذين البيتين (الاستيعاب ص۱۶۱ ج۲)

⑪ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لاصحابه وهو بمكة: من احب منكم ان ينظر الليلة اثر الجن فليفعل قال (ابن مسعود رضي الله تعالى عنه) فلم يحضر احد منهم غيري فلما كنا باعلى مكة خط لي برجله خطا ثم امرني ان اجلس فيه (فتح الباري ص۹۴ ج۶)

اس سے جنات کا تکلیف پہنچانا اور ان کے شر سے حفاظت کے لئے حصار کھینچنا ثابت ہوا۔

⑫ اذا كان جنح الليل او امسيتم فكفوا صبيانكم فان الشيطان ينتشر حينئذ فاذا ذهب ساعة من الليل فخلوهم واغلقوا الابواب واذكروا اسم الله فان الشيطان لا يفتح بابا مغلقا متفق عليه (مشكوة ص۲۴۵)

⑬ اعوذ بكلمات الله التامة من شر كل شيطان وهامة (جامع الترمذي ص۲۶ ج۲)

یہ کلمات پڑھ کر بچوں کو دم کرنا ثابت ہے۔

⑭ قال ابن القيم رحمه الله تعالى: قلت الصرع صرعان صرع من الارواح الخبيثة الارضية وصرع من الاخلاط الردية والثاني هو الذي يتكلم فيه الاطباء

فی سببه وعلاجه، وأما صرع الأرواح فأئمتهم وعقلاؤهم يعترفون به ولا يدفعونه ويعترفون بأن علاجه بمقابلة الأرواح الشريفة الخيرة العلوية لتلك الأرواح الشريرة الخبيثة فتدفع آثارها وتعارض أفعالها وتبطلها وقد نص على ذلك بقراط في بعض كتبه (زاد المعاد ص ۶۶ ج ۳)

(۱۵) سحر بھی اثر جن ہے اور سحر کا ثبوت اور اس کا مؤثر ہونا قرآن مجید میں مذکور ہے:

واتبعوا ما تتلوا الشياطين على ملك سليمان وما كفر سليمان ولكن الشياطين كفروا يعلمون الناس السحر...... فيتعلمون منهما ما يفرقون به بين المرء وزوجه.

تنبیہ:

دلائل و شواہد اور عام مشاہدات و تجربات سے یہ حقیقت واضح ہے کہ جنات کے اس قسم کے تصرفات عموماً فساق و فجار پر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے جنات بہت ڈرتے ہیں ؎

ہر کہ ترسید از حق و تقوی گزید
ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید
تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ
ہیبت حق است این از خلق نیست
ہیبت این مرد صاحب دلق نیست
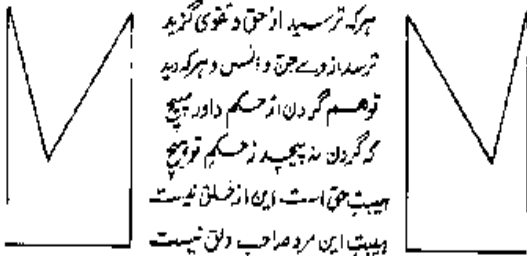
هذا، فإنه ظاهر جدا على من طالع أحوال الرجال وصحب أرباب الكمال.

حضرت عبد اللہ بن مسعود و سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات میں تاویل کا مجال و ابطال استدلال باتفاق احتمال کا باب بہت وسیع ہے، کما لا یخفی علی من اوتی الحکمة ومن شاء الاطلاع على قصص فرار الجن من هذا العبد الضعيف فليراجع الجزء الثاني من أنوار الرشيد في باب نسبت موسوية.

والله هو الحفيظ ولا حول ولا قوة إلا به.

۱۳ ربیع الآخر سنہ ۹۴ھ

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت :

سوال : حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم تصوف میں کوئی مقام ہے یا نہیں؟ اور ان کی حدیثیں اور فقہی مسائل کتنے ہیں؟ زید کہتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رتبہ وشان صرف نواسگی کی وجہ سے ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تصوف وحدیث میں مہارت ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ دوسرے تک بھی ان کی حدیث وتصوف کا سلسلہ پہنچے، چنانچہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کی روایات بہت کم ہیں، مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں احادیث کثرت سے موجود ہیں، کیا یہ اثبات فضل کے لئے کافی نہیں؟ باقی رہا علمی مقام تو وہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے :

عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال سألت خالی هند بن ابی هالة وکان وصافا عن حلیة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا اشتهی ان یصف لی منها شیئا (الی قولہ) قال الحسن فکتمتها الحسین زمانا ثم حدثته فوجدته قد سبقنی الیه فسأله عما سألته ووجدته قد سأل اباه عن مدخله ومخرجه وشکله فلم یدع منه شیئا (شمائل الترمذی ص ۲۲)

حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھوٹے ہونے کے باوجود حلیہ مبارکہ وسیرت مبارکہ سے متعلق علم حاصل کرنے میں اپنے بڑے بھائی سے دو اعتبار سے سبقت لے گئے :

(۱) سیرت طیبہ پہلے معلوم کرنے میں۔
(۲) زیادہ امور کا علم حاصل کرنے میں۔

جب علوم غیر مقصودہ کی تحصیل میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس

قدر سبقت کی تو علوم مقصودہ میں کیونکر غفلت کی ہوگی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳ ربیع الاول سنہ ۹۳ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی صحیح تعداد :

سؤال : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی تعداد کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

آپ کی صاحبزادیاں چار تھیں، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

صاحبزادوں کی تعداد میں اختلاف ہے، بعض مؤرخین کے قول کے مطابق ان کی تعداد پانچ ہے، قاسم، عبداللہ، طیب، طاہر اور ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بعض کے قول کے مطابق طیب وطاہر بھی عبداللہ ہی کو کہا جاتا ہے، اس قول کے مطابق تعداد تین ہے۔

ان تمام اولاد میں سے صرف حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے ہیں، باقی سب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے۔

قال الحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ قال ابن اسحاق فولدت (خدیجۃ) لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولدہ کلھم الا ابراھیم : القاسم وکان بہ یکنی والطیب والطاھر وزینب ورقیۃ وام کلثوم وفاطمۃ (البدایۃ والنھایۃ ص۲۹۳ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۵ ربیع الثانی سنہ ۹۳ھ

کھانے کے دوران چھینک :

سؤال : اگر کھانا کھاتے ہوئے چھینک آئے تو "الحمد للہ" کہنا چاہیئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر منہ میں لقمہ ہونے کا عذر ہو تو استحباب ساقط ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ ربیع الثانی سنہ ۹۳ھ

۴

کھانے کے لئے بیٹھنے کی ہیئت:

سوال: کھانے کے لئے بیٹھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ نیز مرد اور عورت کے بیٹھنے کی ہیئت میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کھانے کے لئے بیٹھنے کی بہتر ہیئت وہ ہے جس سے بلا سیری محسوس ہوتی ہو۔ چنانچہ اسی بنا پر دو طریقے بہتر قرار دیئے گئے ہیں:

① دایاں گھٹنا کھڑا کر کے بایاں بچھا کر بیٹھنا۔

② دو زانو بیٹھنا۔

مرد اور عورت کی بیٹھنے کی ہیئت میں کوئی فرق منقول نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ معزیا الی شرح الجامع الصغیر للعلقمی:

واحسن الجلسات للاکل الاقعاء علی الورکین ونصب الرکبتین ثم الجثی علی الرکبتین وظهور القدمین ثم نصب الرجل الیمنی والجلوس علی الیسریٰ وتمامہ فیہ (رد المحتار صفحہ ۵ ج ۵)

علقمی کی عبارت مذکورہ میں پہلی صورت شمایل روایت سے ماخوذ ہے:

قال انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقعیا یاکل تمرا وفی روایۃ یقسمہ وھو محتفز یاکل منہ اکلا ذریعا۔

(صحیح مسلم مع شرح النووی صفحہ ۲)

اس روایت کے پورے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اکل تمر وغیرہ کے ساتھ خاص ہے، اس لئے حافظ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے ذکر نہیں کیا، دو صورتیں بتائی ہیں، وھو ہذہ:

فالمستحب فی صفۃ الجلوس للاکل ان یکون جاثیا علی رکبتیہ وظہور قدمیہ او ینصب رجلہ الیمنی ویجلس علی الیسریٰ (عمدۃ القاری صفحہ ۲ ج ۲۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۶ محرم ۱۳۹۵ھ

دو شملوں کا ثبوت :

سوال : شملہ اوپر نیچے دونوں طرف سنت سے ثابت ہے یا اوپر والا بدعت ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں شملے سنت سے ثابت ہیں۔

قال الحافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ : عن عمرو بن حریث قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر وعلیہ عمامۃ سوداء قد ارخی طرفیہا بین کتفیہ (زاد المعاد ص۱۳۶ ج ۱) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۷ محرم سنہ ۹۵ھ

بوقت سفر بیوی بچوں کے منہ میں لعاب ڈالنا :

سوال : بعض لوگوں کی عادت ہے کہ جب سفر پر جاتے ہیں تو اپنے بیوی بچوں کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالتے ہیں، وہ اس کو نگل لیتے ہیں، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اس سے صبر نصیب ہوتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی کوئی اصل نہیں، ایسا عقیدہ رکھنا غلط ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۸ محرم سنہ ۹۵ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاہ چادر اوڑھنا :

سوال : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو " کالی کملی والا " کہا جاتا ہے، آپ نے جو کالی کملی استعمال فرمائی، کیا وہ سورۂ مزمل کے نزول کے وقت آپ نے اوڑھی ہوئی تھی یا کسی اور موقع پر ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاہ بالوں کی چادر استعمال فرمانا ثابت ہے۔ مگر اس پر مداومت ثابت نہیں، بوقت نزول سورۂ مزمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاہ چادر اوڑھے ہوئے ہونا ثابت نہیں۔

قالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم غداۃ

وعلیہ مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی فادخلہ ثم جاء الحسین فدخل معہ ثم جاءت فاطمۃ فادخلھا ثم جاء علی فادخلہ ثم قال انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (صحیح مسلم ص۲۸۲ ج۲)

اس آیت کی تفسیر رسالہ ازمۃ التنسیر لآیۃ التطہیر مندرجہ احسن الفتاویٰ جلد اول میں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سیاہ پگڑی :

سؤال : سیاہ رنگ کی پگڑی کئی لوگوں کو پہنے دیکھا ہے، کیا یہ سنت ہے؟ اگر سنت ہے تو کیا اہل تشیع کے ساتھ تشابہ کے باوجود اسکا استعمال درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سیاہ رنگ کی پگڑی کا استعمال اگرچہ فی نفسہ ثابت اور جائز ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید لباس اور عمامہ زیادہ پسند تھا اور عام حالات میں سفید رنگ ہی کا لباس اور عمامہ استعمال فرماتے تھے، اس لئے سفید رنگ کا عمامہ افضل ہے۔ نیز اہل تشیع کی مشابہت کی وجہ سے بھی سیاہ رنگ کا ترک بہتر ہے۔

عمامۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ کے بارے میں مکمل تحقیق رسالہ "المقالۃ البیضاء فی العمامۃ السوداء" میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۹ ر رجب سنہ ۹۵ھ

والدین کی نافرمانی کا حکم :

سؤال : اگر کوئی شخص والدین کی نافرمانی کرے، بلکہ ان کو مارے پیٹے تو شریعت نے دنیا میں اس کے لئے کیا سزا متعین فرمائی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اسلام میں والدین کی اطاعت اور ان کی خدمت کو بہت اہمیت دی گئی ہے چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما ربیٰنی صغیرا۔

یعنی والدین کے سامنے کوئی ایسی بات بھی نہ کی جائے جس سے انھیں ناگواری محسوس ہو اور ان کے سامنے ہمیشہ عاجزی اختیار کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دُعا کی جائے کہ یا اللہ! تو ان پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے بچپن میں مجھ پر رحم کیا اور میری پرورش کی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کے حکم کو اپنی توحید و عبادت کے حکم کے ساتھ بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

وقضیٰ ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا

نیز حکم فرمایا ہے کہ میری دی ہوئی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ والدین کا شکر بھی ادا کرنا چاہئے، چنانچہ ارشاد ہے:

ان اشکرلی ولوالدیک

اس کے علاوہ اس بارے میں احادیث بھی بکثرت منقول ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا قال یا رسول اللہ ما حق الوالدین علی ولدھما قال ھما جنتک ونارک رواہ ابن ماجہ۔

(۲) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اصبح مطیعا للہ فی والدیہ اصبح لہ بابان مفتوحان من الجنۃ ان کان واحدا فواحدا ومن اصبح عاصیا للہ فی والدیہ اصبح لہ بابان مفتوحان من النار ان کان واحدا فواحدا قال رجل وان ظلماہ قال وان ظلماہ وان ظلماہ وان ظلماہ رواہ البیھقی۔

(۳) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من ولد بار ینظر الی والدیہ نظرۃ رحمۃ الا کتب اللہ لہ بکل نظرۃ حجۃ مبرورۃ قالوا وان نظر کل یوم مائۃ مرۃ قال نعم اللہ اکبر واطیب۔ رواہ البخاری۔

(۴) عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل الذنوب یغفر اللہ منھا ما شاء الا عقوق الوالدین فانہ

یعجل لصاحبہ فی الحیوۃ قبل الممات رواہ البیہقی (مشکوٰۃ ص۴۲۱)
غرضیکہ قرآن وحدیث میں والدین کا بہت بڑا مقام بیان کیا گیا ہے مگر شریعت نے والدین کی نافرمانی کرنے والے کے لئے دنیا میں حد کے طور پر کوئی سزا مقرر نہیں کی، بلکہ ناگہانی آفات وبلیات میں مبتلا ہونے کی وعید سنائی ہے۔
ظاہری سزا کو حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، حکومت پر لازم ہے کہ ایسے شخص کو سخت سزا دے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ ذی الحجہ سنہ۹۸ھ

والدین میں سے والد کی اطاعت مقدم ہے:

سوال: والدین میں سے کس کا حق اولاد کے ذمہ زیادہ ہے، اگر اس میں کچھ تفصیل ہو تو وہ بھی بیان کی جائے، بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

احسان اور حسن معاشرت میں والدہ کا حق مقدم ہے اور وہ امور جن کا تعلق تعظیم وادب اور رائے سے ہے ان میں والد کا حق مقدم ہے۔
قال علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال الخطابی لم یخص الامھات بالعقوق فان عقوق الاباء محرم ایضا ولکن نبہ باحدھما علی الاٰخر فان بر الام مقدم علی بر الاب الا ان لعقوق الامھات مزیۃ فی القبح، وحق الاب مقدم فی الطاعۃ وحسن المتابعۃ لرأیہ، والنفوذ لامرہ، وقبول الادب منہ (المرقاۃ ص۱۵۱ ج۸) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ ذی القعدہ سنہ۹۸ھ

مثل بالا:

سوال: کسی امر جائز کے لئے لڑکے کو باپ منع کر رہا ہے اور ماں کرنے کا حکم دے رہی ہے یا بالعکس تو یہ کس کے حکم کی تعمیل کرے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ عورت شرعاً خود شوہر کی محکومہ ہے اس کا شوہر کے حکم کے خلاف حکم کرنا خود معصیت ہے اور معصیت میں اطاعت جائز نہیں لہٰذا

ں کا کہنا نہ مانے ۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم ۔

۱۰ ذی القعدہ ۹۶ھ

ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کاٹنا افضل ہے :

سوال : ایک شخص کی ڈاڑھی بہت لمبی ہے تو کیا ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کاٹنا بہتر ہے یا نہ کاٹنا بہتر ہے خواہ جتنی لمبی ہو جائے، نیز گالوں کے بال کاٹنا کیسا ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

ایک مشت سے زائد بالوں کا کاٹنا افضل ہے ،

دونوں جبڑوں کی حد یا سل سے اوپر بڑھنے والے بالوں کا کاٹنا جائز ہے ضروری نہیں ۔

قال العلامۃ ابن النجیم رحمہ اللہ تعالی : وقد صرح فی النہایۃ بوجوب قطع ما زاد علی القبضۃ بالضم ومقتضاہ الاثم بترکہ ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی : (قولہ وقد صرح فی النہایۃ بوجوب قطع ما زاد الخ) قال فی النہر وسمعت من بعض اعزاء الموالی ان قول النہایۃ یجب بالحاء المہملۃ ولا بأس بہ اھ قال الشیخ اسماعیل ولکنہ خلاف الظاہر واستعمالہم فی مثلہ یستحب اھ وکأنہ لهذا واللہ تعالی اعلم لم یعول علیہ الشیخ علاء الدین مع شدۃ متابعتہ للنہر وقال مقتضاہ الاثم بترکہ الا ان یحمل الوجوب علی الثبوت اھ قلت وظاہر قول الہدایۃ ولا یفعل لتطویل اللحیۃ تقلیل الکراہۃ تأمل (البحر ص۲۸۵ ج۲) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم ۔

۸ ربیع الثانی ۹۶ھ

بنیت دعوت جانور خریدنے سے ایفاء لازم نہیں :

سوال : زید نے ایک دنبہ خریدا اور نیت یہ تھی کہ بچے قرآن پڑھ لیں گے تو اس کو ذبح کر کے دوست احباب کو دعوت کھلاؤں گا مگر زید کے پاس مصالحہ وغیرہ دیگر اخراجات کے لئے پیسے نہیں ، اس لئے اس دنبہ کو فروخت

کرکے رقم تعمیر مسجد یا مدرسہ عربیہ کے لئے وقف کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بچوں کے قرآن ختم کرنے یا حفظ مکمل کرنے پر جو رسوم وعام سے دعوتیں کرنے کا بہت رواج ہوگیا ہے، اس میں کئی قبائح ہیں، اس لئے دُنبہ فروخت کرکے اس کی قیمت تعمیر مسجد یا کسی مدرسہ میں خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے، اس سے صدقۂ جاریہ واشاعت علم کا ثواب ملے گا،

اگر دعوت میں کوئی قباحت نہ ہو تو بھی اس نیت سے خریدے ہوئے دنبہ کا ذبح کرنا ضروری نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ رشعبان سنہ ۹۶ھ

عصمت انبیاء علیہم السلام پر پوری اُمّت کا اجماع ہے:

سوال: بعض لوگ عصمت انبیاء کے منکر ہیں اور عصمت کے قائلین پر طعن کرتے ہیں وہ اپنے استدلال میں یہ دلائل پیش کرتے ہیں:

(۱) وعصیٰ اٰدم ربہ فغویٰ۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین مقامات پر جھوٹ بولا:

بل فعلہ کبیرھم ھٰذا

انی سقیم

ھٰذہ اختی

(۳) قال ھٰذا ربی ھٰذا اکبر، یہ شرک ہے۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو مار ڈالا،

فوکزہ موسیٰ فقضیٰ علیہ۔

(۵) حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنی قوم سے مفرور ہوئے۔

کیا ان لوگوں کا ان آیات سے استدلال صحیح ہے؟ اگر نہیں تو ان آیات کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عصمت انبیاء علیہم السلام پر پوری امت مسلمہ کا اجماع ہے، کوئی مسلمان عدم عصمت کا قول نہیں کر سکتا، اگر کوئی شخص ایسی بکواس کرتا ہے وہ دیوانہ ہے یا مسلمانوں کے لباس میں دشمن اسلام ہے۔

عصمت انبیاء علیہم السلام پر دلائل پیش کرنا اس کو نظری بنانے کے مترادف ہے اور بالکل ایسے ہے جیسے کوئی احمق دوپہر کے وقت دن کے وجود کو دلائل سے ثابت کرنا چاہے۔

سؤال میں پیش کردہ آیات سمجھنے کے لئے کچھ فہم درکار ہے اور وہ کسی اہل فہم کے پاس بیٹھنے سے حاصل ہوتی ہے۔

جن آیات میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف معصیت یا کذب کی نسبت کی گئی ہے ان کے ظاہری معنی مراد نہیں یا خلاف اولیٰ پر محمول ہیں جس کو کبار مفسرین نے مفصل بیان فرمایا ہے۔

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ (والانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کلہم منزھون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح) ای جمیعہم الشامل لرسلہم ومشاہیرہم وغیرہم اولہم آدم علیہ الصلاۃ والسلام علی ما ثبت بالکتاب والسنۃ واجماع الامۃ (منزھون) ای معصومون

(شرح کتاب الفقہ الاکبر ص۹۹)

وقال العلامۃ ظفر احمد العثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ تعالیٰ (قال انی جاعلک للناس اماما، قال: ومن ذریتی، قال: لا ینال عھدی الظالمین) وفیہ دلالۃ علی عصمۃ الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام عن الکبائر قبل البعثۃ لان کل ذنب ظلم، لانہ تجاوز عن الحق وتعد علیہ، وکثیر من الذنوب یسمی ظلما فی الشرع، وقد دلت الآیۃ علی ان نیل النبوۃ لا یجامع الظلم السابق، فاذا تحقق النیل کما فی الانبیاء علم عدم اتصافہم حال النیل بالظلم السابق (وبعد اسطر) فالحق ان المراد بالظلم خلاف العدل، فکل نبی معصوم عن الکبائر من الذنوب فما نقل عن

الانبیاء علیهم الصلاة والسلام مما یشعر بکذب او معصیة فما کان منقولا بطریق الآحاد فمردود، وما کان منقولا بطریق التواتر فمصروف عن ظاهره ان امکن والا فمحمول علی ترک الاولیٰ (احکام القرآن ص ج ۱)

قال العلامة الشیخ رجب بن احمد رحمه الله تعالیٰ فی الطریقة المحمدیة (وهم) ای الرسل (معصومون) ای مطهرون ومنزهون (عن الاثم الکذب مطلقا وعن الکبائر بجمیع انواعها وعن کل فرد من افرادها جمیعا (و) عن (الصغائر المنفرة) بصیغة الفاعل من التنفیر التبعید من قامت به۔
(البریقة المحمودیة ص۹۵ ج۲)

شارح ابو سعید الخادمی رحمه الله تعالیٰ نے اس پر مفصل بحث کی ہے اور تمام شبہات کا ازالہ کیا ہے، مفصل بحث کے آخر میں فرماتے ہیں:

والحاصل ان الانبیاء علیهم الصلاة والسلام معصومون عن الجهل فیما یتعلق بالذات والصفات بعد النبوة عقلا واجماعا وقبلها سمعا ونقلا وعن الجهل فی الامور التبلیغیة قطعا شرعا وعقلا وعن الکذب وخلف القول بعد النبوة قصدا او غیر قصد شرعا اجماعا نظرا او برهانا وقبل النبوة قطعا وعن الکبائر اجماعا وعن الصغائر تحقیقا وعن استدامة السهو والغفلة تحقیقا واستمرار الغلط والنسیان فی الامور التشریعیة سواء غضب او رضا او جد او مزح (البریقة المحمودیة ص۹۵ ج۱) والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۷ ذی الحجہ سنہ ۹۶ھ

استشارہ واستخارہ میں تعارض نہیں:

سوال: قرآن مجید میں استشارہ کا حکم ہے:

وشاورهم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی الله

الذین استجابوا لربهم واقاموا الصلوٰة وامرهم شوریٰ بینهم۔

اور حدیث میں تردد کے موقع پر استخارہ کی ترغیب ہے اور بعد استخارہ پر ترغیب بھی ہے، دریافت طلب یہ ہے کہ مشورہ لینے کے بعد مشورہ لینے والے کی جو رائے قائم ہوئی اگر استخارہ میں دل کا رجحان اس کے خلاف ہو تو ترجیح

کس کو ہوگی؟ مشورہ کے بعد قائم ہونے والی رائی کو یا استخارہ کے بعد دل کے رجحان کو؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

استشارہ و استخارہ دونوں مامور بہ ہیں، مگر اوّل کا امر زیادہ مؤکد ہے، معہذا دونوں میں سے کسی کے ثمرہ پر عمل کرنا ضروری نہیں، نیز استخارہ کے بعد جو شق قلب میں راجح معلوم ہو، اس کا نافع ہونا ضروری نہیں، بلکہ استخارہ کا حاصل صرف اتنا ہے جتنا دعاء ماثور سے مفہوم ہے، یعنی جو شق مفید ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کے اسباب پیدا فرما دیں گے اور دوسری شق کے اسباب کو موقت فرما کر موانع پیدا فرما دیں گے، بس یہی یقین رکھتے ہوئے استخارہ کرنا چاہیے، اگر استخارہ کے بعد بھی دونوں جانب اسباب موجود ہے تو بھی استشارہ کے بعد جو کچھ بھی کرے گا اسی میں خیر ہوگی۔

اس تشریح کے بعد معلوم ہوگیا کہ استشارہ و استخارہ میں تعارض نہیں ہو سکتا، کیونکہ وارد قلبی کے خلاف اگر استشارہ کے مطابق عمل کر لیا گیا تو یہ استخارہ کے خلاف نہیں ہوا بلکہ استخارہ کی بدولت یہ کام ہوا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ا ہر ذی الحجہ سنہ ۹۴ھ

اسماء حسنیٰ میں مختص باللہ تعالیٰ کون سے اسماء ہیں:

سوال: آج کل عام طور پر باری تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی طرف عبد کی اضافت کر کے نام رکھتے ہیں مگر عموماً غفلت کی وجہ سے مسمّٰی کو بدون عبد کے پکارا جاتا ہے حالانکہ بعض اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً رزاق، رحمٰن وغیرہ۔

ذیل میں احوال اپنی جستجو کے موافق فیض الباری ص ۲۲۳ ج ۴ سے اسماء حسنیٰ درج کر رہا ہوں تحقیق فرمائیں کہ کون کون سے اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں کہ ان کو بدون عبد مسمّٰی کے لئے کہنا گناہ کبیرہ ہے، مگر ان کے علاوہ کوئی اور اسماء ہوں تو ان کو بھی بمع تحقیق درج فرمائیں، نیز ان اسماء کے شروع میں یا آخر میں محمد یا احمد کا اضافہ کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ہر زبان میں اسماء تین طرح استعمال ہوتے ہیں :

① مختص باللہ مفرداً ومضافاً۔

② غیر مختص مفرداً ومضافاً۔

③ مختص مفرداً لا مضافاً۔

مثلاً فارسی میں خدا مفرداً مختص باللہ تعالیٰ ہے مگر مضافاً مختص نہیں بلکہ غیر پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے اور اردو میں بہر حال یہ مختص باللہ تعالیٰ ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اس میں اہل لسان کا عرف معتبر ہے، البتہ جن اسماء کا مبدأ اشتقاق ہی غیر میں نہیں پایا جاتا جیسے خالق ورازق وغیرہما ان سے متعلق عرف کے معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، ایسے اسماء زبان کسی علاقہ کے عرف میں بھی غیر اللہ پر نہیں بولے جاتے، جن اسماء کا مبدأ اشتقاق غیر اللہ میں پایا جاتا ہے ان کے جواز استعمال کے لئے مفرداً ومضافاً عرف کو دیکھا جائے گا چونکہ ننانوے اسماء حسنیٰ عربی ہیں اس لئے ان میں سے وہ اسماء جن کا مبدأ اشتقاق غیر میں پایا جاتا ہے ان کے جواز استعمال للغیر کے لئے عرب کے عرف کو دیکھا جائے گا۔

یہ تفصیل اطلاق اسماء کے بارے میں ہے، کسی کا نام رکھنے کی صورت میں حذف مضاف بہر حال جائز ہے، اس لئے کہ وہ متکلم کی مراد میں داخل ہے، مع ہذا کراہت سے خالی نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴ محرم سنہ ۹۷ھ

بے ختنہ کی امامت صحیح ہے :

سوال : کوئی ختنہ شدہ مولوی صاحب فی الحال کسی وجہ سے بے ختنہ ہو جائے تو وہ مولوی صاحب شرعاً مسجد کا پیش امام ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ان کی امامت صحیح ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ محرم سنہ ۹۷ھ

بالغ نومسلم کے ختنہ کا حکم:

سوال: مذہب حنفی میں کتنی عمر کے بچے کا ختنہ کروانا چاہئے، اگر والدین نے ختنہ کروانے میں سستی کی اور بچہ نو یا دس برس کا ہوگیا تو کیا اب ختنہ کروایا جاسکتا ہے؟ ستر کا چھپانا اس عمر میں فرض ہے کہ نہیں؟ نیز بالغ نو مسلم کا حکم بھی تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ختنہ کے لئے عمر کی کوئی تحدید نہیں فرمائی، جب اصحاب رائے بچے میں ختنہ کے تحمل کا فیصلہ کرلیں وہی عمر ختنہ کے لئے بہتر ہے۔

دور حاضر میں ختنہ کا طریقہ انتہائی سہل و بے ضرر ہے، نئی نئی دواؤں کی ایجاد نے زخم کا جلد مندمل ہونا بھی آسان بنادیا ہے، اس لئے تحمل مشقت کے لئے کسی انتظار کی ضرورت نہیں، جتنا جلد ہو بہتر ہے۔

اگر والدین نے ختنہ کروانے میں غفلت کی اور بچہ نو دس سال کا ہوگیا تو بھی اسکا ختنہ کروایا جائے، اگرچہ چار سال کے بچے کا ستر دیکھنا بھی بلا ضرورت جائز نہیں مگر بضرورت تداوی ستر کھولنا جائز ہے اور ختنہ تو شعار اسلام ہے اس کے لئے ستر کھولنا بطریق اولیٰ جائز ہے، بالغ نومسلم کا بھی یہی حکم ہے۔

البتہ اگر خود ختنہ کرسکتا ہو۔ یا زوجہ یا امۃ سے کروا سکتا ہو تو غیر کے سامنے کشف عورۃ جائز نہیں۔

اگر کسی وجہ سے مشقت ختنہ کا تحمل نہ ہو تو یہ حکم ساقط ہوجائے گا۔

قال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ: فلا بأس ان ینظر الرجل من الرجل الی موضع الختان لیختنہ ویداویہ بعد الختن وکذا اذا کان بموضع العورۃ من الرجل قرح او جرح او وقعت الحاجۃ الی مداواۃ الرجل (بدائع الصنائع ص۱۲۳ ج ۵)

وقال الامام قاضیخان رحمہ اللہ تعالیٰ: وکذا للحجام ان ینظر الی فرج البالغ عند الختان (وبعد سطرین) وینبغی ان یختن الصبی اذا بلغ تسع سنین فان ختنوہ وھو اصغر من ذلک فحسن وان کان فوق

ذلک قلیلا قالوا لا باس به لابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی لم یقدر وقت الختان قال شمس الائمۃ الحلوانی رحمہ اللہ تعالی وقت الختان من حین یحتمل الصبی ذلک الی ان یبلغ (الخانیۃ بھامش الهندیۃ ص۴۰۹ ج ۳)

وقال ایضا: وکذا المجوسی اذا اسلم وھو شیخ ضعیف اخبر اھل البصر انہ لا یطیق الختان یترک (حوالہ بالا)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی لفتی الحمام ان ینظر الی العورۃ وتحتہ الختان وقیل فی ختان الکبیر اذا امکنہ ان یختن نفسہ فعل والا لم یفعل الا ان لا یمکنہ النکاح او شراء الجاریۃ والظاھر فی الکبیر انہ یختن ویکفی قطع الاکثر۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ عن ابی حنیفۃ الخ) ھذا غیر المعتمد لما فی شرح الوھبانیۃ وینبغی ان یتولی حلق عورتہ بیدہ دون الحمام ھو الصحیح لان ما لا یجوز النظر الیہ لا یجوز مسہ الا فوق الثیاب وعن ابن مقاتل لا باس ان یتولی عورۃ غیرہ بالنورۃ کالختان ویغض بصرہ اھ

قلت: وفی التتارخانیۃ قال الفقیہ ابو اللیث ھذا فی حالۃ الضرورۃ لا لغیر (قولہ وقیل الخ) مقابل لقولہ وتحتہ الختان فانہ مطلق یشمل ختان الکبیر والصغیر وکذا اطلقہ فی النھایۃ واقرہ الشراح والظاھر ترجیحہ ولذا عبر عن التفصیل بقیل (قولہ الا ان لا یمکنہ النکاح) کذا رایتہ فی المجتبی والصواب اسقاط لا یعنی ان کما وجدتہ فی بعض النسخ موافقا لما فی التتارخانیۃ وغیرھا او المراد ان لا یمکنہ ان یتزوج امراۃ تختنہ او یشتری امۃ کذلک (قولہ والظاھر فی الکبیر انہ یختن) الظاھر ان یختن مبنی للمجھول ای یختنہ غیرہ فیوافق اطلاق الھدایۃ تامل (رد المحتار ص۲۳۵ ج ۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: صبی حشفتہ ظاھرۃ بحیث لو راہ انسان ظنہ مختونا ولا تقطع جلدۃ ذکرہ الا بتشدید الم ترک علی حالہ کشیخ اسلم وقال اھل النظر لا یطیق الختان ترک ایضا (رد المحتار ص۴۷۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۵ محرم سنہ ۹۶ھ

چلتے وقت پہلے سیدھا قدم اٹھانا:

سوال: کیا چلتے وقت پہلے سیدھا قدم اٹھانا سنت ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا، بعض بزرگوں سے منقول اور قواعد کلیہ سے یہی مستنبط ہوتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ جمادی الثانیہ سنہ ۷۹ھ

کھانے کے آداب:

سوال: اللہ تعالیٰ کا حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کھانے سے متعلق کیا ہے؟ کہ جسکا خیال رکھ کر ہمارا کھانا دین بن جائے۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

کھانے کے آداب یہ ہیں:

(۱) کھانے سے پہلے ہاتھ دھوکر پونچھے نہ جائیں اور نہ ہی کسی چیز کو چھوئیں۔

(۲) کھانے کے بعد ہاتھ دھوکر پونچھے جائیں۔

(۳) کھانے سے قبل بسم اللہ پڑھنا، اگر جماعت ہو تو بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے۔

(۴) کھانے کے بعد دعاء ماثورہ الحمد للہ کثیرا طیبا مبارکا فیہ غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا (بخاری)

الحمد للہ الذی کفانا وأروانا غیر مکفی ولا مکفور (بخاری)

الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین (ابوداؤد والترمذی)

(۵) کھاتے وقت چارزانو یا تکیہ لگاکر نہ بیٹھے، بلکہ ایک پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے دوسرا گھٹنا کھڑا رکھے، یا دوزانو بیٹھے، کوئی عذر ہو تو جیسے چاہے بیٹھ سکتا ہے۔

(۶) کھانا نیچے یا چوکی وغیرہ پر بیٹھ کر کھائے، میز کرسی پر کھانا، یا خود نیچے بیٹھ کر کھانا چوکی پر رکھنا، یا خود پیڑھی یا گدے وغیرہ پر بیٹھنا اور کھانا نیچے رکھنا یہ سب صورتیں کھانے کے آداب کے خلاف ہیں، کھانے والے کی نشست اور کھانا رکھنے کی جگہ دونوں بلندی میں برابر ہوں۔

⑦ کھانے کے اوپر کوئی پیالہ وغیرہ نہ رکھنا۔
⑧ دسترخوان پر پاؤں نہ رکھے۔
⑨ روٹی دسترخوان پر بغیر برتن کے نہ رکھے۔
⑩ کھانا اپنے سامنے سے کھانا، البتہ اگر دسترخوان پر متفرق چیزیں ہوں تو دوسرے کے سامنے سے اٹھا کر کھانا بھی درست ہے۔
⑪ انگلیوں کا چاٹنا۔ روٹی سے، رومال سے اور دسترخوان سے انگلیاں صاف کرنا بے ادبی ہے۔
اگر انگلیاں چاٹنے کے بعد خشک کرنے کی ضرورت ہو تو کسی الگ رومال سے خشک کرنے میں مضائقہ نہیں۔
⑫ کھانے میں عیب نہ لگانا، رغبت ہو تو کھا لینا ورنہ چھوڑ دینا۔
⑬ لقمہ گر جائے تو صاف کرکے کھا لینا۔
⑭ کھانا دائیں ہاتھ سے کھانا۔
⑮ پیٹ بھر کر نہ کھانا۔
⑯ زیادہ گرم کھانا نہ کھائے۔
⑰ کھانے کو سونگھے نہیں۔
⑱ کھانے میں پھونک نہ مارے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: سنة الأکل البسملة أوله والحمدلة آخره وغسل الیدین قبله وبعده۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: (قوله وغسل الیدین قبله) لنفی الفقر ولا یمسح یده بالمندیل لیبقی اثر الغسل وبعده لنفی اللمم ویمسحها (الی قوله) ویکره وضع المملحة والقصعة علی الخبز ومسح الید او السکین به ولا یعلقه بالخوان ولا بأس بالاکل متکئا او مکشوف الرأس فی المختار (الی ان قال) وان لا یترك لقمة سقطت من یده فانه اسراف بل ینبغی ان یبتدئ بها ومن السنة ان لا یأکل من وسط القصعة فان البرکة تنزل فی وسطها وان یأکل من موضع واحد

لانہ طعام واحد بخلاف طبق فیہ الوان الثمار فانہ یاکل من حیث شاء لانہ الوان، بخلاف ذلک ورد الاثر ویبسط رجلہ الیسری وینصب الیمنی ولا یاکل الطعام حارا ولا یشمہ وعن الثانی انہ لا یکرہ النفخ فی الطعام الا مما له صوت نحو اف وھو محمل النھی ویکرہ السکوت حالة الاکل لانہ تشبہ بالمجوس ویتکلم بالمعروف (الی ان قال) ولعق القصعة وکذا الاصابع قبل مسحھا بالمندیل وتمامہ فی الدرا المنتقی والبزازیة وغیرھا (ردالمحتار ص۲۱۶ ج ۵)

عن وھب بن کیسان عن عمر بن ابی سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنت فی حجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت یدی تطیش فی الصحفة فقال لی یا غلام سم اللہ وکل بیمینک وکل مما یلیک۔ (مسلم ص۱۷۲ ج ۲)

عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ماعاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعاما قط کان اذا اشتھی شیئا اکلہ وان کرھہ ترکہ (مسلم ص۱۸۸ ج ۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲ رجب سنہ ۹۷ھ

پینے کے آداب :

سوال : پینے کے آداب کیا ہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا۔
(۲) دائیں ہاتھ سے پینا۔
(۳) کم از کم تین سانس میں پینا۔
(۴) برتن منہ سے ہٹا کر سانس لینا۔
(۵) کھانے پینے کی اشیاء میں ایسی پھونک مارنا جس سے آواز پیدا ہو درست نہیں۔ البتہ ٹھنڈا کرنے کے لئے بغیر آواز کے پھونکنے کی بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے گنجائش دی ہے مگر کراہت طبعیہ سے بہر حال خالی نہیں۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اکل احدکم فلیاکل بیمینہ واذا شرب فلیشرب بیمینہ فان الشیطان یاکل بشمالہ ویشرب بشمالہ (مسلم ص۱۷۲ ج ۲)

وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یتنفس فی الاناء ثلاثا وفی روایۃ یتنفس فی الشراب ثلاثا (مسلم ص۱۷۴ ج ۲)

وعن عبد اللہ بن ابی قتادۃ عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یتنفس فی الاناء (حوالہ بالا)

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یتنفس فی الاناء او ینفخ فیہ ھذا حدیث حسن صحیح (ترمذی ص۱۱ ج ۲)

وترجم الامام النووی رحمہ اللہ تعالیٰ لمثل ھذہ الاحادیث "باب کراھۃ التنفس فی نفس الاناء واستحباب التنفس ثلاثا خارج الاناء" ثم قال ھذان الحدیثان محمولان علی ما ترجمنا لھما فالاول محمول علی اول الترجمۃ والثانی علی آخرھا۔

وقال ایضا: (قولہ فی الحدیث الثانی کان یتنفس فی الاناء وفی الشراب) معناہ فی اثناء شربہ من الاناء او فی اثناء شربہ الشراب واللہ اعلم۔

(شرح مسلم للنووی ص۱۷۴ ج ۲)

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وعن ابی یوسف انہ لا یکرہ النفخ فی الطعام الا بما فیہ صوت نحو اف وھو محمل النھی (رد المحتار ص۲۳۴ ج ۵)

قال فی الھندیۃ: وفی النوادر قال فضل بن غانم سألت ابا یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ عن النفخ فی الطعام ھل یکرہ قال لا الا مالہ صوت مثل اف وھو تفسیر النھی ولا یؤکل طعام حار ولا یشم ولا ینفخ فی الطعام والشراب (عالمگیریۃ ص۳۳۷ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ رجب سنہ ۹۸ھ

قول امام "اذا صح الحدیث فھو مذھبی" کا مطلب:

سوال: غیر مقلدین کے اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اگر میرا کوئی قول صحیح حدیث کے خلاف ہو تو اسے ترک

کردو، اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔" جب حدیث موجود ہو تو وہی میرا مذہب ہے"
جب خود امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں تو پھر حنفیہ ان کے مخالف حدیث
اقوال پر عمل کیوں کرتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول دو شرطوں سے مشروط ہے جو عقلاً و
نقلاً ثابت ہیں:

① یہ ارشاد مجتہد کے لئے ہے، اس لئے کہ ناسخ و منسوخ اور حدیث کی صحت و
سقم معلوم کرنا اور ادلۂ متعارضہ میں تطبیق یا ترجیح صرف مجتہد کا کام ہے۔

② یہ ظن غالب ہو کہ یہ حدیث حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچی، اگر
یہ حدیث پہنچنے کے باوجود امام نے اسے قبول نہیں کیا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ
عند الامام صحیح نہیں، یا آپ کے سامنے اس سے زیادہ قوی کوئی دلیل ہوگی، اس
صورت میں اسی حدیث کو امام رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب قرار دینا بدیہی البطلان ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: قلت و لا یخفی ان ذلک لمن
کان اھلا للنظر فی النصوص ومعرفۃ محکمھا من منسوخھا (رسائل ابن
عابدین ص ۲۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ محرم سنہ ۹۸ھ

عورت کے لئے مہندی لگانا مستحب ہے:

سوال: کیا مہندی لگانا سنت ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عورت کے ہاتھ بغیر
مہندی کے ہوں تو مردوں سے مشابہت ہوتی ہے، کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کا ہاتھوں پر مہندی لگانا سنت ہے، نہ لگانے سے مردوں سے
مشابہت ہوتی ہے، اس لئے خالی ہاتھ رہنا مکروہ ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ان ھند ابنت عتبۃ قالت یا نبی اللہ
بایعنی فقال لا ابایعک حتی تغیری کفیک فکانھما کفا سبع رواہ ابوداؤد۔
وعنھا قالت اومت امرأۃ من وراء ستر بیدھا کتاب الی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم فقبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدہ فقال ما ادری ایدی رجل ام ید امرأۃ قالت بل ید امرأۃ قال لوکنت امرأۃ لغیرت اظفارک یعنی بالحناء رواہ ابوداود والنسائی (مشکوۃ ص۳۸۳)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم المخنثین من الرجال والمترجلات من النساء وقال اخرجوھم من بیوتکم رواہ البخاری۔

قال العلامۃ علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: (اخرجوھم من بیوتکم) ای من مساکنکم او من بلادکم، فی شرح السنۃ: روی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بمخنث قد خضب یدیہ ورجلیہ بالحناء فامر بہ فنفی الی النقیع، ففی شرعۃ الاسلام: الحناء سنۃ للنساء ویکرہ لغیرھن من الرجال الا ان یکون لعذر لانہ تشبہ بھن، فھو یدل ان تخلیۃ النساء عن الحناء مطلقا مکروہۃ ایضا لتشبہھن بالرجال وھو مکروہ اھ

(المرقاۃ ص۲۱ ج ۸)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۳ر شعبان سنہ ۹۸ھ

تلاوتِ قرآن استماع سے افضل ہے:

سوال: تلاوت کرنے میں زیادہ ثواب ہے یا استماع قرآن میں؟ بہار شریعت میں ہے:

"قرآن مجید سننا تلاوت کرنے اور نفل پڑھنے سے افضل ہے" (غنیہ)

(بہار شریعت ص۱۰۲ ج ۳)

تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قال فی الغنیۃ واستماع القرآن افضل من تلاوتہ وکذا من الاشتغال بالتطوع لانہ یقع فرضا والفرض افضل من النفل (کبیری ص۴۹۶)

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ استماع کی افضلیت کا قول اس کی فرضیت پر

بھی ہے اور راجح یہ ہے کہ خارج صلوٰۃ میں استماع فرض نہیں، لہٰذا فضیلت بھی نہ رہی۔

نیز الفرض افضل من النفل کا قاعدہ بھی کلیہ نہیں، مثلاً جواب سلام واجب ہے، ابتداء سلام سنت ہے، معہذا ابتداء سلام کا ثواب بالاتفاق زیادہ ہے، جس طرح جواب کی فضیلت ابتداء سلام پر موقوف ہے، اسی طرح استماع کی فضیلت بھی تلاوت پر موقوف ہے، اس لحاظ سے بھی تلاوت میں دو ثواب ہوئے، ایک خود تلاوت کرنے کا اور دوسرا غیر کے استماع کا سبب بننے کا۔

جمع الفوائد میں مسند احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت نقل کی ہے:

من استمع الی اٰیۃ من کتاب اللّٰہ کتبت لہ حسنۃ مضاعفۃ ومن تلاھا کانت لہ نورا یوم القیامۃ (جمع الفوائد ص۲۲ ج ۲)

اس حدیث سے بھی سماع پر تلاوت کی افضلیت ثابت ہوتی ہے، سماع قرآن پر صرف حسنۂ مضاعفہ کا وعدہ ہے اور تلاوت پر حسنۂ مضاعفہ کے علاوہ نور کا بھی۔

احیاء میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جس شخص نے نماز میں کھڑے ہو کر قرآن مجید پڑھا اس کو ہر حرف پر سو نیکیاں ملیں گی اور جس شخص نے نماز میں بیٹھ کر پڑھا اس کے لئے پچاس نیکیاں ہیں اور جس نے بغیر نماز کے وضوء کے ساتھ پڑھا اس کے لئے پچیس نیکیاں اور جس نے بلا وضوء پڑھا اس کے لئے دس نیکیاں اور جو شخص پڑھے نہیں بلکہ صرف پڑھنے والے کی طرف کان لگا کر سنے اس کے لئے ہر حرف کے بدلے ایک نیکی (احیاء ص۲۷۵ ج ۱)

اس میں تصریح ہے کہ تلاوت کا ثواب استماع سے زیادہ ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵ شوال سنہ ۹۸ھ

بیوی کے لئے الگ مکان:

سوال: اگر بیوی خاوند سے الگ مکان لے کر رہنے پر اصرار کرے، جبکہ لڑکے کے والدین اس پر خوش نہ ہوں اور لڑکے کو اندیشہ ہو کہ وہ والدین کو جو خرچ دیتا ہے اس میں بھی کمی واقع ہو گی تو ایسی صورت میں لڑکے کو کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بیوی کو الگ مکان کے مطالبہ کا حق ہے، مگر مستقل مکان کا حق نہیں، بلکہ ایسا ایک کمرا کافی ہے کہ جس میں اور کسی کا کوئی دخل نہ ہو، بیوی کو الگ کمرا دینے میں اس کی مفاسد سے حفاظت ہے، اس کے پیش نظر بھی اس کا یہ مطالبہ پورا کرنا ضروری ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور بقدر استطاعت اخراجات میں تعاون کرتا رہے۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: وبیت منفرد من دار لہ غلق

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وبیت منفرد ای ما یبات فیہ وھو محل منفرد معین قہستانی والظاھر ان المراد بالمنفرد ما کان مختصا بہا لیس فیہ ما یشارکہا بہ احد من اھل الدار (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۸/ ذی القعدہ سنہ ۹۰ھ

مختلف نفل کا ثواب اختلاف موقع سے مختلف ہوتا ہے:

سوال: نفلی حج میں اور اس میں کہ اس رقم کو مساکین پر خرچ کیا جائے کیسا ثواب ہے؟ یا کوئی فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

احوال متصدقین اور ضرورت و موقع کے اعتبار سے ثواب مختلف ہوتا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: حج الغنی افضل من حج الفقیر، حج الفرض اولیٰ من طاعۃ الوالدین بخلاف النفل، بناء الرباط افضل من حج النفل واختلف فی الصدقۃ ورجح فی البزازیۃ افضلیۃ الحج۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ورجح فی البزازیۃ افضلیۃ الحج) حیث قال الصدقۃ افضل من الحج تطوعا کذا روی عن الامام لکنہ لما حج وعرف المشقۃ افتی بان الحج افضل ومرادہ انہ لو حج نفلا وانفق الفا فلو تصدق بھذہ الالف علی المحاویج فھو افضل لا ان یکون

صدقة فليس افضل من انفاق الف فی سبيل الله والمشقة فی الحج لما كانت عائدة الى المال والبدن جميعا فضل فی المختار على الصدقة اهـ قال الرحمتی والحق التفصيل فما كانت الحاجة فيه اكثر والمنفعة فيه اشمل فهو الافضل كما ورد حجة افضل من عشر غزوات وورد عكسه فيحمل على ما كان انفع فاذا كان اشجع وانفع فی الحرب فجهاده افضل من حجه او بالعكس فحجه افضل وكذا بناء الرباط ان كان محتاجا اليه كان افضل من الصدقة وحج النفل واذا كان الفقير مضطرا او من اهل الصلاح او من آل بيت النبی صلى الله عليه وسلم فقد يكون اكرامه افضل من حجات وعمر وبناء ربط كما حكى فی المسامرات عن رجل اراد الحج فحمل الف دينار يتأهب بها فجاءته امرأة فی الطريق وقالت له انی من آل بيت النبی صلى الله عليه وسلم وبی ضرورة فافرغ لها ما معه فلما رجع حجاج بلده صار كلما لقی رجلا منهم يقول له تقبل الله منك فتعجب من قولهم فرأى النبی صلى الله عليه وسلم فی نومه وقال له تعجبت من قولهم تقبل الله منك قال نعم يا رسول الله قال ان الله خلق ملكا على صورتك حج عنك وهو يحج عنك الى يوم القيامة باكرامك لامرأة مضطرة من آل بيتی فانظر الى هذا الاكرام الذی ناله لم ينله بحجات ولا بناء ربط (رد المحتار ص ۲۶۲ ج ۲) والله سبحانه وتعالى اعلم

۲۹ ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

مہمان کے ساتھ کھانے میں شرکت:

سوال: میزبان کا مہمان کے ساتھ مل کر کھانا کھانا مستحب ہے یا بغیر شرکت کے ان کی خدمت کرنا؟ دونوں میں سے بہتر صورت کونسی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اصل یہ ہے کہ مہمان کی خدمت کرے، اگر مہمان زیادہ نہ ہوں اور ان کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانے میں ان کی خدمت میں خلل نہ ہوتا ہو تو مہمان کے ساتھ بیٹھنے میں بھی کوئی حرج نہیں، یعنی مستحب خدمت ہے، ساتھ بیٹھنا نہیں۔

قال فی الهندية: ينبغی ان يخدم الضيف بنفسه اقتداء بابراهيم

علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کذا فی خزانۃ المفتیین واذا دعوت قوما الی طعام منزلک فان کان القوم قلیلا فجلست معھم فلا بأس لان خدمتک ایاھم علی المائدۃ من المروءۃ وان کان القوم کثیرا فلا تقعد معھم واخدمھم بنفسک ولا تغضب علی الخادم عند الاضیاف ولا ینبغی ان تجلس معھم من یثقل علیھم فاذا فرغوا من الطعام واستأذنوا ینبغی ان لا یمنعھم (عالمگیریۃ ص۳۴۴ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۱ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

مالی حقوق ادا کرنے کا طریقہ:

سوال: عبداللہ نے زمانۂ ماضی میں بہت چوریاں کی ہیں، جس میں وقف اور لقطہ کا مال بھی شامل ہے، اب وہ توبہ کر چکا ہے، جن لوگوں کے مال چوری کئے ہیں ان میں سے اکثر کا تبلیغی جماعت سے تعلق ہے، اس لئے قوی امید ہے کہ انہوں نے معاف کر دیا ہوگا، دوسرے لوگوں کے بارے میں دونوں احتمال ہیں کئی ایسے لوگ بھی ہیں جن کا اب کوئی پتا نہیں کہ کہاں ہیں، عبداللہ مسکین ہے اور چوری سے پکی توبہ بھی کر چکا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا توبہ کافی ہے یا ان اموال کا ادا کرنا اور اصحاب تک پہنچانا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہے تو اس کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جو مالک معلوم ہیں ان سے معاف کروائے، اگر معاف نہ کریں تو اپنی آمدن سے کچھ حصہ خواہ وہ قلیل مقدار میں ہی ہو یہ حقوق ادا کرنے کے لئے مختص کر دے، یوں رفتہ رفتہ تمام حقوق ادا ہو جائیں گے، اگر بالفرض قلیل مقدار بھی مختص کرنے کی قدرت نہیں تو یہ نیت رکھے کہ جب بھی قدرت ہوگی حسب قدرت ادا کرنا شروع کر دے گا۔

جن ملاک کا علم نہیں ان کی طرف سے حسب طریقۂ مذکورہ مساکین پر صدقہ کرے گا۔

مال وقف کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے ایسے وقف سے چوری کیا ہو جس کا مصرف خود معروف ہے تو اس پر ضمان اگرچہ نہ ہوگا مگر یہ سخت گناہ ہے۔ اس کی نظیر غنیمت کا مال ہے کہ اس کا مصرف

مجاہدین ہی ہوتے ہیں مگر تقسیم سے پہلے اس سے کوئی چیز چرانے پر سخت وعیدیں آئی ہیں اس لئے اس بدترین گناہ پر خوب استغفار و توبہ کرے اور اگر یہ خود اس کا مصرف نہیں تو واپس کرنا واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۹ ربیع الثانی سنہ ۱۴۱۷ھ

توبہ سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے:

سؤال: کیا توبہ سے حقوق العباد اور حقوق اللہ میں سے کبیرہ گناہ سب معاف ہوجاتے ہیں؟ حقوق العباد کی تفصیل اور جن کا ضائع کرنا گناہ کبیرہ ہے، ان کی تفصیل بھی بیان فرمائیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

توبہ سے حقوق اللہ معاف ہوتے ہیں اگرچہ کبیرہ ہوں، حقوق العباد بدون ادا یا اسقاط معاف نہیں ہوتے۔

کسی کی جان، عزت یا مال کا نقصان کرنا حقوق العباد کی تضییع میں داخل ہے اور ان تینوں میں سے ہر ایک گناہ کبیرہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۱۷ھ

منہ بولی بہن کا حکم:

سؤال: میں نے ایک لڑکی کو اپنی بڑی بہن بنایا ہے، میں اسے باجی کہہ کر پکارتا ہوں، اس بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ میں الجھن میں اس لئے مبتلا ہوں کہ میں نے تاریخ اسلام میں زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ پڑھا ہے کہ ان کو زید بن محمد کہا جاتا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا تو اس کی وجہ کیا تھی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی کو منہ بولی بہن بنانے سے واقعۃً بہن نہیں بن جاتی، شرعاً اس کے احکام بالکل اجنبی اور غیر محرم عورت کے ہیں، زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بھی اسی نوع کا ہے، اسی لئے اس سے ممانعت وارد ہوئی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ جمادی الثانیہ سنہ ۱۴۱۷ھ

تجارتی کتب میں بطور صدقہ رقم لگانے کی صورت:

سوال: بندہ ایک تاجر ہے، ایک دینی کتاب طبع کروانا چاہتا ہے، ایک صاحب نے کچھ رقم دی ہے کہ اس رقم کو بھی مصارف طباعت میں شامل کر لیا جائے تاکہ صدقۂ جاریہ کا ثواب ان کو بھی ملتا رہے، از روئے شرع اس شرکت کی نوعیت وصورت کیا ہونی چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

① ان صاحب خیر کی رقم کے مساوی قیمت کی کتابیں اہل صلاح میں مفت تقسیم کر دی جائیں۔

② کتاب کے مصارف سے اتنی رقم وضع کر کے باقی مصارف پر منفعت رکھی جائے، اس طرح کتاب خریداروں کو نسبۃً سستی پڑے گی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ رجمادی الثانیہ سنہ ۱۳۹۸ھ

سرمہ لگانے کا طریقہ:

سوال: سرمہ کس وقت لگایا جائے اور لگانے کا طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کوئی وقت متعین نہیں، البتہ سونے سے پہلے لگانا زیادہ مفید ہے، طریقہ یہ ہے کہ تین سلائی ہر آنکھ میں لگائی جائیں، دائیں آنکھ سے ابتداء کی جائے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اکتحلوا بالاثمد فانہ یجلو البصر وینبت الشعر وزعم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت لہ مکحلۃ یکتحل منہا کل لیلۃ ثلاثۃ فی ھذہ وثلاثۃ فی ھذہ (الترمذی ص ۳۰۴ ج ۱)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکتحل قبل ان ینام بالاثمد ثلاثا فی کل عین (شمائل الترمذی ص ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کا دعویٰ:

سوال: ایک شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں شخص جب روضۂ اقدس پر حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مصافحہ فرمایا، کیا یہ دعویٰ درست ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر وہ شخص خود دعویٰ نہیں کرتا تو اس سے متعلق دوسرے کا دعویٰ قبول نہیں اور اگر وہ خود کہتا ہے تو اس کی تصدیق کے لئے تین شرطیں ہیں:

① یہ شخص مکمل طور پر دیندار مشہور ہو، یعنی تمام اوامر بجالاتا ہو اور تمام منکرات سے اجتناب کرتا ہو۔

② معاملہ کی تشہیر نہ کرتا ہو۔

③ بوقت مصافحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر جو دوسرے زائرین موجود تھے وہ اس کی شہادت دیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ رجب ۱۴۰۰ھ

دعاء کا تین بار تکرار:

سوال: میں نے سنا ہے کہ دعاء مانگتے وقت ہر دعاء کو تین تین مرتبہ کہنا چاہئے، سنت طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تین تین بار مانگنا افضل و اقرب الی القبول ہے، ایک بار مانگنا خلافِ سنت نہیں۔

عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كان يعجبه ان يدعو ثلاثا ويستغفر ثلاثا (ابو داؤد ص۲۲۲ ج۱)

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعا دعا ثلاثا واذا سأل سأل ثلاثا (حلية الاولياء ص۱۵۱ ج۲)

عن حفصة رضی اللہ تعالیٰ عنها ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كان اذا اراد ان يرقد وضع يده اليمنى تحت خده ثم يقول اللهم قنی

عند ابیک یو مہ فیحدث عباد ک ثلاث مرات رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ ص۲۱۰)

عن عبد الرحمٰن بن ابی بکرۃ قال قلت لابی یا ابتی اسمعک تقول کل غداۃ اللّٰھم عافنی فی بدنی اللّٰھم عافنی فی سمعی اللّٰھم عافنی فی بصری لا الٰہ الا انت تکررھا ثلاثا حین تصبح و ثلاثا حین تمسی فقال یا بنی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یدعو بھن فانا احب ان استن بسنتہ. رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ ص۲۱۲) واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ ذی الحجہ سنہ ھ

حرام گوشت فروخت کرنے والے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنی دکان پر حرام اور مردار جانوروں کا گوشت فروخت کرتا ہے کچھ حلال گوشت بھی رکھتا ہے، جن بعض لوگوں کو معلوم ہے وہ تو اس سے نہیں خریدتے مگر اکثر کو معلوم نہیں، وہ خریدتے ہیں، اس کو سمجھایا بھی گیا مگر وہ اس سے باز نہیں آتا تو دریافت طلب یہ ہے کہ اس شخص کا کیا حکم ہے؟ نیز ایسے شخص کی آمدن حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ شخص اس عمل شنیع کو حلال سمجھتا ہے تو مرتد ہوگیا اور بیوی بھی حرام ہوگئی، حکومت پر فرض ہے کہ وہ اسے توبہ کی تلقین کرے اور اس سے تجدید اسلام وتجدید نکاح کروائے۔

اور اگر یہ شخص اس کو حرام سمجھ کر کرتا ہے تو فاسق ہے، مسلمانوں اور حکومت پر فرض ہے کہ وہ اس کو اس گناہ کبیرہ سے روکنے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کریں، ورنہ سب اس گناہ میں شریک سمجھے جائیں گے۔

جب تک وہ اس گناہ سے باز نہیں آتا، اس سے گوشت خریدنا جائز نہیں، اس کی حرام گوشت کی آمدن حرام ہے اور حلال گوشت کی آمدن حلال ہے، البتہ خلط کے بعد جب تک حرام آمدن کو الگ کرکے ملاک تک نہ پہنچائے یا ملاک تک پہنچانا متعذر ہونے کی صورت میں صدقہ نہ کردے اس کے لئے اس پورے مال سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنا حرام ہے۔

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ ۲۴ محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

معانقہ میں تکرار :

سؤال : آپ کا فتویٰ موصول ہوا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تین بار گلے ملنا خلاف سنت ہے، ایک بار مسنون ہے؛ ایک عالم کہتے ہیں کہ تعامل تین بار کا ہی ہے، اگر حدیث میں کوئی عدد ذکر ہوتی تو اس کے خلاف کرنا خلاف سنت ہو سکتا ہے مگر ایسا نہیں تو مروج معانقہ کو خلاف سنت کہنا صحیح نہیں، جیسا کہ فرضوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اللّٰھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام تک دعاء کرنا ثابت ہے، لیکن آجکل لمبی چوڑی دعاء مانگی جاتی ہے، اگرچہ فرائض کے بعد لمبی دعاء کرنے میں سب علماء کرام شامل نہیں مگر اس کو کسی نے بدعت نہیں کہا تو معانقہ مروجہ کیوں خلاف سنت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر معانقہ میں تکرار کو ثواب سمجھا جائے تو خلاف سنت ہی نہیں بلکہ بدعت ہوگا، ورنہ محض رسم ہوگی جو سنت سے ثابت نہیں، چونکہ اس کی ترویج اس کو سنت سمجھنے کا پیش خیمہ ہے اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

معانقہ کی مفصل ومدلل تحقیق رسالہ "مصافحہ ومعانقہ" میں ہے، جو "احسن الفتاویٰ" جلد ۹ "مسائل شتّٰی" میں ہے۔

فرائض کے بعد طویل دعاء کو معمول بنالینا بدعت ہے، حاجت خاصہ کے لئے احیاناً طویل دعاء جائز ہے، تفصیل رسالہ "زبدۃ الکلمات فی حکم الدعاء بعد المکتوبات" مندرجہ احسن الفتاویٰ جلد ۳ میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳۰ صفر سنہ ۱۴۰۱ھ

قضاء حاجت کے لئے بیٹھنے کی کیفیت :

سؤال : بیت الخلاء میں فراغت کے وقت کس طرح بیٹھنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بائیں پاؤں پر وزن زیادہ ہو اور پاؤں کشادہ رکھے جائیں۔

عن سراقة بن مالك رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال علمنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی الخلاء ان نقعد علی الیسری وننصب الیمنی، رواہ البیہقی بسند ضعیف۔

قال الشیخ الامام محمد بن اسمٰعیل الصنعانی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: واخرجہ الطبرانی قال الحازمی: فی سندہ من لا نعرفہ ولا نعلم فی الباب غیرہ قیل: والحکمۃ فی ذلک انہ یکون اعون علی خروج الخارج، لان المعدۃ فی الجانب الایسر، وقیل: لیکون معتمدا علی الیسری ویقل مع ذلک استعمال الیمنی لشرفہا (سبل السلام شرح بلوغ المرام ص۲۸ ج۱)

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۶ صفر سنہ ۱۴۰۱ھ

حلق عانہ سے عاجز کا حکم :

سؤال : ایک شخص ضعیف العمر ہے اور اس کی بیوی بھی زندہ نہیں ہے، صحت کی حالت میں وہ زیر ناف بال خود لے سکتا ہے، مگر بیماری کی حالت میں نہیں لے سکتا، اب وہ کیا کرے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر پاؤڈر خود لگانے پر قادر ہو تو پاؤڈر سے صفائی کرے، ورنہ دوسرا شخص ہاتھ پر دستانہ پہن کر پاؤڈر سے اس طرح صفائی کرے کہ اس مقام پر نظر ڈالنے سے حتی الامکان احتراز کرے۔

لا بأس بأن يتولى صاحب الحمام عورة انسان بيده عند التنوير اذا كان يغض بصره وقال الفقيه ابو الليث هذا في حالة الضرورة لا في غيرها (عالمگیریۃ ص۳۶۰ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ

بالوں اور ناخنوں کو دفن کرنا :

سؤال : بعض بزرگوں کو دیکھا ہے کہ بال اور ناخن کاٹ کر ایک تھیلی میں رکھتے ہیں، پھر بڑے اہتمام سے ان کو دفن کرتے ہیں، تحقیق کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دفن کرنا بہتر ہے، بسہولت انتظام ہو سکے تو دفن کر دے، ورنہ بتکلف اہتمام کرنا تعمق وغلو ہے جو مذموم ہے، امر مندوب کا التزام اعتقاداً یا عملاً ممنوع ہے، ورایسی حالت میں امر مندوب واجب الترک ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر تشریعی نہیں بلکہ سحر سے حفاظت کے لئے ہے۔

قال العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالى معزیا الی الخزانة : وروی ان النبی صلی الله علیه وسلم امر بدفن الشعر والظفر وقال لا تتلعب به سحرة بنی آدم (طحطاوی علی المراقی ص۲۸۶) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۶ صفر سنہ ۱۳۷۵ھ

عشرۂ ذی الحجہ میں حجامت نہ بنوانا :

یہ مسئلہ "احسن الفتاوی" جلد ۷ کتاب الاضحیۃ والعقیقۃ ص۴۹۳ پر بعنوان

"عشرۂ ذی الحجہ میں ناخن وغیرہ نہ کاٹنے کی حیثیت" آرہا ہے۔

کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا مستحب ہے:

سؤال: غسل الیدین قبل الطعام سے متعلق ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقاۃ ص۳۳۳ ج ۸ پر تحریر فرماتے ہیں:

ھذا مستحب واختلف العلماء فی استحباب غسل الیدین والاظہر استحبابہ الا ان یتیقن نظافۃ الیدین من النجاسۃ والوسخ واستحبابہ بعد الفراغ الا ان یبقی علی الید اثر الطعام۔

اور مرقاۃ ص۳۳۴ ج ۸ پر لکھا ہے:

کان سفیان الثوری رحمہ اللہ تعالیٰ یکرہ غسل الیدین قبل الطعام

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سنت لکھا ہے اور اُمت کا تعامل بھی اسی پر ہے، تحقیق کیا ہے سنت مؤکدہ ہے یا مستحب؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ صاف ہونے کا یقین ہو تو بھی ہاتھ دھونا مستحب ہے، سنت مؤکدہ نہیں۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں سنت سے مراد سنت شرعیہ نہیں، سنت عادیہ ہے جو مستحب کے درجہ میں ہے، نیز علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے تیقن نظافت و عدم تیقن کی کوئی تفصیل بیان نہیں فرمائی، اس لئے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا مطلقاً مستحب ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وغسل الیدین قبلہ) لنفی الفقر ولا یمسح یدہ بالمندیل لیبقی اثر الغسل وبعدہ لنفی اللمم ویمسحہا لیزول اثر الطعام وجاء انہ برکۃ الطعام وکلا ما بہ یدقیق وھل غسل فمہ للاکل سنۃ کغسل یدہ لا بحواہ لا (رد المحتار ص۲۱۰ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳ صفر سنہ ۱۴۰۵ھ

ایک شخص کی زمین پھسل کر دوسرے کی زمین پر چلی گئی:

سؤال: آج سے تقریباً چھ، سات سال قبل میری ایک زمین بوجہ کثرت

بارش اور سیلاب کی وجہ سے ایک شخص کا درخت بہہ کر کسی اور کی زمین پر گر پڑا اور وہ درخت اب بھی پھیلی ہوئی زمین کے ساتھ موجود ہے اور میں اس زمین میں کاشت کرتا ہوں، اور جس شخص کی زمین نیچے دب گئی ہے اس نے اب تک پوچھا بھی نہیں، لہٰذا شرعی مسائل سے مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں کہ زمین میری ہے یا اس شخص کی، اور میں درخت وغیرہ کاٹ کر ملبہ ہٹالوں اور زمین اس کے حوالہ کردوں، صریح جزئیہ اگر لکھ دیں تو بہت مہربانی ہوگی۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ معاملہ چونکہ غیر اختیاری طور پر ہوا ہے اس لئے بصورت نقصان کسی پر کوئی ضمان نہ ہوگا۔

قال فی الھندیۃ: لان ھذا نقصان حصل لا بفعل احد فلیس احدھما بایجاب الضمان علیہ اولی من الآخر کذا فی فتاوی قاضیخان (عالمگیریہ ص [illegible] ج ۵)

اوپر کی زمین کے مالک کا انتفاع بتاویل ملک تھا اس پر کسی قسم کا ضمان نہ ہوگا بالخصوص جبکہ نیچے کی زمین کے مالک نے کوئی اعتراض بھی نہیں کیا۔

قال العلامۃ محمد خالد الاتاسی رحمہ اللہ تعالی: ولا یلزمہ شیء من اجرۃ المثل او حصۃ من الزرع وان کانت معدۃ للاستغلال او انہ زارعہ لانہ استعملھا بتأویل ملک (شرح المجلۃ ص [illegible] ج ۳)

اگر دونوں زمینوں کی قیمت برابر ہے تو اس زمین میں دونوں مالک برابر کے شریک ہیں، اور اگر قیمت کم بیش ہے تو زیادہ قیمتی زمین کا مالک دوسرے کو اس کے حصہ کی قیمت دے کر اس کا مالک بن جائے گا۔

نقل فی الھندیۃ عن الخانیۃ: شجرۃ القرع اذا نبتت فی منزل رجل فصارت فی حب رجل آخر وعظم القرع فتعذر اخراجہ من غیر کسر الحب فھو بمنزلۃ اللؤلؤۃ اذا ابتلعتھا دجاجۃ ینظر الی اکثرھما قیمۃ یقال لصاحب الاکثر ان شئت اعطیت الآخر قیمۃ مالہ فیصیر لک وان ابی یباع الحب علیھما ویکون الثمن بینھما۔

وبعد اسطر: ولو ادخلت دابة رجل رأسها في قدر لآخر ولا يمكن الاخراج الا بالكسر كان لصاحب الدابة ان يتملك الأخر بقيمته، وفي الاثر كثيرة لصاحب اكثرهما الآن ان يتملك الآخر بقيمته، فان كانت قيمتهما على السواء يباع عليهما ويقسمان الثمن (عالمگیریة ص۱۲۳ ج۵)

وقال العلامة محمد خالد الاتاسي رحمه الله تعالى: لو سقط جبل بما عليه من الروضة على الروضة التي تحته ينضم الاقل في القيمة الى الاكثر يعني صاحب الارض التي قيمتها اكثر يضمن لصاحب الاقل ويتملك الارض مثلا لو كان قبل الانهدام قيمة الروضة الفوقانية خمس مأة وقيمة التحتانية الفا يضمن صاحب الثانية لصاحب الاولى قيمتها ويتملكها (شرح المجلة ص۳۳۲ ج۴)

والله سبحانه وتعالى اعلم.

۳/ جمادی الآخرہ سنہ ۱۴۰۲ھ

ناخن کاٹنے میں ترتیب کا کوئی ثبوت نہیں:

سوال: ناخن کاٹنے کا جو طریقہ مشہور ہے کہ دائیں ہاتھ اور دائیں پاؤں سے شروع کیا جائے، اس طرح کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرکے دائیں ہاتھ کے ابہام پر ختم کیا جائے اور دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کرکے بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کیا جائے، کیا یہ طریقہ سنت یا مستحب ہے؟ کیا اس کا ثبوت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ترتیب کا کوئی ثبوت نہیں، اس بارے میں جتنی روایات منقول ہیں سب بے اصل ہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: قلت وفي المواهب اللدنية قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالى انه يستحب كيف ما احتاج اليه ولم يثبت في كيفيته شيء ولا في تعيين يوم له عن النبي صلى الله عليه وسلم وما يعزى من النظم في ذلك للامام علي ثم لابن حجر قال شيخنا انه باطل.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله قلت الخ) وكذا

قال السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ وقد انکر الامام ابن دقیق العید تعمیم ھذہ الابیات وقال لا تعتبر ھیئۃ مخصوصۃ وھذا لا اصل لہ فی الشریعۃ ولا یجوز اعتقاد استحبابہ لان الاستحباب حکم شرعی لابد لہ من دلیل ولیس استسھال ذلک بصواب اھ (رد المحتار ص ۲۶۱ ج ۵)

وقال العلامۃ ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح الشمائل: ولم یثبت فی کیفیتہ ولا فی تعیین یوم لہ شیء، وما یعزی من النظم فی ذلک لعلی او غیرہ باطل انتہی (فتح المعین ص ۴۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۰ رجب سنہ ۱۳۹۵ھ

ایسے درخت کا حکم جس سے پڑوسی کو ضرر ہو:

سوال: ہمارا علاقہ سرسبز ہے جہاں باغ کثرت سے ہیں، ایک دوسرے کی ملک متصل ہونے کی وجہ سے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

① ایک کے اشجار کی شاخیں دوسرے کی زمین میں واقع ہوتی ہیں جس کی وجہ سے اس کے جوار کو ہل چلانے میں دقت ہوتی ہے۔

② درخت کی شاخیں اوپر ہیں جس سے ہل چلانے میں دقت نہیں ہوتی، لیکن دوسرے کی زمین کی بالکل محاذات پر واقع ہونے کی وجہ سے جوار کہتا ہے کہ اپنے درخت کی شاخیں کاٹ کر میری زمین سے دور کریں اس لئے کہ آپ کے درخت کے سایہ سے میری زمین کو نقصان پہنچتا ہے، یعنی پیداوار صحیح نہیں دیتی۔

کیا ازروئے شرع مذکورہ دونوں صورتوں میں مالک اشجار پر اپنے درخت کی شاخیں کاٹنا لازم ہے یا نہیں؟ بینوا بالتفصیل توجروا عند اللہ الجلیل، فجزاکم اللہ خیر الجزاء۔

الجواب باسم ملهم الصواب

① صاحب اشجار پر لازم ہے کہ وہ اغصان کو باندھے یا قطع کرے تاکہ دوسرے کی ملک میں نہ جائیں، صاحب بستان ارض اسے شاخیں کاٹنے یا

باندھنے پر مجبور کرسکتا ہے بشرطیکہ کوئی دوسری صورت ممکن نہ ہو۔

④ اگر درختوں کی شاخیں اپنی ہی ملک میں ہیں مگر سایہ سے زراعت کو نقصان ہوتا ہے تو قطع اغصان وغیرہ لازم نہیں، ہاں اگر ضرر بین و فاحش ہو جس سے زراعت وغیرہ بالکل نہ ہوتی ہو تو استحساناً حکم قطع ہے۔

قال العلامۃ محمد خالد الاتاسی رحمہ اللہ تعالیٰ: اذا تدلت اغصان شجرۃ انسان الی دار جارہ او بستانہ فللجار ان یکلفہ تفریغ ھوائہ بالربط او القطع سواء تضرر الجار بذلک ام لا، لانہ تصرف فی ملک الغیر بلا اذنہ۔

وقال ایضاً: ان لاشک فی اخصان شجرۃ علی ھواء دار الجار او ارضہ وانما ارتفعت فی ھواء بستانہ حتی منعت الشمس عن ارض الجار فلا تقطع تلک الشجرۃ وان تضرر زرع الجار لما سیأتی فی المادۃ الاٰتیۃ من انہ لایمنع احد من التصرف فی ملکہ الا اذا کان ضررہ لغیرہ فاحشاً وسیأتی فی المادۃ ۱۱۹۹ ان الضرر الفاحش مایمنع من الحوائج الاصلیۃ ومنع الشمس والریح لیس منہا بل من الحوائج الزائدۃ کما فی جامع الفصولین عن الذخیرۃ قال: فصار کرجل لہ شجرۃ یستظل بھا جارہ اراد قطعھا لایمنع منہ ولو تضرر بہ جارہ اذ رب الشجرۃ بالقلع یمنعہ عن الانتفاع بملکہ اھ اقول: ان المنفعۃ الاصلیۃ من ارض الزراعۃ او البستان ھی الزراعۃ فکان مایمنع منھا نظیر مایمنع من السکنی فی البناء علی ماسیأتی فی المادۃ المذکورۃ وما بعدھا الا ان یجاب بالفرق بین مایمنع من الانتفاع بھا اصلاً وبین مایقللہا بان ینتفع بزراعتہا مع نوع ضرر تامل اھ

(شرح المجلۃ ص۱۳۸ ج ۳)

وھکذا اختار الشیخ علی حیدر رحمہ اللہ تعالیٰ (درر الحکام ص۲۰۸ ج ۱۰)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ رجب سنہ ۱۴۱۶ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات:

سؤال: آپ نے "ارشاد العابد" میں تحریر فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ۸ ربیع الاول ہے اور تاریخ وفات ۲ ربیع الاول ۔ ۱۲ ربیع الاول کو ولادت اور وفات کی تاریخ سمجھنا غلط ہے، اس تاریخ کا حساب کسی صورت بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

حالانکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف مطالع کی بنا پر تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول کی یہ تاویل فرمائی ہے:

وقد اشتهر هذا الإيراد على هذا القول وقد حاول جماعة الجواب عنه ولا يمكن الجواب عنه إلا بمسلك واحد وهو اختلاف المطالع بأن يكون أهل مكة رأوا هلال ذي الحجة ليلة الخميس وأما أهل المدينة فلم يروه إلا ليلة الجمعة ويؤيد هذا قول عائشة رضي الله تعالى عنها وغيرها خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم لخمس بقين من ذي القعدة - يعني من المدينة - إلى حجة الوداع ويتعين بما ذكرنا أنه خرج يوم السبت وليس كما زعم ابن حزم أنه خرج يوم الخميس لأنه قد بقي أكثر من خمس بلا شك ولا جائز أن يكون خرج يوم الجمعة لأن أنسا رضي الله تعالى عنه قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الظهر بالمدينة أربعا والعصر بذي الحليفة ركعتين فتعين أنه خرج يوم السبت لخمس بقين فعلى هذا إنما رأى أهل المدينة هلال ذي الحجة ليلة الجمعة وإذا كان أول ذي الحجة عند أهل المدينة الجمعة وحسبت الشهور بعده كوامل يكون أول ربيع الأول يوم الخميس فيكون ثاني عشر يوم الاثنين والله أعلم (البداية والنهاية ص ۲۲۶ ج ۵) بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اعتبار اختلاف مطالع کسی صورت میں بھی ممکن نہیں، شرعاً عقلاً اور فلکیات کسی لحاظ سے بھی اس کا کوئی امکان نہیں، اس کی تفصیل میرے رسالہ "الطوالع لتنویر المطالع" میں ہے۔

اس خیال باطل کو بطریق فرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی مکہ و مدینہ کے درمیان اس کا احتمال بہت کم بلکہ کالعدم ہے، اس لئے کہ بلاد مختلفہ میں

ہلال کے قابل رؤیت ہونے میں اختلاف کے چار اسباب ہیں:

(۱) سب سے زیادہ مؤثر اختلاف طول البلد۔
(۲) دوسرے درجہ میں اختلاف عرض البلد۔
(۳) تیسرے درجہ میں زیادت میل شمس
(۴) سب سے آخری درجہ میں زیادت میل قمر۔

مکہ اور مدینہ دونوں ایک ہی طول البلد پر ہیں اور دونوں کے عرض البلد میں فرق صرف ۲° ۳۲ ہے اور بحساب تقویم غرہ ذی الحجہ ۱۰ھ یوم خمیس = ۲ مارچ ۶۳۲ء ہے، جس میں میل شمس جنوبی صرف ۱° ۷ ہے، اس قدر فرق قلیل سے اختلاف رؤیت کا تصور خیال خام ہے، رہا سب سے آخری درجہ کا مؤثر یعنی میل قمر، سو اس کے بہت زیادہ ہونے کی صورت میں اختلاف رؤیت ہو سکتا ہے، مگر مؤثرات ثلاثہ قویہ کے فقدان کی صورت میں صرف ایک مؤثر ضعیف کی وجہ سے اختلاف رؤیت کا امکان بہت بعید ہے اور یہ امکان بعید بھی صرف اس صورت میں ہے کہ میل بہت زیادہ ہو، میل کم ہونے کی صورت میں امکان بعید بھی نہیں۔

امکان رؤیت ایسا بعید کہ کالعدم یا معدوم اور تاریخ معہود میں میل قمر کی تخریج طول عمل، اس لئے میں نے اس کا حساب نہیں لگایا اور اس کی ضرورت بھی نہیں، اس لئے کہ یہ بحث محض فرض محال پر مبنی ہے، مکہ و مدینہ کے درمیان امکان اختلاف رؤیت تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی حقیقت وہی ہے کہ اختلاف مطالع کو معتبر قرار دینے کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔

اعتبار اختلاف مطالع سے قطع نظر بلاد مختلفہ میں اختلاف رؤیت کی صورت میں متفقہ قاعدہ یہ ہے کہ ایک شہر کی رؤیت کی خبر دوسرے شہر میں بشرائطہا معہودہ پہنچ جائے تو وہ ان کے لئے موجب عمل ہے، حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جم غفیر بھی، رؤیت مکہ کے بارے میں ان کی خبر اہل مدینہ کے لئے کیوں موجب عمل نہ ہوئی۔

مدینہ منورہ میں غرہ ذی الحجہ بیوم جمعہ کا خیال بوجوہ ذیل باطل ہے:

① اعتبار اختلاف مطالع کا خیال بالکل بدیہی البطلان ہے۔
② بلحاظ مکان و زمان اختلاف مطالع کا فرق بعید از قیاس ہے۔
③ رؤیت ہلال کے اصول مسلمہ کے خلاف ہے۔
④ دنیا بھر میں مسلم تقویم قمری میں اس کا کوئی امکان نہیں۔
⑤ اس صورت میں چار ماہ مسلسل تیس دن کے بنتے ہیں جو بہت بعید ہے۔
⑥ اس خیال کی تصحیح کی صرف یہی صورت ہو سکتی ہے کہ اختلاف مطالع کو معتبر قرار دیا جائے جسے شرذمۂ قلیلہ کے سوا پوری امت مسلمہ بالاجماع غیر معتبر قرار دے رہی ہے ان دونوں کو ملانے سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ معاذ اللہ پوری امت نے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح فیصلہ کو ٹھکرا دیا ہے اور یہ محال ہے، والامر المستلزم للمحال محال، اس سے بڑی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ فبای حدیث بعدہ لا یؤمنون۔

⑦ وہ شرذمۂ قلیلہ جو اعتبار اختلاف مطالع جیسے بین البطلان وہم اور ناممکن، ممتنع و محال خیال میں گرفتار ہے، ان میں سے بھی کسی نے اپنے اس وہم باطل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر صریح فیصلہ اور اتنی بڑی دلیل بیّن سے استدلال نہیں کیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ وہ بھی غرہ بیوم جمعہ کے خیال کو باطل سمجھتے ہیں۔

حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

ایام کے شمار کرنے میں بسا اوقات پہلے دن کو بھی مستقل دن شمار کر لیا جاتا ہے مباحث حدیث و سیر میں اس کی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں، اس کے مطابق شنبہ سے چہارشنبہ تک پانچ دن بن جاتے ہیں۔

اس حدیث میں حساب کا یہ کثیر الوقوع طریقہ اختیار کرنا محض تاویل بصورت احتمال نہیں، بلکہ مفاسد و ممتنعات مذکورہ کے تحت یہ امر لازم و حقیقت بدیہیہ ہے جس سے کوئی مفر نہیں۔

حاصل یہ کہ مکہ اور مدینہ دونوں میں خمیس کو غرہ ذی الحجہ تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار ممکن نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳ ربیع الاول سنہ ۱۴۱۷ھ

بوقت مصافحہ انگوٹھا پکڑنا :

سؤال : علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ مصافحہ کرتے وقت انگوٹھا پکڑنا چاہیئے یہ محبت پیدا کرتا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث میں آیا ہے، کیا ایسی کوئی حدیث ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت یوں ہے :

والسنۃ ان تکون بکلتا یدیہ وبدون حائل ... یلصق الابہام فان فیہ عرقا ینبت المحبۃ کذا جاء فی الحدیث ذکرہ القہستانی وغیرہ (رد المحتار ص۲۳۵ ج ۵)

حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں بلکہ قہستانی کا حوالہ ہے، قہستانی کو دیکھا گیا تو اس میں بھی حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں ملا، پھر کتب حدیث میں تلاش کیا گیا مگر اس کا کچھ پتا نہ چل سکا۔

اگر اس کا کوئی ثبوت ہوتا تو مصافحہ جیسے کثیر الوقوع عمل سے متعلق ہونے کی وجہ سے روایات کثیرہ میں اس کا ذکر ہونا چاہیئے تھا جبکہ متداول اور معروف کتب حدیث اس کے ذکر سے خالی ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۲ ربیع الثانی [illegible]ھ

ویڈیو کی تصویر کا حکم :

سؤال : ویڈیو کیمرے سے کسی بھی تقریب ومحفل کی پوری کارروائی محفوظ کرلی جاتی ہے اور بعد میں وی سی آر پر اس محفل کے تمام مناظر دیکھے جا سکتے ہیں، سؤال یہ ہے کہ کیا یہ تصویر میں داخل ہے؟ بعض علماء کرام اس کو تصویر نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ اس کو قرار و بقاء حاصل نہیں، بلکہ یہ برقی ذرات ہوتے ہیں جو بنتے اور فوراً مٹتے رہتے ہیں، اور بعض علماء اس کو عکس کہتے ہیں، تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارے میں مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں :

① ویڈیو کیمرے سے کسی بھی تقریب کی منظر کشی کا عمل تصویر سازی کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے، جیسے قدیم زمانے میں تصویر ہاتھ سے بنائی جاتی تھی پھر

کیمرے کی ایجاد نے اس قدیم طریقہ میں ترقی کی اور تصویر ہاتھ کی بجائے مشین سے بننے لگی جو زیادہ سہل اور دیرپا ہوتی ہے، اب اس عمل میں نئی نئی سائنسی ایجادات نے مزید ترقی اور جدت پیدا کی اور جامد و ساکن تصویر کی طرح اب چلتی پھرتی، دوڑتی بھاگتی صورت کو بھی محفوظ کیا جانے لگا۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کو قرار و بقاء نہیں۔ اگر اس کو بقاء نہیں تو وہ ٹی وی اسکرین پر چمکتی دمکتی، اچھلتی کودتی نظر آنے والی چیز کیا ہوتی ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ وہی تصویر ہے جو کسی وقت لے کر محفوظ کرلی گئی تھی، صرف اتنی بات ہے کہ کیسٹ کی پٹی میں ایسی فنی جدت سے کام لیا گیا کہ دیکھنے میں پٹی خالی نظر آتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ وہ تصویر مٹ کر معدوم نہیں ہوتی ورنہ وہ ٹی وی پر دوبارہ کیسے ظاہر ہوسکتی ہے۔

② اگر تسلیم کرلیا جائے کہ وہ مٹ جاتی ہے اور پھر بنتی ہے، یہی عمل ہر لحظہ جاری رہتا ہے تو اس میں تو اور زیادہ قباحت ہے کہ بار بار تصویر بنانے کا گناہ ہوتا ہے۔

③ اس کو عکس کہنا بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ عکس اصل کے تابع ہوتا ہے، اور یہاں اصل کی موت کے بعد بھی اس کی تصویر باقی رہتی ہے۔

④ اگر عدم بقاء یا اس کا عکس ہونا تسلیم کرلیا جائے تو عوام اس دقیق فرق کو نہیں سمجھتے، اس کی گنجائش دینے سے ان میں تصویر سازی کی لعنت کے جواز کی اشاعت اور خوب تبلیغ ہوگی، اور واقعی و حقیقی علیہ تصویر کو بھی جائز سمجھنے کا مفسدہ پیدا ہوگا۔

⑤ تصویر ہونے نہ ہونے کا مدار عرف پر ہونا چاہیے نہ کہ سائنسی و فنی تدقیقات پر، اور عرف عام میں اسے تصویر ہی سمجھا جاتا ہے، جیسے شریعت نے صبح صادق اور طلوع و غروب کا علم کسی دقیق علم و فن پر موقوف نہیں رکھا، ظاہری و سہل علامات پر رکھا ہے۔

⑥ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ عوام بار بار فرق کا اعلان کرنے سے سمجھ گئے ہیں یا سمجھ جائیں گے تو بھی اس میں عام تصویر سے کئی گنا بڑھ کر مفاسد

پائے جاتے ہیں، جن میں سے چند ایک اوپر بیان کیے گئے ہیں، ظاہر ہے کہ کسی چیز کے جواز یا عدم جواز کا فیصلہ اس کے عام استعمال وابتلاء کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے نہ کہ قلیل کالعدم استعمال کے پیشِ نظر۔

ماضی قریب کے بعض ملحد و گمراہ مفکرین نے سینما دیکھنے کو یہ کہہ کر جائز قرار دیا تھا کہ یہ سینما ہال میں اسکرین پر ظاہر ہونے والی صورت تصویر نہیں عکس ہے، اس سے نوجوان نسل کو عریاں و فحش فلمیں دیکھنے کی جو ترغیب و تشجیع ہوئی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، وہ ایک ناجائز و حرام فعل کو جائز سمجھ کر بے محابا کرنے لگے، اب یہی حال بعض علماء کی اس نئی تحقیق کا ہے کہ ویڈیو تصویر کو چونکہ قرار و بقاء نہیں اس لئے یہ تصویر نہیں، اس سے وہ افراد جو ٹی وی وغیرہ کو ناجائز سمجھ کر اس سے گریزاں و ترساں تھے، ان کو اس گنجائش سے کھلی چھوٹ مل گئی اور وہ جائز و منکرات سے پاک مناظر کو دیکھنے کے بہانے رفتہ رفتہ ہر غلط پروگرام، رقص و سرود اور عریانی و فحاشی کے مناظر دیکھنے میں مبتلا ہو رہے ہیں، اس کا محض امکان نہیں بلکہ وقوع ہے کہ بعض بظاہر دیندار لوگوں نے مسلمانوں کی مظلومیت اور جہاد کے مناظر دیکھنے دکھانے کے بہانے ٹی وی اور وی سی آر خریدا اور پھر ہر فحش ڈرامہ اور فلم دیکھنے کے عادی ہو گئے، اس طرح نوجوان نسل دنیا و آخرت کی تباہی کا شکار ہو رہی ہے، اور بعض مخلص دینی جماعتوں اور جہادی تنظیموں سے منسلک نوجوان اپنے اندر دین و جہاد کا جذبہ پیدا کرنے کی بجائے بے راہ روی اور غلط روش کا شکار ہو رہے ہیں، جس سے دین و جہاد کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ ثم إنا نعوذ بك من شرور الفتن ما ظهر منها وما بطن، إنك أنت العاصم ولا ملجأ ولا منجا منك إلا إليك، والله سبحانه وتعالى أعلم۔

۲۰ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ

کھانے سے پہلے نمک چکھنا:

سوال: کھانے کی ابتداء و انتہاء میں نمک چکھنا سنت ہے یا نہیں؟ اگر مسنون یا مستحب نہیں تو شامیہ، احیاء العلوم اور دیگر کتب معتبرہ میں کھانے کے آداب میں کیوں لکھا ہے؟ اس کا کیا جواب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کھانے کی ابتداء وانتہاء میں نمک چکھنے کے بارے میں جو اقوال کتب فقہ اور اد میں مذکور ہیں وہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، اس بارے میں جتنی بھی احادیث ہیں سب موضوع ہیں، لہٰذا ابتداء وانتہاء طعام بالملح کو سنت قرار دینا تسامح ہے۔

فی حاشیۃ فردوس الاخبار: سیدا د اعکم الملح وفی اسنادہ عیسی بن ابی عیسی متروک کما فی التقریب لابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ وقال الذھبی فی ترجمۃ عیسی ضعفہ احمد وغیرہ وقال الفلاس والنسائی متروک (فردوس الاخبار ص۴۹۳ ج۲)

وقال العلامۃ السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ: حدیث یا علی علیک بالملح فانہ شفاء من سبعین داء الجذام والبرص والجنون لا یصح والمتھم بہ عبداللہ بن احمد بن عامر او ابوہ فانھما یرویان نسخۃ عن اھل البیت کلھا باطلۃ (اللآلی المصنوعۃ ص۲۱۱ ج۲)

وقال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: ومنھا وصایا علی کلھا موضوعۃ سوی الحدیث الاول وھو یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی غیر انہ لا نبی بعدی قال الصنعانی ومنھا وصایا علی کلھا التی اولھا یا علی لفلان ثلاث علامات (الاسرار المرفوعۃ ص۴۸۳)

وقال العلامۃ الشوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ: حدیث یا علی علیک بالملح فانہ شفاء من سبعین داء ھو موضوع (الفوائد المجموعۃ ص۱۶۱)

وفی التعلیقات علی الکشف الالٰھی: علیکم بالملح فانہ شفاء من سبعین داء منہ الجنون والجذام والبرص قال العجلونی ولعنہ موضوع ونص ابن القیم علی انہ موضوع (الکشف الالٰھی ص۳۹۲ ج۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

غرۂ رجب ۱۴۱۶ھ

مشغول لوگوں کے قریب تلاوتِ قرآن:

سوال: کوئی خارج صلوٰۃ تلاوت کر رہا ہے تو اس کا سننا فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ بعض اوقات دورانِ تلاوت لوگ کام میں مشغول ہوتے ہیں

اگر وہ کام چھوڑ کر تلاوت سنتے ہیں تو کاموں کا حرج ہوتا ہے، ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس بارے میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال مختلف ہیں، وجوب ارجح و احوط ہے اور عدم وجوب ارجح و ایسر، بوقت ضرورت اس پر عمل کرنا جائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: في شرح المنية والأصل ان الاستماع للقرآن فرض كفاية لانه لاقامة حقه بان يكون ملتفتا اليه غير مضيع وذلك يحصل بانصات البعض كما في رد السلام حين كان لرعاية حق المسلم كفى فيه البعض عن الكل (رد المحتار ص ... ج ١)

قال العلامة ظفر احمد العثماني رحمه الله تعالى: اختلف العلماء في وجوب الاستماع والانصات على من هو خارج الصلوة يبلغه صوت من يقرأ القرآن في الصلوة او خارجها قال القيصري: عامة العلماء على استحبابهما خارج الصلوة، وقال ابن الهمام: وفي كلام اصحابنا ما يدل على وجوب الاستماع في الجهر بالقراءة مطلقا قال في الخلاصة: رجل يكتب الفقه وبجنبه رجل يقرأ القرآن فلا يمكنه استماع القرآن فالاثم على القارئ، وعلى هذا لو قرأ على السطح في الليل جهرا والناس نيام يأثم. وهذا صريح في اطلاق الوجوب، ولان العبرة لعموم اللفظ دون خصوص السبب. اهـ وقد ثبت عنه صلى الله عليه وسلم انه كان يقرأ القرآن بالليل جهرا بحيث يسمع من وراء حجرته وربما يسمع الجيران. روى الترمذي والنسائي وابن ماجه عن ام هانئ قالت كنت اسمع قراءة النبي صلى الله عليه وسلم بالليل وانا على عريشي.

وروى ابو داود والترمذي عن ابن عباس قال كان قراءة النبي صلى الله عليه وسلم على قدر ما يسمعه من في الحجرة وهو في البيت ..... وروى البخاري في الصحيح عن عائشة قالت كنت انام بين يدي النبي صلى الله عليه وسلم ورجلاي في قبلته فاذا سجد غمزني فقبضت رجلي فاذا قام بسطتهما قالت والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح. وكان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرءون القرآن بالليل والنهار رافعي اصواتهم من غير نكير. وروى مسلم عن ابي موسى الاشعري ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له لقد رأيتني وانا اسمع لقراءتك البارحة

وفی الصحیحین عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لاعرف اصوات رفقۃ الاشعریین حین یرحلون واعرف منازلھم من اصواتھم بالقرآن باللیل وان کنت لم ار منازلھم حین نزلوا بالنھار، ولا شک ان بعض الناس فی العسکر کانوا نیاما وقت قراءۃ الاشعریین ..... فھذہ الاحادیث تدل علی فساد ما افتی بہ صاحب الخلاصۃ۔

واخرج ابن مردویہ فی تفسیرہ قال ثنا ابو اسامۃ عن سفیان عن ابی المقدام ھشام بن زید عن معاویۃ ابن قرۃ قال سألت بعض مشایخنا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسبہ قال عبد اللہ بن مغفل، کل من سمع القرآن وجب علیہ الاستماع والانصات قال انما نزلت ھذہ الآیۃ اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا فی القراءۃ خلف الامام۔

قلت: واللام فی قولہ تعالیٰ اذا قرئ القرآن للعھد دون الجنس والمراد بھا القرآن المقرو لاستماعکم کالامام یقرأ حتی یسمع من خلفہ والخطیب یقرأ للخاطب والمقری یقرأ علی التلمیذ واللہ اعلم. (التفسیر المظہری ص ۱۹۹ ج ۳) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۸ جمادی الثانیہ سنہ ۱۴۰۱ھ

مدتِ ختم قرآن:

سوال: قرآن مجید کی تلاوت مستحب ہے یا واجب؟ نیز کتنے دن میں ختم کرنا مستحب یا واجب ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

تلاوت قرآن مستحب ہے، مدت ختم میں مختلف اقوال ہیں، معتدل و راجح قول ایک مہینے کا ہے۔

قال العلامۃ الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ، قیل الاولی ان یختم القرآن فی کل اربعین یوما وقیل ینبغی ان یختمہ فی السنۃ مرتین روی عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ انہ قال من قرأ القرآن فی السنۃ مرتین فقد قضی حقہ وقیل اذا اراد ان یقضی حقہ فلیختم فی کل اسبوع وقیل فی کل شھر مرۃ وبہ افتی ابو عصمۃ رحمہ اللہ تعالیٰ (حلبی کبیر ص ۴۹۶)

وقال العلامۃ الانصاری رحمہ اللہ تعالیٰ: وینبغی لحامل القرآن ان

يختم في كل اربعين يوماً، وفي السراجية: ينبغي له ان يكون في كل سنة ختمتان، وفي اليتيمة: سئل عمر الحافظ عن المروي عن ابي حنيفة رحمه الله تعالى ان من قرأ القرآن في السنة مرتين فقد قضى حقه، ان المراد به في مدة في عمره ام في كل سنة؟ فقال: بل في كل سنة. واختلف مشايخنا رحمهم الله تعالى في ترك القرآن بما اذا ان يقضي حقه الواجب بقراءته، وقال بعضهم: يختم في كل اسبوع، وقال الحسن بن زياد رحمه الله تعالى: في كل سنة مرتين، والاحسن فيه ان يقال: الختم في كل شهر مرة، وبه افتى ابوعصمة رحمه الله تعالى (الفتاوى التاتارخانية ص [illegible])

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۸ جمادی الثانیۃ سنہ ۱۴۱۸ھ

تبلیغ
کی
شرعی
حیثیت
اور حدود
ادائے فریضہ تبلیغ دین میں افراط و تفریط کے
درمیان راہ اعتدال و صراط مستقیم کی وضاحت

تبلیغ کی شرعی حیثیت
اور
حدود

یہ رسالہ در حقیقت اس زمانہ کی ایک بہت
اہم ضرورت ہے۔
فقیہ العصر حضرت اقدس دامت برکاتہم
کے ایک نہایت مؤثر وعظ کا خلاصہ ہے:
جو عرصہ سے مستقل رسالہ کی صورت میں شائع
ہوتا چلا آرہا ہے، اور اسلام میں افراط وتفریط
کے اس دور میں طالبین صراط مستقیم کے لئے
مشعل راہ و ھدی للمتقین کا کام دے رہا ہے۔
چونکہ یہ فتوی کی حیثیت سے بھی بہت اہمیت
رکھتا ہے بالخصوص علماء وطلبہ کے لئے بہت
مضبوط اور نہایت قوی سند ہے اس لئے
اب اس کو "احسن الفتاوی" کا بھی جزو
بنا رہا ہے۔

اشاریہ

فرض تبلیغ کی دو قسمیں :

جو تبلیغ فرض ہے اس کی دو قسمیں ہیں :

(۱) فرض عین

(۲) فرض کفایہ

(۱) فرض عین :

جو تبلیغ ہر مسلمان مرد و عورت پر اس طرح فرض ہے جس طرح نماز، روزہ فرض ہے خواہ اس شخص کا تعلق تبلیغ کا کام کرنے والی کسی جماعت سے ہو یا نہ ہو، اس کا حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف ہر ایک کے لئے ارشاد فرمایا ہے :

مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ ۔

"تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے اس پر لازم ہے کہ اس برائی کو اپنے ہاتھ سے مٹائے ۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے ۔ اگر اسکی استطاعت نہ ہو تو اپنے دل سے اس برائی کو مٹائے یعنی بوقت استطاعت مٹانے کا عزم رکھے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے ۔"

اگر کوئی یہ فرض ادا کرنے میں کوتاہی کریگا تو گویا اسکے اندر ایمان ہی نہیں ہے ۔

اس حدیث میں استطاعت کی ترتیب کا ذکر ہے، جب منکر و گناہ سے روکنے کی استطاعت ہو تو اسے استعمال کرنے میں یہ ترتیب ہے کہ گناہ کا کام کرنے والے کو پہلے زبان سے روکا جائے، پھر زبان سے روکنے میں بھی یہ تفصیل ہے کہ پہلے نرمی سے سمجھایا جائے، اگر نرمی سے کہنے سے گناہ چھوڑ دے تو سختی اور غصہ سے کام لینا جائز نہیں۔ نرمی سے کام نہ چلے تو سختی سے کہا جائے۔ اگر سختی سے کہنے سے کوئی باز نہیں آتا تو ہاتھ استعمال کرے، اس میں بھی یہی تفصیل ہے کہ بقدر ضرورت ہی ہاتھ استعمال کیا جائے، مثلاً ایک تھپڑ سے کام چل سکتا ہے تو دوسرا تھپڑ لگانا جائز نہیں۔ غرضیکہ جس طرح بھی ممکن ہو گناہ کو مٹا کر چھوڑنا ہے۔

یہ بات مسلمان کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی گناہ کو دیکھ کر صبر کرلے۔ اگر گناہ کے مٹانے میں ذرا سی بھی غفلت کی تو وہ اس حدیث کی رو سے مسلمان ہی نہیں ہے۔

تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود ـــ ۴

اگر زبان یا ہاتھ کے استعمال کرنے میں کسی ناقابل برداشت فتنہ کا اندیشہ ہو تو زبان یا ہاتھ کا استعمال کرنا جائز نہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ :

لیکن اس کے باوجود اس بات کا خوب استحضار رکھنا کہ "اگر مجھے قدرت ہوئی تو میں اس گناہ کو مٹا کر چھوڑوں گا" اور یہ پختہ عزم رکھنا کہ "آئندہ جب بھی قدرت ہوئی اسے مٹا کر چھوڑوں گا" فرض ہے، فان لم یستطع فبقلبہ کا یہی مطلب ہے۔ حدیث کے اس جملہ کا مطلب سمجھنے میں بہت سے مولوی بھی غلط فہمی کا شکار رہے۔ وہ اس حدیث کا یہی مطلب سمجھتے اور بیان کرتے رہتے ہیں کہ "دل میں برا سمجھتا رہے"، دل میں برا سمجھنا تو بڑی آسان سی بات ہے۔ حدیث کے الفاظ میں غور کیا جائے کہ فبقلبہ کا تعلق فلیغیرہ کے ساتھ ہے یعنی اپنے دل کے ذریعہ مٹائے، اور دل سے مٹانا اسی وقت پایا جائے گا جب اس بات کا عزم رکھے گا کہ "قدرت ملتے ہی اس گناہ کو مٹا کر چھوڑوں گا" ایک دوسری حدیث سے بھی جس کی تفصیل آئندہ بیان کروں گا اس مطلب کی تائید ہوتی ہے۔ جو شخص کسی برائی کو دیکھ کر ہاتھ یا زبان سے مٹانے کی قدرت نہ ہونے کی صورت میں بار بار اپنے دل میں بوقت قدرت اس کے مٹانے کا پختہ عزم نہیں کریگا وہ بہت بڑا مجرم اور سخت گنہگار ہوگا، اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا، یہ نہی عن المنکر ہے وہ تبلیغ جو فرض عین ہے، آج تو لوگوں نے اسلام کو بہت میٹھا بنا رکھا ہے بس لوگوں کو میٹھی میٹھی باتیں بتادیں اور ہوگئے ساری دنیا کے مبلغ۔

گناہوں سے روکنے کے لئے کسی کو سزا دینا ہر ایک کیلئے جائز نہیں :

اس حدیث میں جس مسئلہ کا حکم بیان کیا گیا ہے اسے اصطلاح شریعت میں "تغییر منکر" کہا جاتا ہے جو ہر مسلمان پر بقدر استطاعت فرض ہے۔
ایک دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرے مثلاً داڑھی کٹائے یا منڈائے یا کوئی عورت بے پردہ گھر سے باہر نکلے تو اسے ایسی عبرتناک سزا دی جائے کہ آئندہ کسی کو ایسی حرکت کرنے کی ہمت نہ ہو، شرعی اصطلاح میں اسے "تعزیر" کہا جاتا ہے۔ ایسی سزا دینا ہر مسلمان کے لئے جائز نہیں بلکہ یہ صرف حکومت کا کام ہے۔

لیکن آج کی حکومت ایسے گناہوں پر سزا تو کیا دیتی، ایسے گناہوں سے بچنے والوں کو سزا دیتی ہے۔ اسی طرح آپ نے کسی شخص کو کوئی گناہ کرتے دیکھا، آپ کے منع کرنے سے اس نے وہ گناہ چھوڑ دیا، آپ کو یقین ہے کہ وہ آپ کے چلے جانے کے بعد پھر گناہ کریگا، ایسی صورت میں آپکے لئے جائز نہیں کہ آیندہ کے لئے اسے گناہ سے روکنے کی خاطر اسے سزا دیں۔ اس لئے کہ آپ پر "تغییر منکر" یعنی گناہ کو مٹانا فرض تھا وہ حاصل ہو گیا۔

البتہ والدین اپنی نابالغ اولاد کو، شوہر بیوی کو، استاذ شاگرد کو اور پیر مریدوں کو حدودِ شرع کی پابندی کرتے ہوئے مناسب سزا دے سکتا ہے۔ اس میں نیت صحیح ہونا ضروری ہے، اللہ کی رضا مقصود ہو، ایسا نہ ہو کہ غصہ تو اپنی کسی ذاتی غرض سے آیا اور شریعت کو بہانہ بنا کر انتقام لینا شروع کر دیا۔

ان لوگوں یعنی والدین، شوہر، استاذ اور پیر کے سوا کسی دوسرے کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی کو ایسی سزا دے، شریعت کا حکم یہ ہے کہ ایسے مجرموں کو حکومت سے سزا دلائی جائے، البتہ حکومت اپنا یہ فرض ادا نہ کرے تو دوسرے لوگ بھی تعزیر لگا سکتے ہیں بشرطیکہ کسی بڑے فتنے کا خطرہ نہ ہو۔

نہی عن المنکر کی اہمیت اور اسکے ترک پر وعیدیں:

چونکہ نہی عن المنکر بہت مشکل بھی ہے اور بہت اہم بھی، اس لئے اس کے ترک پر بہت سی وعیدیں وارد ہوئی ہیں، ان سے متعلق چند آیتیں اور حدیثیں سُن لیں:

① وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

"زمانہ شاہد ہے کہ بیشک انسان خسارے میں ہے مگر جو ایمان لایا، نیک اعمال کئے، حق بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے۔"

اللہ تعالیٰ کے عذاب اور خسارے سے بچنے کے لئے انسان کو چار کام کرنے پڑیں گے:

① عقائد صحیح رکھنا

(۲) نیک اعمال اختیار کرنا
(۳) ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرنا
(۴) ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرنا

(۱) عقائد صحیح رکھنا:

تمام عقائد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق ہوں ان میں سے اگر ایک عقیدہ بھی غلط ہوا تو اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔

(۲) نیک اعمال اختیار کرنا:

نیک اعمال کا یہ مطلب نہیں کہ تسبیحات زیادہ ہوں، نمازیں بھی لمبی ہوں، تہجد، اشراق اور چاشت وغیرہ نفل نمازوں اور نفلی روزوں، نفل حج، عمرے اور صدقات خیرات وغیرہ کی بہت پابندی ہو، بلکہ نیکی کی بنیاد اور روح گناہوں کو چھوڑنا ہے تفصیل کے ساتھ یہ بیان وعظ "ترک گناہ" اور "ترک منکرات" میں چھپ چکا ہے۔

(۳) ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرنا:

عقائد صحیحہ کی ایک دوسرے کو تبلیغ کرتے رہنا۔

(۴) ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرنا:

ایک دوسرے کو اعمال صالحہ یعنی گناہوں سے بچنے اور نفسانی تقاضوں کے وقت صبر کی تلقین کرتے رہنا۔

نظر بدنظری کا تقاضا کررہی ہو، زبان غیبت یا فضول گوئی اور لایعنی باتوں کا تقاضا کررہی ہو تو ایسے مواقع پر ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کیا کریں۔

مذکورہ چاروں کاموں میں سے اگر کسی ایک کام میں بھی کوتاہی یا غفلت ہوئی تو انسان دنیا و آخرت کے خسارے سے نہیں بچ سکے گا۔

(۳) لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ (۵-۷۹،۷۸)

"بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی داود اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبان سے، یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انھوں نے حکم کی

مخالفت کی اور حد سے نکل گئے۔ جو برا کام انھوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہیں آتے تھے، واقعی ان کا فعل بیشک برا تھا۔"

اس آیت کے شانِ نزول میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
علماء بنی اسرائیل شروع میں لوگوں کو گناہوں سے روکتے، تبلیغ کرتے اور اللہ سے ڈراتے رہتے تھے، مگر جب وہ نہ مانے تو ان علماء نے انہی لوگوں کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا شروع کر دیا، گناہوں سے بیزاری ظاہر نہیں کی، ان علماء کی اس حرکت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر لعنت کی گئی۔

آج کے علماء اور دینداروں کی مداہنت پرستی:

آج کے علماء، مشائخ اور ظاہری دینداروں میں یہ وبا بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ انھوں نے لوگوں کے سامنے اسلام کو ایسا ثابت کر دیا ہے کہ گویا ان کی یہ دینداری اسلام کی خاطر نہیں بلکہ اختلافِ طبع و مزاج کی وجہ سے ہے جیسا کہ مقولہ مشہور ہے "پسند اپنی اپنی" ایک شخص ڈاڑھی رکھے ہوئے ہے، لباس اسلام کے مطابق ہے، رہن سہن اور کھانے پینے کے تمام طور طریقے شریعت کے مطابق ہیں مگر جو لوگ ڈاڑھی منڈاتے یا کٹاتے ہیں، لباس ان کا کوٹ پتلون ہے میز کرسی پر کھاتے ہیں، ان کے ساتھ اس کی گہری دوستی ہے، ان کے ساتھ ہنسی دل لگی کی باتیں کرتا رہتا ہے، ان کے یہاں آنا جانا بھی ہے، ان کی دعوتوں میں بھی شریک ہوتا ہے، اس طرح یہ شخص لوگوں کی نظروں میں یہ ثابت کرتا ہے:
"اس کا یہ طرزِ زندگی اسلام کی خاطر نہیں ہے بلکہ اپنی طبعی پسند کی وجہ سے ہے اسے ڈاڑھی پسند ہے تو دوسروں کو کلین شیو پسند ہے، سب اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہے۔"

اس کا مزید نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ ایک ہی شخص ایک وقت میں ڈاڑھی رکھ لیتا ہے لباس اسلام کے مطابق پہن لیتا ہے پھر وہی شخص دوسرے وقت میں ڈاڑھی منڈا کر کوٹ پتلون پہن لیتا ہے۔ اس کے اس عمل سے دوسرے لوگوں کو اور آنے والی نئی نسلوں کو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اسلام مسلمانوں کو کسی خاص قسم کے طرزِ زندگی کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی دیتا ہے۔

اگر آپ لوگوں کے گناہ دیکھ کر بھی ان کے ساتھ گھلے ملے رہتے ہیں اور اس طرح اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ ہمیں آپ کے گناہوں سے کوئی نفرت نہیں تو آپ کی یہ دینداری اللہ کے لئے نہیں ہے، اگر اللہ کے لئے ہوتی تو لوگوں کے گناہ دیکھ کر ان سے بیزاری کا اظہار کرتے۔ گناہوں کو دیکھ کر ان سے بیزاری کا اظہار نہ کرنے والوں پر بھی اللہ کا عذاب اسی طرح آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل کے علماء پر آیا۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ گنہگاروں کے ساتھ بد خلقی سے پیش آئیں، انہیں حقیر و ذلیل سمجھیں، دین کی طرف راغب کرنے اور دینی دعوت دینے کی غرض سے تو ان کے ساتھ خوش اخلاقی ہی سے پیش آنا چاہئے۔

یہ مطلب بھی نہیں کہ جن لوگوں کے ساتھ مختلف ضرورتوں کی وجہ سے میل جول رکھنا پڑتا ہے ان سے میل جول ختم کر دیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے گناہوں کو دیکھ کر آپ ان کے سامنے اپنی بیزاری کا اظہار نہیں کر سکتے ہیں تو اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے اتنا تو کر سکتے ہیں کہ ایسے شخص پر نظر پڑتے ہی فوراً اس کے لئے دعاء کر لیں یا کم از کم چوبیس گھنٹے میں ایک وقت متعین کر کے اس میں تمام گنہگاروں کے لئے دعاء کر لیا کریں۔ ایسا کرنے سے اللہ کے عذاب سے بچنے کے علاوہ یہ فائدے بھی حاصل ہوں گے:

(۱) ایک مسلمان بھائی کا حق ادا ہوگا، کسی کو تکلیف میں مبتلا دیکھ کر اس کے لئے دعاء کرنا اس کا حق ہے، ایک مسلمان گناہوں میں مبتلا ہو اس سے بڑی تکلیف کیا ہو سکتی ہے؟

(۲) آپ میں عجب و کبر پیدا نہیں ہوگا کہ ہم تو ایسے متقی ہیں اور یہ گنہگار ہیں، دعاء کے ساتھ عجب کا علاج بھی ہو گیا۔

(۳) دل میں گنہگاروں سے نفرت اور ان کی تحقیر پیدا نہیں ہوگی۔

(۴) گناہوں کی برائی کا استحضار اور ان سے بچنے کے اہتمام میں اضافہ ہوگا، جب دوسروں کو بچانے کے لئے دعاء کریں گے تو لازماً اپنے کو بچانے کے لئے اس سے زیادہ دعاء اور اہتمام کریں گے۔

بے دینوں کے ساتھ محبت رکھنے کا عذاب:

بہت سے لوگوں کو فساق و فجار سے نفرت ہونے کی بجائے ان کی بہت سی باتیں انھیں اچھی لگتی ہیں۔

ایک شخص نے کہا:

"انگریز بہت ہنس مکھ اور خوش مزاج ہوتے ہیں اور دیندار علماء اور بزرگ حضرات خشک مزاج ہوتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کی خوش مزاجی ان کی زبان کا اثر ہے۔" ایسی باتیں اور بھی بہت سے لوگ کہہ بیٹھتے ہیں اسلئے اسکے جوابات سن لیں:

(۱) مسلمان ہر کام میں اپنے اللہ کے قانون کا پابند ہوتا ہے۔ وہ کوئی کام بھی قانون کے خلاف نہیں کر سکتا کہ جیسا دل میں آیا کر لیا، ہر وقت ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں کوئی ایسی بات یا حرکت نہ ہو جائے جس سے میرا مالک ناراض ہو جائے۔

انگریز بالکل آزاد ہیں جیسا دل میں آیا کر لیا، اس سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ بڑے خوش مزاج ہیں۔

جو شخص قانون کا پابند ہوگا وہ خوش مزاج ہو ہی نہیں سکتا، اگر خوش مزاجی کی کوئی بات کریگا بھی تو قانون کا پابند رہ کر، سوچ سمجھ کر، موقع محل دیکھ کر اور اللہ کی رضا کے لئے کریگا، آزادی سے بلا سوچے سمجھے، بے موقع و محل اور مخلوق کی رضا کے لئے نہیں کرے گا۔

(۲) اللہ تعالی کا حکم ہے:

"اللہ کے باغیوں اور مجرموں کے سامنے ان کے گناہوں سے بیزاری کا اظہار کرو۔"

اللہ والے اللہ کے اس قانون کی پابندی کرتے ہیں، اس لئے اللہ کے باغیوں اور مجرموں کے ساتھ زیادہ خوش مزاجی نہیں کرتے ہیں۔

اور انگریز جب خود ہی اللہ تعالی کے باغی ہیں تو وہ دوسرے باغیوں سے نفرت کیا کریں گے بلکہ محبت ہی کریں گے، اسی لئے وہ ہر ایک سے خوش مزاجی سے پیش آتے ہیں۔

ان دو وجوہ سے معلوم ہوا کہ انگریزوں کی خوش مزاجی کی یہ خوبی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، البتہ بہت سی باتیں غیر مسلم اقوام میں ایسی ہوتی ہیں جن میں واقعۃً خوبی ہوتی ہے، جیسے نظم اوقات، پابندی وقت، سلیقہ مندی وغیرہ، انکے بارے

ہمیں یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ یہ باتیں دراصل اسلامی تعلیمات ہیں، مسلمانوں نے ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے اور کفار ان پر عمل کرکے دنیوی ترقی حاصل کر رہے ہیں۔ ایسی خوبیوں کو یہ سوچ کر حاصل کرنے کی کوشش کریں کہ یہ ہم نے کھودی تھیں دوسروں کے پاس دیکھ کر یاد آگئیں کہ یہ تو ہمارے اپنے گھر کی ہیں۔

غیر قوموں میں بعض باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو عقلاً و شرعاً صحیح نہیں ہوتیں مگر بعض لوگوں کو طبعاً پسند آتی ہیں۔ ایسی باتوں کی طرف طبیعت کا مائل ہونا بہت ہی خطرناک ہے، جو انسان کو کفر تک لیجا سکتا ہے۔

بعض باتیں غیر قوموں میں غیر اختیاری ہوتی ہیں، مثلاً جسمانی ساخت، خوش رنگ، لمبا قد، قوت، شجاعت وغیرہ، اگر ان چیزوں کی وجہ سے ان کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے اور ان کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے تو یہ بھی خطرہ سے خالی نہیں، اس لئے کہ یہ بات سب کے نزدیک مسلّم ہے:

"جس کے ساتھ عداوت اور دشمنی ہوتی ہے اس کی خوبیاں اور کمالات بھی بُرے لگتے ہیں، اور جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے اسکی بُری باتیں بھی اچھی لگتی ہیں۔"

آپ کے سامنے اگر کوئی آپ کے کسی دشمن کی خوبیاں بیان کرنا شروع کردے تو آپ کو کتنی ناگواری ہوتی ہے، آپ تو اس کا نام سننا بھی پسند نہیں کرتے، پھر اللہ کے اتنے بڑے دشمنوں اور باغیوں کی غیر اختیاری خوبیوں کو دیکھ کر اگر آپ متأثر ہو جاتے ہیں تو یہ اس کی دلیل ہے کہ آپ کو اللہ کے دشمنوں سے محبت ہے، پھر انجام بھی اللہ کے دشمنوں کے ساتھ ہی ہوگا

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ :

"انسان کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جسکے ساتھ اسے دنیا میں محبت ہو۔"

کسی میں کوئی خوبی نظر آئے تو یہ دیکھیں کہ یہ شخص مسلمان اور دیندار ہے یا نہیں۔ اگر مسلمان ہے اور دیندار ہے تو سب کچھ ہے۔

مذکورہ تینوں باتوں سے بچنے کی کوشش کریں ورنہ ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے

اپنی اصلاح کیسے کریں؟

اولاً یہ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ کو جن کے ساتھ محبت ہمیں بھی انہی کے ساتھ محبت

اور اللہ کے نزدیک جو مبغوض ہیں ہمارے نزدیک بھی مبغوض۔

دوسرا علاج یہ کہ اگر غیر اختیاری طور پر ان کی کوئی خوبی سامنے آئے یا کوئی آپکے سامنے بیان کرے تو اسکی طرف متوجہ ہونے کی بجائے بتکلف یوں رد کرنے کی کوشش کیا کریں:

"جو لوگ اللہ کے باغی ہوتے ہیں ان میں کوئی کمال ہو ہی نہیں سکتا، کسی کا ظاہر اچھا ہونے سے ضروری نہیں کہ اس کا باطن بھی اچھا ہو۔ سانپ کا ظاہر کتنا اچھا اور خوبصورت ہوتا ہے لیکن اندر زہر بھرا ہوتا ہے۔"

آپ کفر کی جتنی برائیاں بیان کریں گے اتنی ہی کفر سے نفرت بڑھے گی اور جتنی کفر سے نفرت بڑھے گی اتنی ہی اسلام سے محبت بڑھے گی۔

اگر بتکلف ان کی برائیاں سوچنے اور بیان کرنے کی بجائے ان کی خوبیوں کو سوچیں گے یا سنیں گے یا کسی کو بتائیں گے تو ان سے محبت بڑھے گی جو بالآخر کفر تک لیجائے گی۔

خلاصہ یہ کہ فساق و فجار سے خوش مزاجی سے پیش آنا، محبت کرنا اور دوستانہ تعلق رکھنا تو درکنار، ان کے فسق و کفر سے نفرت ظاہر کرنا فرض ہے اور ان کے فسق و کفر کے مٹانے کی ادنیٰ سی کوشش سے بھی غفلت کرنا، یعنی دل میں ان کے مٹانے کا پختہ عزم نہ رکھنا بہت بڑا جرم اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔

بنی اسرائیل پر نہی عن المنکر ترک کرنے کی وجہ سے یہ عذاب آیا کہ انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا تھا۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: والذی نفس محمد بیدہ لیخرجن من امتی من قبورهم فی صورة القردة والخنازیر بما داهنوا اهل المعاصی وكفوا عن نهیهم وهم یستطیعون (الحدیث)

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میری امت کے بہت سے لوگ اپنی قبروں سے بندر اور خنزیر کی صورت میں نکلیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے گناہ کرنے والوں کے ساتھ مداہنت سے کام لیا اور قدرت کے باوجود انہیں گناہوں سے نہیں روکا۔"

③ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۤصَّةً (۸-۲۵)

اللہ کے عذاب سے ڈرو جو دنیا میں پھیل جانے والا ہے، اگر کوئی کہے کہ

باهلها فقال یارب ان فیهم عبدک فلانا لم یعصک طرفۃ عین قال فقال اقلبها علیه وعلیهم فان وجهه لم یتمعر فی ساعۃ قط (بیہقی شعب الایمان)

اللہ تعالیٰ عز وجل نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا:
"فلاں فلاں شہر کو ان کے رہنے والوں پر الٹ دو"
انھوں نے کہا:
"اے میرے رب! ان لوگوں میں تیرا ایک فلاں بندہ ایسا ہے جس نے پلک جھپکنے بھر بھی تیری نافرمانی نہیں کی"
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا:
"اس پر بھی اور دوسرے لوگوں پر بھی اس شہر کو الٹ دو، اس لئے کہ لوگوں کے گناہ دیکھ کر میری خاطر کبھی بھی اس کے چہرے پر بل نہیں پڑا"

اتنا بڑا عابد اور زاہد جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا تھا اور ذرا سی دیر کے لئے بھی اس نے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہیں کی، لیکن چونکہ اسے لوگوں کے گناہ دیکھ کر ذرا بھی رنج و غم نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی اس نے برائیوں کو مٹانے کی سب سے آخری کوشش یعنی دل میں مٹانے کا عزم کیا جس کا ظہور گناہوں کو دیکھ کر بیزاری کا اظہار کرنے سے ہوتا ہے اس لئے اس کی عبادت اور ریاضت اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ما من رجل یکون فی قوم یعمل فیهم بالمعاصی یقدرون علی ان یغیروا علیه ولا یغیرون الا اصابهم اللہ بعقاب قبل ان یموتوا (ابوداؤد)
"اگر کسی قوم کا کوئی فرد گناہ کرتا ہو اور اس قوم کے دوسرے افراد اسکو روکنے کی قدرت بھی رکھتے ہوں اس کے باوجود وہ اسے گناہوں سے نہیں روکتے تو اللہ تعالیٰ ان کے مرنے سے پہلے ان پر عذاب بھیجے گا"

نہی عن المنکر میں حفظ حدود اللہ:
نہی عن المنکر کی اہمیت میں اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا:
الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ (۹:۱۱۲)

تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود ــــ ۱۴

"نیک باتوں کا حکم دینے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔"

جو لوگ نہی عن المنکر کرتے ہیں وہ حدود اللہ کی حفاظت بھی کرتے ہیں حدود اللہ کی حفاظت کیسے؟

اوّلاً تو نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرکے ہی حدود اللہ کی حفاظت کی، اس لئے کہ جو لوگ برائیوں کو دیکھ کر اسے مٹانے کی کوشش نہیں کرتے وہ حدود اللہ کو توڑ رہے ہیں۔

دوسری صورت حدود اللہ کی حفاظت کی یہ کہ برائیوں کو روکتے ہوئے دل میں یہ خیال نہ آئے۔

"میں نے بہت بڑا کام کرلیا اور میں بہت بڑا مجاہد ہوں۔"

بلکہ نظر اللہ تعالیٰ پر رہے کہ میرا اللہ مجھ سے کام لے رہا ہے۔ اگر نظر اپنے کمال پر چلی گئی تو ساری کوششیں رائیگاں گئیں، ایسا کام اللہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اپنے نفس کے لئے ہوتا ہے۔

اگر کبھی کسی برائی سے روکتے ہوئے درمیان میں نفسانیت کا کوئی خیال آجائے تو اپنا کام نہ چھوڑیں بلکہ اگر اسی موقع پر تنبہ ہوجائے تو استغفار کرکے نیت خالص کرلیں اور اگر بر وقت تنبہ نہ ہو تو بعد میں جب تنبہ ہو فوراً استغفار کریں، نفس کا محاسبہ جاری رکھیں۔

تیسری صورت حفظ حدود اللہ کی یہ ہے کہ کسی برائی کو روکتے ہوئے غصہ اتنا زیادہ نہ جاری کرے کہ حد سے تجاوز ہوجائے۔ مثال کے طور پر کسی کو گناہ سے روکنے کے لئے زبان سے کہنا معمولی ڈانٹنا کافی ہو تو اسے برا بھلا کہنا یا اس پر ہاتھ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ غصہ صرف اتنا جاری کرے جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہوجائے اور دوسروں کو گناہوں سے روک دے۔ یوں سمجھیں:

"جیسے کسی بھنگی کو کسی بہت بڑے بادشاہ نے اپنے سامنے یہ حکم دیدیا کہ میرے بیٹے کو سزا دو۔ اس بھنگی پر کیا گزرے گی؟ اگر تعمیل حکم نہیں کرتا تو بھی خطرہ اور اگر کرتا ہے تو بھی بادشاہ کی ناگواری کا خطرہ کہ کہیں سزا میں زیادتی نہ ہوجائے یا شہزادے کی تحقیر نہ ہوجائے۔"

تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود ———— ۵

اسی طرح جب کوئی کسی کو گناہ سے روکے تو یہ سمجھ لے کہ یہ اللہ کا بندہ ہے اور اللہ کو اپنے تمام بندوں سے محبت ہے کسی سے کم کسی سے زیادہ، اسے گناہوں سے روکنے کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے لیکن اس حکم کی تعمیل میں اگر کہیں حد سے تجاوز ہو گیا تو میرا کیا بنے گا۔

برائیوں سے روکنے پر آنے والی مصیبتیں:

قرآن کریم میں ہر جگہ دوسروں کو نیکیوں کی تبلیغ کرنے کے ساتھ برائیوں سے روکنے کا حکم بھی ہے۔ فریضۂ تبلیغ جبھی ادا ہوگا کہ دونوں کام ہوں۔ نیکی کی تبلیغ کرنا آسان ہے برائیوں سے روکنا بہت مشکل کام ہے۔ اگر کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھنے کی تبلیغ کرے تو لوگ خواہ اس کی تبلیغ سے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں بہرحال اس کی اس تبلیغ سے اس کے دشمن نہیں بنیں گے بلکہ اس کی تعریف کریں گے اور اسے شاباش بھی دیتے رہیں گے لیکن جہاں کہا "ٹی وی مت دیکھو، گانا مت سنو، تصویر کی لعنت سے بچو، ڈاڑھی منڈانا اور کٹانا چھوڑ دو، آمدنی کے حرام ذرائع سے بچو، شریعت کے مطابق پردہ کرو۔"

تو پھر دیکھئے کہ سارے گھر والے، رشتہ دار اور سب محلے والے اس کے کیسے دشمن بن جاتے ہیں۔ اسی لئے حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نقل فرمایا ہے:

وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ (۳۱: ۱۷)

"اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر۔"

نہی عن المنکر پر جو مصیبتیں آئیں گی ان پر آپ کو صبر کرنا پڑے گا کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے، جیسے کفار کے ساتھ جہاد کرنا مشکل ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا حکم ہونے کی وجہ سے فرض ہے اور جہاد کی تکالیف اور مشقتوں پر صبر کرنا ضروری ہے اسی طرح برائیوں سے روکنے میں بھی تکلیفیں ضرور پہنچیں گی، کہیں کم کہیں زیادہ کم از کم لوگ آج تو ضرور کہیں گے:

"اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے، پاگل، دقیانوسی، پرانے خیالات کا اور

تنگ نظر ہے، دنیا میں رہنا نہیں جانتا، کہاں سے دنیا میں آ گیا، کہیں جنگل میں چلا جائے، اس کے پیچھے لگو گے تو دنیا تباہ ہو جائے گی، خود تو خراب ہوا ہمارے بچوں کو بھی خراب کر رہا ہے۔

یہ بھی ایک قسم کی اذیت اور تکلیف ہے۔ بلکہ اگر آپ لوگوں کی ان ایذاؤں کی وجہ سے نہی عن المنکر چھوڑ کر تنہائی اختیار کر کے صرف اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کی کوشش کریں گے تو بھی لوگ آپ کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے آپ کو اپنے ساتھ گناہوں میں شامل ہونے پر مجبور کریں گے۔ اور یہ قصہ آج کا نہیں ہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ مفسرین نے رہبانیت کی تاریخ میں لکھا ہے:

"اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ جب لوگ برائیوں میں مبتلا ہونے لگے تو ان کے علماء اور صلحاء نے انہیں ان برائیوں سے روکنے کی کوشش کی مگر جب وہ لوگ برائیوں سے باز نہیں آئے تو انہوں نے سوچا کہ اب تو معاملہ ہماری قدرت سے باہر ہو گیا، ہم تو انہیں منع کر کے بری الذمہ ہو گئے، چلیں اب اپنی ہی حفاظت کرتے ہیں، مگر ان لوگوں نے کہا کہ ہم تمہیں یوں آرام سے بیٹھنے نہیں دیں گے تمہیں ہمارے ساتھ گناہوں میں شامل ہونا پڑے گا۔ پھر بادشاہ کے پاس جا کر شکایت لگا دی کہ ان پاگلوں کو سمجھائیں اور مجبور کریں کہ یہ گناہوں میں ہمارا ساتھ دیا کریں۔

رقیبوں نے رپٹ جا جا کے لکھوائی ہے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

بادشاہ نے لوگوں کی شکایت سن کر ان علماء و صلحاء سے کہا کہ بہتر تو یہی ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ گناہوں میں شامل ہوا کرو ورنہ شہر چھوڑ کر کہیں جنگل میں چلے جاؤ شہر میں رہنے کا تمہیں کوئی حق نہیں، شہر میں وہی رہ سکتا ہے جو گناہوں کی مجالس میں شامل ہوا کرے، ان لوگوں نے اپنے دین کی حفاظت کی خاطر شہر چھوڑ دیا اور جنگل میں جا کر رہنے لگے"۔ آج کل بھی اس قسم کے بہت سے واقعات پیش آ رہے ہیں۔ اولاد نیک بننا چاہتی ہے لیکن ان کے والدین انہیں نیک بننے نہیں

دیتے۔ ایک لڑکے نے ڈاڑھی رکھ لی تو اس کے گھر والے اس سے کہتے ہیں :
"مسلمان بن کر رہنا ہے تو گھر میں رہو اور اگر مولوی بن کر رہنا ہے تو گھر سے نکل جاؤ" چونکہ لوگوں کو گناہوں سے روکنے کا جہاد بہت مشکل ہے اس لئے آج کل مولویوں اور مقرروں نے یہ طے کر رکھا ہے :
"تقریروں میں صرف میٹھی میٹھی باتیں بتائی جائیں ورنہ لوگ ناراض ہو کر چلے جائیں گے"

نہی عن المنکر کا صحیح اور مؤثر طریقہ :

جو لوگ آپ کے ماتحت اور زیر تسلط ہیں جیسے بیوی، اولاد اور ملازم وغیرہ انھیں برائیوں سے روکنے کے لئے حدود اللہ کی پابندی کرتے ہوئے ہر ممکن کوشش کرنا فرض ہے، لیکن جو لوگ آپ کے ماتحت نہیں انھیں گناہوں سے روکنا ہر ایک پر فرض نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے اور ایسے لوگوں کو گناہوں سے روکنے کے دو طریقے ہیں :

(۱) خطاب خاص (۲) خطاب عام

(۱) خطاب خاص :

اگر کوئی شخص ایسا ہو جس کے ساتھ آپ کی ایسی بے تکلفی ہو کہ اگر آپ اسے کسی گناہ میں مبتلا دیکھ کر اسے تنبیہ کریں تو اسے ناگواری نہ ہو بلکہ خوشی ہو اور آپ کی اس تنبیہ پر آپ کا احسان مند ہو تو ایسے شخص کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھ کر خصوصی خطاب کے ذریعے گناہوں سے روکنا آپ پر فرض ہے۔

لیکن اگر کسی شخص کے ساتھ ایسی بے تکلفی نہ ہو یا اجنبی ہو تو ایسے شخص کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھ کر خصوصی خطاب کے ذریعے گناہوں سے روکنے کی کوشش کبھی نہ کریں۔

اگر ایسا شخص بظاہر دیندار ہے تو آپ کی تبلیغ سے اسے ناگواری ہوگی اور اس کے دل میں آپ کے خلاف بغض و کینہ پیدا ہوگا اور اپنے گناہوں کی غلط تاویلیں بھی کرے گا

اور اگر ایسا شخص بظاہر دیندار نہیں لیکن دل میں دین اور دینداروں کی کچھ عظمت اور وقعت ہے تو آپ کی تبلیغ سے اسے بھی ناگواری تو ہوگی لیکن

دل میں دین کی تھوڑی سی عظمت ہونے کی وجہ سے زبان سے وہ کچھ نہیں کہے گا مگر اس کے دل سے دینداروں کی وقعت جاتی رہے گی اور وہ آیندہ دینداروں سے بچنے کی کوشش کریگا کہ یہ لوگ تو بات بات پر ٹوکتے رہتے ہیں۔

اور اگر کوئی شخص ایسا بے دین ہے کہ اس کے دل میں دین اور دینداروں کی کوئی عظمت اور وقعت نہیں ہے تو وہ آپ کی تبلیغ سُن کر فوراً کوئی کلمۂ کفر بک دیگا، مثلاً کسی شخص کو ڈاڑھی رکھنے کی تبلیغ کی اور اس نے جواب میں کہدیا،

"جاؤ! یہ تو مولویوں کے کام ہیں"

یا کہدیا،

"ڈاڑھی رکھنے سے صورت کیسی بکرے جیسی لگتی ہے" تو فوراً کافر ہو جائیگا اور اس کے کفر کا سبب آپ ٹھہریں گے۔ اس قسم کے لوگوں کو اجمالی طور پر صرف اس قسم کی تبلیغ کرنا چاہیئے:

"ہم مسلمان ہیں، مسلمان کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہوتی ہے، اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بغاوت سے توبہ کریں، اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق گزاریں، خصوصاً ان گناہوں سے بچنے کی زیادہ کوشش کریں جو ہمارے معاشرے میں کینسر کی طرح داخل ہو گئے ہیں اور جنھیں لوگوں نے گناہوں کی فہرست ہی سے نکالدیا ہے"

② خطاب عام:

نہی عن المنکر کی تبلیغ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے عام مجمع میں معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں کے مفاسدات اور خرابیاں خوب کھل کر بیان کی جائیں۔ البتہ خطاب عام میں بھی اس بات کی رعایت نہایت ضروری ہے کہ انداز بیان میں ایسی درشتی اور تیزی نہ ہو جس سے سننے والوں کو وحشت ہو اور وہ اپنی توہین محسوس کریں بلکہ خطاب محبت، شفقت اور درد دل کے ساتھ ہو۔ اس لئے کہ دل سے نکلنے والی باتوں میں زیادہ اثر ہوتا ہے ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے!

تبلیغ کی شرعی حیثیت، درعاد ۱۹

اور

از دل خیزد بر دل ریزد۔
"دل سے نکلنے والی بات دل پر ہی گرتی ہے"

تبلیغ فرض کفایہ:

تبلیغ کی دوسری قسم ہے فرض کفایہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اگر کوئی جگہ ایسی ہو جہاں کے بسنے والوں کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ انھیں مذہب اسلام کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے، ایسے موقع پر تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ کچھ لوگوں کو ان کی طرف بھیجیں جو انھیں اسلام کی دعوت دے کر مسلمان بنائیں اور اس کے بعد انھیں اسلام کے احکام اور فرائض سکھلائیں۔ اگر مسلمانوں میں سے کسی نے بھی یہ فرض ادا نہ کیا تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر صرف ایک شخص نے یہ فرض ادا کر دیا تو سب مسلمان بری الذمہ ہو جائیں گے۔

اس وقت پوری دنیا میں کوئی ملک بھی ایسا نہیں ہے بلکہ کسی ملک میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اسلام کی دعوت پہنچانا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہو، اس لئے کہ اس زمانے میں اسلام کی شہرت خود ہی دعوت بن کر پورے عالم میں پھیل چکی ہے دنیا کے ہر فرد کو اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ "اسلام بھی دنیا میں کوئی مذہب ہے" اس لئے اب یہ فرض اور ذمہ داری خود ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے کہ مختلف مذاہب کی تحقیق کر کے حق اور باطل مذہب کو پہچانیں اور جو مذہب حق ہے اس کا اتباع کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر غور و فکر کرنے کی صلاحیت رکھی ہے۔ اسی لئے مسئلہ ہے کہ:

"اگر کوئی شخص ایسی جگہ پیدا ہو جہاں دوسرا کوئی انسان نہ رہتا ہو تو بالغ ہونے کے بعد اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان لانا فرض ہے۔"

اسی طرح جو لوگ پیدائشی مسلمان ہیں، مسلمانوں کے گھروں میں پلے، بڑھے اور جوان ہوئے یہ فرض اور ذمہ داری ان ہی پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اسلام کے احکام اور اوامر و نواہی معلوم کریں۔ دوسرے مسلمانوں پر یہ فرض اور ذمہ داری

بنایا کہ ان کے پاس جا جا کر انھیں اسلام کے احکام بتائیں کسی شخص کے مسلمان ہونے کا یہ مطلب ہوتا ہے :

" اس نے اسلام کی حکومت کو تسلیم کرلیا ہے۔ اس لئے وہ کوئی کام بھی اسلام کے قانون کے خلاف نہیں کرے گا "

اسلام کے قوانین کیا ہیں ؟ انھیں معلوم کر کے ان پر عمل کرنا اسکا فرض ہے کسی اور کا نہیں۔ اس لئے کسی قانون کی خلاف ورزی کر کے یہ کہہ کر جرم کی سزا سے نہیں بچ سکتا ،

" مجھے اس قانون اور مسئلہ کا علم نہیں تھا "

دنیا میں جب کوئی شخص کسی حکومت کو تسلیم کرلیتا ہے پھر وہ خود پہاڑوں کے غاروں میں رہنے کی وجہ سے یا شہر میں رہ کر بھی خواب غفلت میں سوتے رہنے کی وجہ سے حکومت کے قوانین معلوم نہ کرے، اور کوئی کام حکومت کے خلاف کر ڈالے۔ پھر جب عدالت میں پکڑ کر لے جایا جائے تو یہ عذر بیان کرے :

" مجھے یہ قانون معلوم نہیں تھا "

تو کیا کسی کا یہ عذر دنیا کی کسی عدالت میں تسلیم کرلیا جائے گا ؟ اور اسے جرم کی سزا سے بری کر دیا جائے گا ؟ ہرگز نہیں۔ جب دنیا کی حکومتوں کا یہ دستور ہے تو اللہ کی حکومت کیا دنیا کی حکومتوں سے کم ہے ؟ وہ تو صاف صاف اعلان فرما رہے ہیں :

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى ۝ (۷۵ : ۳۶)

" کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا "

جس طرح دنیا کی کوئی حکومت قانون سے لاعلمی کا عذر تسلیم نہیں کرتی اور اپنے قوانین کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے اپنے آدمیوں کو نہیں بھیجتی بلکہ لوگ از خود قوانین معلوم کرنے کیلئے حکومت کے کارندوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اسی طرح اسلام نے بھی مسلمانوں پر یہ فرض عائد نہیں کیا ہے کہ ناواقف لوگوں کے پاس جا جا کر احکام اسلام بیان کیا کریں۔ اگر کسی کے دل میں ایسی ہمدردی ہو کہ وہ خواب غفلت میں سونے والوں کو بیدار کر کے انھیں اسلام کے احکام

بتانے تو اس کے اس عمل کو مستحب اور موجب ثواب تو کہا جائے گا لیکن فرض نہیں کہا جا سکتا ، اگر کوئی غلط فہمی اور لاعلمی کی وجہ سے اس عمل کے فرض ہونے کا عقیدہ رکھے تو یہ سراسر دین میں تحریف ہے جو بالکل ناجائز ہے ۔

البتہ ہر علاقے میں دین کی حفاظت اور بقاء کے لئے مسلمانوں میں سے کچھ ایسے لوگوں کا ہونا ضروری ہے جن سے لوگ احکام اسلام معلوم کر سکیں ، جو دین کو دشمنان اسلام کی تحریف سے بچا سکیں اور آئندہ کے لئے حاملین دین و محافظین دین پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہیں ۔

تبلیغ دین کے مختلف شعبے :

پھر جس طرح دنیا کی حکومتوں کو اپنے ملکی انتظام کے لئے امور انتظامیہ کو مختلف شعبوں میں تقسیم کرنا پڑتا ہے ، کوئی شعبہ صنعت و تجارت کا ہے تو کوئی وزارت و عدالت کا ہے ، کوئی شعبہ مواصلات کا ہے تو کوئی معالجات کا ۔ پھر ان میں سے ہر ایک شعبے میں بھی مختلف شعبے ہیں ۔

اسی طرح دین اسلام کی حفاظت اور بقاء کے لئے دینی کاموں کو مختلف شعبوں میں تقسیم کرنا لازمی ہے ۔ کوئی شعبہ تعلیم و تدریس کا ہے تو کوئی افتاء و تخریج مسائل اور تمرین افتاء کا ، کوئی شعبہ اصلاح و تلقین کا ہے تو کوئی عوام میں وعظ و تبلیغ کا ، کوئی شعبہ مسلح جہاد کا ہے تو کوئی قلمی جہاد کا ، تصنیف و تالیف کے ذریعہ تبلیغ اور دین سے دفاع ۔ پھر ان میں سے ہر ایک شعبے میں بھی مختلف شعبے ہوتے ہیں ۔

جس طرح دنیا کے مختلف شعبوں کو ختم کر کے صرف ایک شعبہ باقی رکھنے کا مشورہ دینا مثلاً :

"صرف صنعت و تجارت" کا شعبہ رکھا جائے اور دوسرے تمام شعبوں کو ختم کر کے ان میں کام کرنے والے لوگوں کو بھی سب کو اسی شعبہ میں لگایا جائے"

خلاف عقل اور جہالت ہے ،

اسی طرح دین اسلام کے مختلف شعبوں کو ختم کر کے صرف ایک شعبہ باقی رکھنے کا مشورہ دینا مثلاً :

"صرف عوام میں "وعظ و تبلیغ" کا شعبہ رکھا جائے اور دوسرے تمام شعبوں کو ختم کرکے ان میں کام کرنے والے سب لوگوں کو بھی عوام میں "وعظ و تبلیغ" کے کام میں لگا دیا جائے" یہ سراسر جہالت اور دین سے ناواقفیت کے علاوہ خلاف عقل بھی ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب تبلیغ ہی کے شعبے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ یہ عوام میں تبلیغ کا شعبہ ہے اور دوسرے شعبے خواص میں تبلیغ کے ہیں، یہ خواص میں تبلیغ کے شعبے تدریس، تصنیف، افتاء اور اصلاح باطن چند وجوہ کی بناء پر عوامی تبلیغ سے بہت زیادہ اہم ہیں، اس کی وجوہ یہ ہیں:

(۱) ان ذرائع تبلیغ سے دین کی بنیادی خدمات انجام دی جاتی ہیں، مثلاً:
قرآن و حدیث کے صحیح مفہوم کی تعیین و تشریح،
اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ قوانین و احکام کی توضیح و تحدید،
دشمنان اسلام کی طرف سے اسلام کے خلاف اٹھنے والے نظریاتی فتنوں سے اسلام کے حصار کی حفاظت و استحکام۔

(۲) ان میں ان لوگوں کو تبلیغ کی جاتی ہے جو دور دور سے طلب لے کر آتے ہیں، میں ان شاء اللہ تعالیٰ اسی بیان میں تفصیل سے بتاؤں گا کہ طالبین کو دوسروں پر مقدم رکھنا ضروری ہے، انہیں چھوڑ کر دوسروں کی طرف توجہ کرنا اور ان پر محنت کرنا جائز نہیں۔

(۳) ان طالبین میں دین کی بنیادی خدمات انجام دینے کی صلاحیت و استعداد ہوتی ہے۔ ان بنیادی خدمات کی تفصیل و اہمیت پہلی وجہ کے بیان میں بتا چکا ہوں۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن علماء کو اسلام کی ایسی اہم اور ضروری بنیادی تبلیغ کی خدمات انجام دینے کی صلاحیت عطاء فرمائی ہو ان کے لئے عوامی تبلیغ میں نکلنا ہرگز جائز نہیں، اسی طرح ان طلبہ کے لئے بھی جائز نہیں جن میں ایسی استعداد پیدا ہونے کی توقع ہو، البتہ جن سے ایسی توقع نہ ہو انہیں عوامی تبلیغ میں نکلنا ضروری ہے، مدارس میں بیکار پڑے رہنا اور وقت ضائع کرنا جائز نہیں۔

یہ ذمہ داری مدارس کے مہتمم حضرات پر عائد ہوتی ہے ان پر فرض ہے کہ ایسے بیکار طلبہ کو مدارس میں بھرتی کرنے کی بجائے انہیں عوامی تبلیغ یا جہاد میں بھیجیں

دینی کام کرنیوالوں کو در پیش خطرات :

دین کے ان مختلف شعبوں میں اخلاص کے ساتھ دین کی حفاظت اور بقاء کے لئے محنت اور کوشش کرتے رہنا بہت بڑے ثواب کا کام ہے، لیکن دین کے کام کرنے والوں کو خصوصاً نفس و شیطان کی طرف سے ایسے خطرات اور حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اگر ان خطروں اور حملوں سے حفاظت کا اہتمام نہ کیا جائے تو ان کاموں سے اخلاص نکل جاتا ہے، پھر یہ دینی خدمات اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کا سامان بننے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور جہنم کا سامان بننے لگتی ہیں۔

اتنی بات تو ظاہر ہے کہ اگر کسی عبادت اور دینی خدمت میں اخلاص نہ ہو تو اس پر کتنا وبال پڑتا ہے، لیکن کوئی عبادت اور دینی خدمت کرتے وقت یہ معلوم کرنا کہ دل میں اخلاص ہے یا نہیں ؟ بہت مشکل ہے، بظاہر تو اخلاص ہی نظر آئے گا اور ہر شخص اخلاص ہی کا دعویٰ بھی کریگا لیکن جب تک اخلاص کی تمام ظاہری و باطنی علامات اور معیار نہ پائے جائیں اخلاص کا فیصلہ کرلینا صحیح نہیں،

حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک کسی اہل دل کے ساتھ باضابطہ اصلاحی تعلق قائم نہیں کیا جاتا اس وقت تک اپنے قلب میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کرنا تو درکنار اخلاص کے فقدان کا احساس تک بھی نہیں ہوتا، اس لئے اس دولت کو حاصل کرنے کی فکر اور اس کی طرف توجہ اور رغبت ہی نہیں ہوتی، اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝ (۲۵-۵۹)

”رحمٰن کا راستہ کسی باخبر سے پوچھو“

اس لئے کسی مصلح کامل اور معالج باطن کے ساتھ باضابطہ اصلاحی تعلق قائم کریں، شیخ کامل کی علامات بہشتی زیور کے ساتویں حصہ میں دیکھیں، اخلاص پیدا کرنے کا اصل طریقہ تو یہی ہے، اس وقت اخلاص کی علامات بیان کرنا مقصود ہے۔

تبلیغ کی شرعی حیثیت : بعدد ۲۲

علامات اخلاص

اخلاص کی چند بڑی بڑی علامات بیان کر دیتا ہوں، ہر قسم کی عبادات خصوصاً دینی خدمات کرنے کے مواقع میں ان علامات کو پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے، اگر آپ کی عبادات و خدمات اس معیار کے مطابق ہیں تو قبول ہیں ورنہ نہیں۔ تو ثواب کی بجائے موجب عذاب ہیں۔

اخلاص و قبول کی پہلی علامت

فکر استدراج:

انسان جو بھی عبادت یا دینی خدمت انجام دیتا ہے اس کی تین حالتیں ہوتی ہیں:

(۱) اس کی عبادت و خدمت اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوتی ہے اور اس کا اثر دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) اس کی عبادت و خدمت اخلاص نہ ہونے یا کسی اور نالائقی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں ہوتی اور دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی یہ خبر ملتی ہے کہ اس عبادت و خدمت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

(۳) دنیا میں تو محروم نہیں کیا جاتا بلکہ دنیا میں خوب ترقی ہونے لگتی ہے، عبادت میں خوب شوق اور محبت پیدا ہونے لگتی ہے اور دینی خدمات کا خوب خوب ثمرہ ظاہر ہونے لگتا ہے لیکن اس کے نامۂ اعمال میں بجائے حسنات اور نیکیوں کے سیئات اور گناہ لکھے جا رہے ہوتے ہیں۔

یہ تیسری حالت استدراج کہلاتی ہے۔ اگر کسی شخص کو اپنی عبادات اور دینی خدمات میں ترقی دیکھ کر اپنے مستدرج ہونے کا خیال آتا ہے اور فکر و خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں میری یہ حالت استدراج تو نہیں، تو یہ اخلاص و مقبولیت کی علامت ہے۔

اور جو انسان کبھی اس طرف توجہ نہیں دیتا بلکہ اپنے کمال ہی میں مگن رہتا ہے تو یہ اس کی علامت ہے کہ اس کے اندر اخلاص نہیں، اس کی عبادات اور دینی خدمات اللہ تعالیٰ

کے یہاں مقبول نہیں ہیں۔

جن لوگوں میں اخلاص ہوتا ہے وہ دینی خدمات انجام دینے میں لذتِ نفس سے پاک ہوتے ہیں۔

بندگانِ نفس دین کا تھوڑا سا کام کر لینے کے بعد سمجھتے ہیں کہ ہم نے دین کی بہت زیادہ خدمت کر لی، بہت سے لوگ جو بیرونی ممالک تبلیغی دورے میں جاتے رہتے ہیں وہ مجھے بھی خطوط بھیجتے رہتے ہیں، ان میں وہ اپنی فتوحات بڑے فخر سے لکھتے ہیں کہ ہم نے یہ کارنامہ انجام دیا اور وہ انجام دیا، بس اپنے کارنامے ہی لکھتے رہتے ہیں، ان کیلئے دل سے دعا ہی نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اخلاص عطاء فرمائیں، اپنی مرضی کے مطابق کام لے لیں اور اپنی رحمت سے قبول فرمالیں۔

دوسروں کی ہمت افزائی اور انھیں ترغیب دینے کے لئے کبھی ایسے حالات کا ذکر کرنا بھی پڑتا ہے مگر یہ نہیں کہ ہر وقت اپنے کمالات ہی گنتے گناتے رہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر ایسے حالات صرف بقدرِ ضرورت ہی بتانے پر اکتفا کرنا چاہئے اور عین بتانے وقت بھی نفس و شیطان کے فریب سے ہوشیار رہنا لازم ہے، اللہ کی عنایت سے نظر ذرا سی ہٹ کر اپنے کمال پر گئی اور سیدھے جہنم میں، اتنی محنتیں اور مشقتیں بھی برداشت کیں اور بنایا جہنم کا سامان، اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔

پھر اگر ایسے شخص کی کوئی ذرا سی تعریف بھی کر دے پھر تو سبحان اللہ! کیا کہنا، احمق سمجھنے لگتا ہے:

"میں واقعۃً ایسا ہی ہوں۔"

لوگوں کی واہ واہ انسان کو تباہ کر دیتی ہے، اپنے ناگفتہ بہ حالات کا خوب علم بھی ہے اس کے باوجود جب کوئی تعریف کرتا ہے تو نفس و شیطان کے فریب میں آکر خود کو کچھ سمجھنے لگتا ہے۔

ایک شخص نے اپنا گھوڑا بیچنے کو دلال سے کہا، دلال نے خریدار کے سامنے گھوڑے کی تعریف شروع کی، تو مالک کہنے لگا:

"یہ گھوڑا ایسا اچھا ہے تو رہنے دیجئے، میں نہیں بیچوں گا۔"

ایک شاعر اپنے مہمان کے گھر گئی، اس کی بیوی نے حد: سونے کے لئے

اُتر رہی ہوئی تھی۔ نائن سمجھی کہ یہ بیوہ ہو گئی ہے، جا کر نائی کو بتایا، حجام کہیں دور دراز شہر گیا ہوا تھا، نائی وہاں پہنچا، حجام کو خبر دی:

"آپ کی بیوی بیوہ ہو گئی ہے۔"

وہ رونے لگا، لوگوں نے وجہ دریافت کی تو کہنے لگا:

"میری بیوی بیوہ ہو گئی ہے۔"

لوگ آ آ کر تعزیت کرنے لگے، کسی عقلمند کا ادھر گزر ہوا، سن کر کہا:

"آپ زندہ بیٹھے ہیں تو آپ کی بیوی کیسے بیوہ ہو گئی؟ یہ بات عقل میں تو نہیں آ رہی۔"

حجام نے جواب دیا:

"عقل میں تو میری بھی نہیں آ رہی، مگر ہمارا نائی بہت معتبر ہے، کبھی غلط بات نہیں کہہ سکتا۔"

سو احمق شخص کا حال یہی ہوتا ہے، اپنی حالت بخوبی جانتا ہے، پھر بھی تعریف کرنے والوں کی باتوں پر اعتماد کر کے خود کو باکمال سمجھنے لگتا ہے۔

گر گدھے کے کان میں کہہ دو کہ عاشق تجھ پہ ہوں
ہے یقیں کامل کہ وہ بھی گھاس کھانا چھوڑ دے

اللہ تعالیٰ عقل عطاء فرمائیں۔

الغرض جس شخص سے اللہ تعالیٰ دین کا بہت زیادہ کام لے رہے ہوں، لوگوں کو اس سے بہت زیادہ دینی نفع پہنچ رہا ہو اور دین حاصل کرنے کے لئے لوگوں کا اس کی طرف بہت زیادہ رجوع ہو رہا ہو، ایسی حالت میں اسے غافل نہیں ہونا چاہئے، بلکہ ہر وقت ہوشیار رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ توقع سے بہت زیادہ جو یہ دین کا کام لے رہے ہیں کہیں یہ استدراج تو نہیں، ایسا تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ خدمت مقبول نہ ہو مگر ڈھیل دے دی ہو، یہ سوچتے رہنا چاہئے، ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے اور استغفار و دعاء قبول کرتے رہنا چاہئے۔

ایک سبق آموز واقعہ:

ایسے موقع پر ایک شخص کا واقعہ سوچتے رہنے سے بہت فائدہ ہوتا ہے، مجھے تو سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی، از خود ہی یہ واقعہ میرے ذہن میں آتا رہتا ہے،

ایک شخص بہت مکار تھا۔ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے بزرگوں کی صورت اختیار کرکے بیٹھ گیا۔

آجکل تو لوگوں کو دھوکہ دینا بہت آسان ہے اسلئے کہ الوؤں اور گدھوں کی کثرت ہے، اندر کچھ بھی نہ ہو بس کوئی صورت بنا کر کہیں بیٹھ جائے، دیکھئے لوگ کیسے پھنستے ہیں، اس زمانے میں یہ فریب دینا بہت آسان ہے۔ پہلے زمانے میں لوگ ہشیار رہتے تھے، دین کی فہم تھی، لوگ جلدی دھوکے میں نہیں آتے تھے اس لئے اس زمانے میں لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے مکار کو بھی اس فن کی اصطلاحات اور پیچیدہ مسائل کا علم حاصل کرنا پڑتا تھا،

وہ شخص فن تصوف حاصل کرکے شیخ بن کر بیٹھ گیا اور لوگوں کو اوراد، اذکار، اشغال اور مراقبات وغیرہ تلقین کرنے لگا۔ لوگوں کا بہت زیادہ رجوع ہونے لگا اور بہت سے لوگ تائب ہو کر اولیاء اللہ بن گئے۔

ایک دن ان اولیاء اللہ کو خیال آیا کہ چلیں آج مکاشفہ میں اپنے حضرت کا مقام دیکھتے ہیں، سب مل کر متوجہ ہوئے مگر حضرت کا کہیں بھی کوئی مقام نظر نہ آیا، بہت حیران ہوئے اور سوچا کہ خود حضرت ہی سے ان کا مقام پوچھتے ہیں، حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم سب نے ملکر حضرت کے مقام کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر کہیں بھی آپ کا مقام نظر نہیں آیا، آپ خود ہی ہمیں اپنا مقام بتا دیں۔

اس کا جواب تو بہت ہی آسان تھا یوں کہہ سکتے تھے:

”تم تو ابھی ابھی پیدا ہوئے اور میرا مقام تلاش کرنے لگ گئے۔ میرا مقام تو بہت بلند ہے، بیسیوں سال تم مجاہدہ کرتے رہو پھر کہیں جا کر میرے مقام کا شاید کچھ پتہ چلے، کس کام میں لگ گئے چلو اپنا کام کرو۔“

مگر اہل اللہ کی صورت بنانے اور ذکر اللہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ صاف کہہ دیا:

”سچی بات یہ ہے کہ میرے اندر کچھ بھی نہیں۔ مکار ہوں، مال و جاہ کی ہوس سے اولیاء اللہ کا روپ دھار رکھا ہے۔“

ان اولیاء اللہ کی دانشمندی دیکھئے کہ جب انہیں حقیقت کا پتہ چلا تو یہ نہیں سوچا کہ ارے کہاں پھنسے رہے چلو بھاگو یہاں سے، اس کی مار پٹائی کرتے، لوگوں

کے سامنے اسے ذلیل کرتے اس کی تذلیل و تحقیر کی بجائے کہنے لگے: "چلو سب مل کر دعاء کرتے ہیں کہ یا اللہ! ان کا ہم پر بہت احسان ہے ان کے بتائے ہوئے نسخوں سے ہمارے گناہ چھوٹے، تیری محبت اور تعلق نصیب ہوا، یا اللہ! انھیں بھی اولیاء اللہ کی فہرست میں داخل فرما!"

ان لوگوں کی دعاء قبول ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی ولی اللہ بنادیا، اور اپنے تعلق قرب اور محبت سے نوازا۔

ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی دستگیری کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ انھوں نے اللہ والوں کی، اللہ کے محبوب بندوں کی صورت اختیار کی ہوئی تھی، اگرچہ دنیا حاصل کرنے کے لئے یہ صورت بنائی تھی مگر اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل ایسا پسند آیا کہ انھیں بھی اپنے محبوب و مقرب بندوں کی فہرست میں داخل فرمالیا، دنیا حاصل کرنے کے لئے اولیاء اللہ کی نقل اتارنے والے کو جب اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنالیتے ہیں اور اسکے ساتھ ان کی دستگیری ہوتی ہے تو جو کوئی خالص اللہ کے لئے اہل اللہ کی نقل اتاریگا اور ان کی شکل وصورت اختیار کرے گا، کیا اللہ تعالیٰ اسے محروم چھوڑ دیں گے، اپنا محبوب نہیں بنائیں گے اور اسکے ساتھ اللہ تعالیٰ کی دستگیری نہیں ہوگی؟

الغرض جب کبھی کوئی اطلاع یا خط ایسا آتا ہے جس میں اس بات کا ذکر ہوتا ہے کہ سارے گناہ چھوٹ گئے اور تمام گناہوں سے دل میں نفرت پیدا ہوگئی تو اسی وقت اس واقعے کی طرف از خود ذہن چلا جاتا ہے سوچتا ہوں:

"کہیں اس مکار جیسا معاملہ تو نہیں ہو رہا کہ دوسروں کی حالت تو سدھرتی جائے اور اپنی حالت ناگفتہ بہ ہو؟"

ساتھ ساتھ یہ دعاء بھی ہوجاتی ہے۔ رَبِّ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ "اے میرے رب! مجھے روز حشر رسوا نہ کیجئے۔"

اس قصہ کو سوچنے سے بہت نفع ہوتا ہے، انسان کو اپنی حالت کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیئے۔

آخرت کی رسوائی دنیا کی رسوائی سے بڑی ہے:

روز حشر میں رسوائی کا کیا مطلب؟ ان لوگوں کے لئے جن سے اللہ تعالیٰ دین کا کوئی

کام لے رہے ہوں، جو لوگ دوسروں کے مقتدا ہوں، لوگ ان کے معتقد ہوں، ہاتھ
چومتے ہوں، بہت بڑا ولی اللہ سمجھتے ہوں، ان لوگوں کیلئے روزِ حشر میں رسوائی یہ ہے کہ
ان کے معتقدین اور مریدین تو جا رہے ہوں جنت میں اور انہیں کھینچا جا رہا ہو جہنم میں،
کتنی بڑی رسوائی ہے؟ جہنم میں جانے کی رسوائی کے علاوہ یہ رسوائی الگ کہ جو لوگ
دنیا میں ان کے مرید تھے دُور دُور سے ہدایت کے لئے ان کے پاس آیا کرتے تھے مسائل
اور دین سیکھتے تھے، خط وکتابت کے ذریعہ بھی استفادہ کا سلسلہ رکھتے تھے، وہ تو
جا رہے ہوں جنت میں اور یہ پیر صاحب جہنم میں الٹے لٹکے ہوئے ہوں، احسن
دعا کے وقت اس حالت کو سوچتے رہنا چاہیے۔

میں جب اس صورت حال کو سوچتا ہوں تو وہ مثال سامنے آجاتی ہے جیسے مولانا
رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مثنوی میں ذکر فرمایا ہے۔

"پہلے زمانے میں طوطے کو شکار کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ کسی نلکی کو دھاگے وغیرہ میں
پرو کر کسی درخت سے لٹکا دیتے تھے، طوطا جب اس پر آکر بیٹھتا تو وہ نلکی گھوم جاتی
اور وہ طوطا الٹا ہو جاتا، سر نیچے پاؤں اوپر، شکاری اسے غفلت میں پاکر پکڑ لیتا۔"
یہ صورت سامنے آجاتی ہے کہ اگر خدا نخواستہ ہماری یہ عبادت قبول نہیں، اخلاص
نہیں، ریاء ونمود ہے تو قیامت کے دن کیا حال ہوگا، مریدین اور معتقدین دیکھ رہے
ہونگے کہ یہ پیر صاحب تو الٹے لٹکے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کے حالات
پر رحم فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے اور اپنے اعمال کا محاسبہ
کرتے رہنا چاہیے

اپنے نیک اعمال پر ناز کرنیوالوں کی مثال:

حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں:

ایک مرتبہ ایک چور کسی کے گھر میں رات کے وقت گھس گیا، مالک کی آنکھ کھل
گئی، اس نے چقماق جلا کر دیکھنے کی کوشش کی،

پہلے زمانے میں روشنی کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ چقماق سے روئی میں آگ لگاتے تھے،
چقماق سے جو چنگاری اٹھتی تو روئی میں آگ لگ جاتی اور روشنی پیدا ہوتی۔

مالک نے اس طرح روشنی پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن چور اسکے سرہانے بیٹھ گیا جو

چنگاری چقماق سے نکل کر روئی پر گرتی اسے فوراً ہاتھ سے مسل دیتا جس کی وجہ سے روئی میں آگ نہ لگی، مالک پر نیند کا غلبہ تھا ہی، جب ایک دو بار کی کوشش سے روشنی نہ ہوئی تو چھوڑ کر دوبارہ سو گیا، چور اس ہوشیاری اور مکاری سے پورے گھر کا صفایا کر گیا،

حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال ان لوگوں کے لئے بیان فرمائی ہے جو یہ سمجھتے ہیں :

"ہمارے پاس دینی نعمتیں بہت زیادہ ہیں، سارے گناہ بھی چھوٹ گئے، عبادات بھی بہت ہیں اور متعدی خدمات بھی بہت ہو رہی ہیں، جنت کا مکمل سامان ہو چکا ہے، کوٹھیاں بھری پڑی ہیں"

اپنے خیال میں بہت خوش ہو رہے ہیں لیکن خدانخواستہ کوئی چور چھپ چھپ کر سارے مال کا صفایا کر گیا ہو اور آپ کو خبر بھی نہ ہو تو آخرت میں کیا بنے گا ؟

اعمال صالحہ کے چور :

وہ چور کون ہیں ؟ نفس اور شیطان، جب بھی ان کی طرف سے دل میں یہ خیال آنے لگے کہ ہم بڑے متقی، پرہیزگار اور کامل ہیں تو ایک دم سارا کیا کرایا ضائع گیا، اللہ تعالیٰ کی دستگیری سے نظر ہٹ کر اپنے اوپر نظر گئی تو بجائے جنت کے سامان کے جہنم کا سامان بن گیا، ساری عمر گناہ چھوڑنے کی مشقت بھی برداشت کی، عبادات میں وقت صرف کیا لیکن پھر بھی جنت ہاتھ نہ آئی، اس کی بجائے جہنم کی دہکتی ہوئی آگ، کتنی بڑی محرومی کی بات ہے ؟

نیک اعمال پر فخر کرنیوالوں کی دوسری مثال :

دوسری مثال حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی کہ ایک شخص نے بہت سا اناج اپنی کوٹھیوں میں بھر کر رکھ دیا کہ جب اناج کی قلت ہو گی تو نکال لیں گے، اپنے خیال ہی میں بہت خوش ہو رہا ہے کہ میرے پاس تو کوٹھیاں بھری پڑی ہیں، لیکن جب اناج کی ضرورت پیش آئی کوٹھیوں کو کھولا تو ایک دانہ بھی نظر نہ آیا، سارا اناج چوہے نکال کر لیجا چکے تھے۔ ایسے موقع پر وہ شخص کتنا پریشان ہو گا۔

یہ مثال بھی حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے بیان فرمائی ہے جو

یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس تو جنت کے سامان کے انبار لگے ہوئے ہیں، کوٹھیاں بھری پڑی ہیں، نیز عبادات بھی بہت ہیں اور دوسروں تک دین پہنچانے کی خدمات بھی بہت، دین کی بہت زیادہ خدمت ہو رہی ہے، اپنے طور پر بھی لگتا ہو تو پہلو تہی ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی گناہوں سے روک رہے ہیں، اپنے خیال میں بہت ہی خوش ہو رہے ہیں کہ ہم تو اب بالکل جنت کے مستحق بن گئے، ہمارے پاس تو خزانوں کے خزانے ہیں۔

لیکن جب خزانہ کھولنے کا وقت آیا کب؟ کل قیامت کے روز خزانہ کھولنے کا وقت آئے گا، جب تمام اعمال پیش کئے جائیں گے، حساب و کتاب کا وقت سامنے آئے گا، اس روز اگر خدانخواستہ اپنے خزانہ میں سے ایک دانہ کے برابر بھی کچھ نہ نکلا اور نفس و شیطان کے چوہوں نے تمام خزانوں کا صفایا کر دیا ہو تو کیا بنے گا؟ کتنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا!

نفس و شیطان کے چوہے خزانوں پر کس طرح حملہ کرتے ہیں؟ دل میں جہاں یہ خیال آیا کہ سب کچھ میرا کمال ہے اور میرے اختیار میں ہے اللہ تعالیٰ کی دستگیری سے نظر ہٹی اور اپنے کمال پر نظر گئی تو نفس و شیطان کے چوہوں نے تمام خزانوں کا صفایا کر دیا۔

مولانا شبیر علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ:

مولانا شبیر علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک قصہ بیان فرمایا کہ انھوں نے اپنی زمین کی پیداوار کی شکر کو مٹکے میں بھر کر بند کر دیا تاکہ جب شکر کی قلت ہوگی تو نکال کر استعمال کریں گے، لیکن جب نکالنے کا وقت آیا، مٹکا کھولا تو یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے کہ شکر کا نام و نشان تک نہیں بلکہ تلے میں سیاہ سی نظر آرہی ہے۔ غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ چیونٹے ہیں، ان چیونٹوں نے تمام شکر کا صفایا کر دیا تھا۔

اسی طرح جو شخص اپنے نیک اعمال پر خوش ہو رہا ہو کہ میرے پاس تو جنت کے خزانے بھرے پڑے ہیں اور کل قیامت کے روز حساب و کتاب کا وقت آئے تو کچھ بھی نہ ہو تو کتنی بڑی رسوائی ہوگی؟ ڈرتے رہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ

کے عذاب سے پناہ مانگتے رہنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں خیانت:

جو شخص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنا کمال سمجھتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بادشاہ نے کسی بھنگی چمار کو اپنے خزانے کا خازن بنا دیا ہو اور وہ اس خزانے کو اپنا سمجھنے لگے تو ایسے شخص کو بادشاہ موت کی سزا دیگا کہ اس نے تو اسے امین سمجھ کر خازن بنایا تھا اور اس بھنگی پر اتنا بڑا احسان کیا مگر یہ ایسا نالائق اور اتنا بڑا خائن نکلا کہ اسے اپنا سمجھ رہا ہے۔

اگر بادشاہ ایسے نالائق اور خائن کو موت کی سزا نہ دے تو کم سے کم معطل تو کر ہی دیگا۔

اس مثال کو سامنے رکھ کر یوں سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی دنیا میں جو نعمتیں عطاء فرمائی ہیں خواہ وہ دنیوی نعمتیں ہوں یا دینی، پھر دینی نعمتوں میں سے علمی نعمتیں ہوں یا عملی، اپنی ذات میں ہوں یا دوسروں تک علم و عمل پہنچانے کی نعمت ہو، دوسروں کو عامل اور نیک بنانے کی کوشش ہو، ان تمام نعمتوں کے بارے میں اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ سب میرا کمال ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں خیانت ہے، یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہیں، دنیا میں جس سے اللہ تعالیٰ کوئی کام لے رہے ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا خازن ہے خزانہ اللہ تعالیٰ کا ہے، اس کی معرفت دوسروں میں تقسیم کروا رہے ہیں، بادشاہ کے خزانہ میں جو کوئی خیانت کریگا، انہیں اپنا سمجھے گا تو یہ تو ممکن ہے کہ دنیا کے کسی بادشاہ کو پتہ نہ چلے کہ اس کا خازن خزانہ پر اپنا دعویٰ کر رہا ہے یا چھپ چھپ کر چوری کر رہا ہے یا ان خزانوں کو غصب کر لے اور بادشاہ کو مروا ڈالے مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی نقص نہیں، ان کی قدرت میں کوئی نقص نہیں، انہیں تو دلوں کے حالات کا بھی علم ہے، اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ سب میرا کمال ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت سے خارج نہیں، اس کا وبال اس پر یہ پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ اسے معطل کر دیں گے اور تمام نعمتوں سے اسے محروم کر دیں گے کہ اس نالائق کو تو بنایا تھا اپنے خزانے کا خازن اور یہ اسے اپنا سمجھ رہا ہے،

کتنا بڑا خائن ہے؟ پھر دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور آخرت میں بھی۔

جن دعاؤں کا میرا معمول ہے ان میں ان تینوں مثالوں کی مناسبت سے بھی ایک دعا ہے۔

"یا اللّٰہ! چوہے، چور اور امانت میں خیانت سے حفاظت فرما، ہر وقت تیری طرف ہی توجہ رہے اور تیری دستگیری پر نظر رہے"

اخلاص و قبول کی دوسری علامت کثرت دعا و استغفار:

انفرادی عبادات اور دینی خدمات کے قبول ہونے کی دوسری علامت یہ ہے کہ ہمیشہ دعاء:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

کا معمول رہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ نیکی کی توفیق ہو جانا اور گناہوں کا چھوٹ جانا اپنی ذات میں ہو یا دوسروں میں نیکی کی تلقین اور گناہ چھڑانے کی کوشش کرنا اور اس کوشش میں کامیابی حاصل ہونا، لوگوں کا نیکی کی طرف آنا، گناہوں کا چھوڑنا یا اللہ! یہ سب تیری دستگیری سے ہے، دوسروں سے گناہ چھڑانا تو دور کی بات خود کو گناہوں سے محفوظ رکھنا بلکہ ان سے بچنے کا دل میں خیال آجانا، آخرت کی فکر کا پیدا ہو جانا تیری دستگیری نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ كَنْزٌ مِّنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ۔ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ جنت کے خزانوں میں سے ایک بہت بڑا خزانہ ہے۔" تین سیکنڈ میں یہ جملہ ادا ہو جاتا ہے۔ اتنے مختصر جملہ میں اتنا بڑا خزانہ کیوں ملتا ہے؟ اس لئے کہ اس سے نفس و شیطان پر آرے چلتے ہیں، نفس و شیطان جو تمام نیکیوں کو برباد کرنے والے ہیں اول تو ویسے ہی نیکی کی طرف آنے نہیں دیتے، ہر وقت گناہوں میں مست رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر کوئی گناہوں سے بچ گیا اور نیکی کی طرف مائل ہوا تو اب اس کی نیکیوں کو برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے دل میں کبر و عجب کے خیالات ڈالیں گے کہ ہم تو بڑے نیک ہیں، بہت پارسا ہیں۔

الغرض سوچتے رہنا چاہیے کہ نیکی کی توفیق اور دوسروں کو تبلیغ کی توفیق، پھر

اس تبلیغ میں اثر کا پیدا ہونا، لوگوں کا دیندار بننا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے
ہو رہا ہے، وہ چاہیں گے تو ہماری تبلیغ میں اثر ہوگا، نہیں چاہیں گے تو نہیں ہوگا۔
لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لاحول ولا قوۃ الا باللہ سے جو مقصد ہے اور
کی حقیقت پرکھنے کا تھرما میٹر اس میں جس بات کی تعلیم دی گئی ہے اگر دیکھا جائے
تو لاکھوں انسانوں میں شاید ہی کسی پر اس تعلیم کا اثر ہوا ہو۔ یوں تو دنیا کے تمام
انسانوں، مسلمان، کافر سب کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں اس کے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں
مالی اور جسمانی نعمتیں ہوں یا اپنے اپنے عقیدے کے مطابق دینی نعمتیں، سب کچھ
اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ بڑے سے بڑے متکبر اور پندار والے سے بھی اگر پوچھا جائے:
"تمہارا یہ منصب، مال، صحت اولاد وغیرہ کس کی طرف سے ہیں؟" تو وہ بھی یہی کہیگا:
"سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔"
البتہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کا منکر ہو تو وہ یہ کہے گا کہ یہ سب میرا کمایا ہوا ہے،
جیسے قارون اللہ تعالیٰ کا منکر تھا، اس نے کہدیا تھا کہ یہ مال و دولت سب کچھ میرا
کمایا ہوا ہے کوئی دوسرا دینے والا نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے مال و دولت کے
ساتھ اسے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ قارون نے تو زبان سے کہا تھا کہ یہ سب کچھ میرا ہے،
اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ دین کی یہ تمام نعمتیں میرا ہی کمال ہے تو
قارون سے مشابہت تو ہو ہی گئی، اصل مرض تو دل کا ہے، قارون کی زبان سے
بھی ظاہر ہو گیا، ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں اسی جیسا حشر نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اس
سے تمام نعمتیں سلب کرلیں۔
غرضیکہ عقیدہ تو مسلم کافر سب کا یہی ہے کہ جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے،
سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، زبان سے بھی سب یہی کہتے ہیں مگر لاحول
ولا قوۃ الا باللہ کی حقیقت بھی کسی کے دل میں ہے یا نہیں، اسے معلوم کرنے کا
ایک تھرما میٹر ہے، ایک کسوٹی اور معیار ہے:
وہ کسی کے متوجہ کیے بغیر دل میں بار بار یہ خیال آتا رہے کہ میرے پاس دین کی جتنی
بھی نعمتیں ہیں ان میں سے خدانخواستہ میری کوئی بات یا عمل اللہ تعالیٰ کو ناپسند
ہو، یا اپنے کمال پر نظر چلی جائے پھر اس کا وبال یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ وہ تمام نعمتیں

مجھ سے سلب کر لیں، یہ خیال ہر وقت دل و دماغ پر مسلط رہے بخصوصاً جب کسی نیک عمل کی توفیق ہو جائے، برائی سے بچنے کی توفیق ہو جائے، دوسروں کو تبلیغ کی توفیق ہو جائے اور اس تبلیغ پر اثر بھی مرتب ہو رہا ہو۔"

اگر کسی کے دل کی حالت و کیفیت اس تھرمامیٹر کے مطابق ہے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی حقیقت دل میں اتر گئی ہے، اگر نہیں تو دل کو اس کے مطابق بنانے کی کوشش کرنا چاہئے، ساتھ ساتھ دل کو عجب و کبر سے بچانے کے لئے یہ دعا بھی کرتے رہنا چاہئے:

يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ أَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ وَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ۔

"اے وہ ذات جو زندہ ہے اور دوسروں کو قائم رکھنے والی ہے، بھٹکنے اور گرنے والوں کو سنبھالنے والی ہے، تیری بارگاہ میں درخواست پیش کرتا ہوں کہ میرے تمام حالات کی اصلاح فرما (عقیدہ بھی صحیح ہو، عمل بھی صحیح ہو اور کبھی دل میں یہ خیال بھی نہ آنے پائے کہ اس میں میرا کوئی کمال ہے) اور آنکھ جھپکنے کی دیر کے لئے بھی مجھے میرے نفس کے حوالہ نہ کر۔"

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ۔

"نفس برائی کا بہت زیادہ حکم دینے والا ہے، مگر وہ جس پر اللہ رحم کرے۔"

اگر اللہ تعالیٰ کی دستگیری شامل حال نہ ہو تو نفس و شیطان انسان کو تباہ و برباد کر دے۔

کبھی وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ کی دعا ہو،

کبھی اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ عَلٰى طَاعَتِكَ کی دعا ہوتی ہے۔

کبھی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کی دعا ہو،

بس ہر وقت دھڑکا رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مالک کی دستگیری سے نظر ہٹی اور اپنے کمال پر نظر گئی تو اللہ تعالیٰ تمام نعمتیں سلب نہ فرما لیں۔

ایمان کی علامت:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا خَافَهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا أَمِنَهُ إِلَّا مُنَافِقٌ (بخاری) اللہ تعالیٰ سے صرف مؤمن ہی ڈرتا ہے یعنی اسے ہر وقت یہ خطرہ لگا

رہتا ہے کہ میرا یہ علم و عمل اور یہ کمالات سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں، ذرا سی ان کی نظر کرم ہٹی اور تباہ و برباد ہوئے۔

اور منافق کے دل میں کبھی یہ خطرہ نہیں آتا، وہ ہمیشہ مطمئن رہتا ہے۔

اپنا جائزہ لیں کہ اگر دل مطمئن رہتا ہے اور کبھی خطرہ نہیں آتا، ہر وقت یہ خوشی رہتی ہے کہ ہم اتنے نیک بن گئے، دوسروں کو بھی تبلیغ کر رہے ہیں، اتنے لوگوں کو دیندار بنادیا، ہمارا یہ کمال اور وہ کمال، بس اسی میں ہر وقت مست ہیں تو یہ علامت نفاق ہے، ڈرنا چاہیے۔

ڈرتا بھی رہے اور امید بھی رکھے، خوش بھی رہے، خوشی کس پر؟ اس پر نہیں کہ میں کام کر رہا ہوں بلکہ اس پر کہ میرا مالک مجھ سے کام لے رہا ہے لیکن صرف زبان اور عقیدہ سے تک یہ خیال کافی نہیں، بلکہ یہ خیال دل میں اتر جائے، دل اس سے رنگ جائے، بار بار یہی خیال آتا رہے کہ میرا مالک مجھ سے کام لے رہا ہے۔

جب اس خیال سے خوشی ہوگی تو لازماً ساتھ ساتھ خوف بھی ہوگا کہ جو مالک مجھ سے کام لے رہا ہے کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے۔ جیسے کوئی شخص سرکاری عہدہ پر ہو تو خوشی بھی ہوگی کہ حکومت کا آدمی ہوں اور خوف بھی کہ کہیں حکومت کو میری کوئی بات ناپسند ہونے کی وجہ سے میں نکال دیا جاؤں، غرضیکہ خوشی بھی ہو اور خوف بھی، دونوں چیزیں ساتھ ساتھ رہیں ؎

غافل مرو کہ مرکب مردانِ مرد را | در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندانِ بادہ نوش | ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

"غافل مت چلو، اس لئے کہ کئی مشہور شہسوار رستے ہی میں رہ گئے ہیں اور ناامید بھی نہ ہو، اس لئے کہ کئی شراب خور رند اچانک ہی منزلِ مقصود کو پہنچ گئے ہیں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ

اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:

وَلَئِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ۝ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا

(۱۷: ۸۶، ۸۷)

اگر ہم چاہیں تو آپ کے تمام علوم ختم کردیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم پوری دنیا

کے علوم سے زیادہ ہے، اسکے باوجود تنبیہ کی جارہی ہے کہ یہ سب کچھ میرے ہی قبضۂ قدرت میں ہے جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے یہ میری رحمت ہے اور میرا کرم ہے۔

پھر ایک بار اللہ تعالی نے اسکا تجربہ بھی کرکے دکھا دیا، ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کسی اجنبی شخص کی صورت میں تشریف لائے اور اسلام کے عقائد واعمال کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کئے، اس سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو تعلیم دلانا مقصود تھا، چونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے سے ڈرتے تھے کہ کہیں کوئی بیکار سوال نہ کر ڈالیں، خصوصاً جب قرآن کریم میں اسکی ممانعت نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اور زیادہ ڈرنے لگے اسی لئے حضرت جبریل علیہ السلام نے سوالات کئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیئے جس سے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا فائدہ ہو گیا۔

اس وقت ابتداء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو پہچانا نہیں، جب وہ تشریف لے گئے تو حاضرین سے فرمایا کہ انھیں تلاش کریں، جب وہ نہ ملے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے۔

تیئیس سال تک جن کے ساتھ دوستی رہی آخر عمر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں پہچان نہیں سکے، اللہ تعالی کی طرف سے یہ اپنی قدرت کا اظہار تھا کہ سب کچھ ہمارے قبضہ میں ہے، ہم جب چاہیں اسے واپس لے لیں۔ یہ تنبیہ تو تھی علم کے بارے میں، عمل کے بارے میں فرمایا:

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا (۱۷ : ۷۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہماری دستگیری ہے، ہم نے حق پر مضبوطی عطاء کی ہے، یہ سب کچھ ہماری رحمت سے ہے، ہم نے تھام رکھا ہے، اگر ہم آپ کو نہیں تھامے رہتے تو آپ پورے نہیں تو کچھ نہ کچھ ضرور ان کفار کی طرف مائل ہو جاتے۔

یا اللہ! ہمیں بھی حق پر اس طرح جمائے رکھ کہ برا ماحول، برا معاشرہ، نفس وشیطان بال برابر بھی ہٹا نہ سکیں، ہمارے دلوں کو ایسے مضبوط بنادے، سے ما ننے دے، اپنی محبت و فکر آخرت پر ہمارے دلوں کو تھام لے، ان میں ذرہ برابر بھی لچک پیدا نہ ہو، غیر کا تعلق اور محبت غالب نہ آنے پائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ فرمایا :

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ (۴:۱۱۳)

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہو تو کفار کی ایک ایسی جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہر وقت اسی فکر میں لگی ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راہِ حق سے ہٹا دے ۔

یہ ہماری دستگیری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حملوں سے محفوظ ہیں اور حق پر قائم ہیں ۔

یہ تینوں آیتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہیں ، دوسروں کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیے کہ ذرا سا عجب و کبر دل میں پیدا ہوا اور سب کیا کرایا گیا ، جب سیّدِ دو عالم محبوبِ ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے تو کسی دوسرے کی کیا مجال ۔

گناہ چھوڑنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل :

عام مؤمنین کے بارے میں فرمایا :

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ (۲۴ : ۲۱)

" اگر تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہو تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی گناہوں سے پاک نہیں ہو سکتا لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہیں گناہوں سے پاک کر دیں ۔ اللہ تعالیٰ گناہ چھوڑنے کو پاک کرنا فرما رہے ہیں ، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے سب کو گناہوں سے پاک کر دیں ۔

معلوم ہوا کہ گناہ چھوڑنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دستگیری اسی وقت ہوتی ہے جب ان پر نظر رہے ۔ کوشش ، ہمت ، گناہ چھوڑنے کی تدابیر اور علاج یہ سب اپنی طرف سے ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لیکن نظر اپنے کمال پر نہ رہے بلکہ اللہ تعالیٰ پر رہے کہ ان اسباب میں اثر ڈالنا ان کے اختیار میں ہے ، ان کی مدد و دستگیری ہوگی تو گناہ چھوٹیں گے ان کی دستگیری کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا ۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا قول نقل فرماتے ہیں :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ

"اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے ہمیں اس مقام تک پہنچایا، اگر اللہ تعالی ہمیں ہدایت نہ فرماتے تو ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی۔"

غزوۂ خندق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس خود بھی خندق کھود رہے تھے آپ کا شکم مبارک مٹی سے لت پت ہو رہا تھا اور آپ اپنے مولی سے یوں عجز و نیاز کی باتیں کر رہے تھے:

وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا، وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا،

"اللہ کی قسم! اگر اللہ کی دستگیری نہ ہوتی تو ہم دین کا کوئی کام نہ کر پاتے۔"

جہاد جیسی عبادت اور خندق کھودنے کی بہت سخت محنت، اسکے باوجود اپنے عمل پر ناز کی بجائے نیاز ہی نیاز۔

نیکی کرنے کے بعد بھی ڈرتے رہنا چاہیئے:

حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام بیت اللہ کی تعمیر فرما رہے ہیں، تعمیر بھی ایسی کہ صرف مال نہیں بلکہ اپنی جان بھی اس میں لگا رہے ہیں۔ گارا خود بناتے، اینٹیں خود اٹھا کر لاتے اور لگاتے۔

پھر تعمیر بھی اپنی طرف سے نہیں، بذریعہ وحی اللہ تعالی کے حکم سے کر رہے ہیں، لیکن دل کا حال یہ ہے کہ ہر وقت ڈر لگا ہوا ہے کہ معلوم نہیں ہمارا یہ عمل قبول بھی ہے یا نہیں؟ اس لئے ہر وقت یہ دعاء جاری ہے:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۲: ۱۲۷)

"اے ہمارے رب! ہماری کوششوں کو قبول فرما، بیشک تو سننے والا ہے جاننے والا ہے۔"

اللہ تعالی کا اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ دیکھئے کہ وحی کے ذریعہ یہ نہیں فرمایا کہ ہاں مطمئن رہو ہم نے قبول کر لیا، وہ تو اپنے بندہ کو اسی حال میں دیکھنا چاہتے ہیں کہ ڈرتا رہے اور توبہ کرتا رہے۔

مگر آج کے شیطان نام کے مسلمان جنہیں لوگ بزرگ اور صوفی سمجھتے ہیں وہ کیا کہتے ہیں:

"کرتے رہو اور ڈرتے رہو کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔"

گناہ کرتے کرتے لوگوں کی عقلیں مسخ ہو گئی ہیں، اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آتی

کہ جو ڈرے گا وہ گناہ کرے گا کیسے؟

ایک مثال سے سمجھئے: کسی سے سانپ کے بل میں انگلی ڈالنے کے لئے کہا جائے تو کیا کوئی ایسی ہمت کریگا؟ اگرچہ انگلی ڈالنے سے نقصان پہنچنے کا یقین نہیں اسلئے کہ وہاں دوسرے بھی کئی احتمالات ہیں، مثلاً:

① شاید وہ بل سانپ کا نہ ہو، کسی اور جانور کا ہو۔

② اگر سانپ ہی کا ہو تو کیا ضروری ہے کہ سانپ اندر ہی ہو، شاید کہیں باہر گیا ہوا ہو۔

③ اگر اندر ہی ہو تو ضروری نہیں کہ ڈسنے کے لئے تیار بیٹھا ہو، ممکن ہے کہ سو رہا ہو۔

④ اگر جاگ بھی رہا تو کیا ضروری ہے کہ ضرور ڈسے گا۔

⑤ اگر ڈس بھی لے تو ضروری نہیں کہ اس کے ڈسنے سے کوئی مر جائے، کبھی کبھی اس کا زہر الٹا اثر بھی کر جاتا ہے اور صحت کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے۔

اتنے سارے احتمالات کے باوجود کوئی شخص سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کرتا، اسلئے کہ اس کے دل میں ڈر اور خوف موجود ہے، اسی طرح جب کوئی شخص جہنم کے عذاب سے ڈرے گا اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا تو وہ گناہ کیسے کریگا؟

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے حالات:

"کرتے رہو اور ڈرتے رہو" کا مطلب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھئے، جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ (۲۳-۶۰)

"اور جو لوگ عمل کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں اور ان کے دل اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں ایک سوال پیدا فرمایا، اگر اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت نہ ہوتی وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں یہ سوال پیدا نہ فرماتے، تو آجکل کے صوفیوں کو ایک دلیل ہاتھ لگ جاتی،

وہ یہی کہتے رہتے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:
"کیا اس آیت سے وہ لوگ مراد ہیں جو گناہ کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں"؟
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"نہیں۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نیک اعمال کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں۔ نماز، روزہ، صدقات و خیرات کرتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں کہ معلوم نہیں ہمارے اعمال اور ہماری نیکیاں قبول بھی ہیں یا نہیں" ؎

نیکیاں یا رب مری بدکاریوں سے بد ہوئیں
وہ بھی رسوائی ترے دربار میں بے حد ہوئیں

فرمایا:
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (۱۱۰: ۳)
"اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے رہو اور کثرت ذکر کے ساتھ استغفار بھی کرتے رہو۔"
ذکر اللہ کے ساتھ استغفار کی تلقین کی جا رہی ہے کہ معلوم نہیں ہماری یہ تسبیح قبول بھی ہے یا نہیں، کہیں اجر و ثواب کی بجائے اس پر گرفت نہ ہو جائے۔ قبول اور اجر کے لائق تو نہیں مگر یا اللہ! تیرا کرم بڑا وسیع ہے، اس کرم کے صدقے سے تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! قبول فرما۔ لیکن آج کا صوفی یہ کہتا ہے کہ گناہ کے بعد بھی استغفار نہیں، کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔
اور فرمایا:
كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ○ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ○
(۵۱: ۱۷، ۱۸)
اللہ کے بندے راتوں میں بہت کم سوتے ہیں۔ آیت "قلیلاً" میں قلت، پھر تنوین میں قلت، "من" میں قلت، "ما" میں قلت، چار تاکیدوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے بندے راتوں کو بہت کم سوتے ہیں، ساری رات عبادت میں گزار دیتے ہیں لیکن جب صبح ہونے لگتی ہے تو اپنی عبادت پر ناز نہیں کرتے کہ ہم نے ساری رات اللہ کی یاد میں گزاری بلکہ ڈرتے رہتے ہیں کہ معلوم نہیں ہماری عبادت قبول بھی ہے یا نہیں؟

تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود ——— ۴۲

اور فرمایا: اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ (۳: ۱۷)

ایسے ایسے اوصاف میں اسقدر کمال اور اتنا بلند مقام رکھنے کے باوجود آخر شب میں استغفار کرتے ہیں، اسی طرح ان لوگوں کی زندگیاں گزرتی ہیں۔ اپنی نیکیوں پر بھی استغفار کرتے رہتے ہیں، ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہ قبول بھی ہیں یا نہیں ہوتیں؟ پھر اللہ کا کرم دیکھئے کہ ہر طرف سے دستگیری کرتے ہیں کہ اگر ناز اور عجب پیدا ہونے لگے تو تنبیہ فرمائی کہ تمہارا کوئی کمال نہیں سب کچھ ہمارے قبضۂ قدرت میں ہے اور اگر بہت زیادہ خوف اور مایوسی پیدا ہونے لگے تو یوں تسلی دیتے ہیں:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (۵۷: ۱۷)

اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں اور اسمیں پھل پھول پیدا فرما دیتے ہیں تو اسکی قدرت پر یہ کیا مشکل ہے کہ اپنی رحمت کی بارش سے تمہارے مردہ دلوں کو زندہ کر دے اور ان میں اپنی محبت و اطاعت کے باغ لگا دے۔

یوں سوچا کریں کہ جس کریم نے عمل کی ظاہری صورت اور قالب کی توفیق عطا فرمائی ہے وہی اس کے قبول کرنے والے بھی ہیں اگر قبول کرنا مقصود نہ ہوتا تو عمل کی ظاہری صورت کی توفیق کیوں عطا فرماتے!

یوں دعاء کیا کریں:

"یا اللہ! تو نے جو عمل کی ظاہری صورت عطا کی ہے، ہم تیرے اس کرم کا واسطہ دیکر تجھ سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ اسمیں اپنے فضل سے روح بھی عطاء فرما، اسے قبول فرما"

جب مقام قرب زیادہ بلند ہوتا ہے تو کبھی خوف کی حالت غالب آجاتی ہے۔ ایک بزرگ پر یہ کیفیت غالب آگئی اور وہ بہت پریشان ہوئے تو جواب ملا ؎

گفت آں اللہ تو لبیک ما ست ✿ ایں فغان و آہ و زاری پیک ما ست

فرمایا:

"تمہیں جو ہمارا نام لینے کی توفیق ہو جاتی ہے یہی ہماری طرف سے قبولیت کا پیغام ہے" ایک بار "اللہ" کہنے کے بعد دوسری بار "اللہ" کہنے کی توفیق ہو جانا، ایک بار نماز پڑھنے کے بعد دوسری بار نماز کی توفیق ہو جانا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت

کی علامت ہے، اسی لئے تو دوسری بار اپنا نام لینے کی ادا پہ تو دربار میں حاضری کی توفیق ہوئی۔ ع:

این فغان و آہ و زاری پیک ما ست

اگر ہماری محبت اور خوف سے رونا آتا ہے، گڑگڑاتے ہو، چیختے ہو، چلاتے ہو تو یہ اس بات کا پیغام ہے کہ تم ہمارے دربار میں حاضر ہو، بس اب مطمئن رہو، زیادہ مست نہ ہو جاؤ کرو، اُمید بھی رہے اور خوف بھی۔

اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَا

"ایمان خوف اور اُمید کے درمیان ہے۔"

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حال بیان فرماتے ہیں:

وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ (۱۷ : ۵۷)

"اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اُمیدوار اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں۔"

دوسری جگہ فرمایا:

تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (۳۲ : ۱۶)

"ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں، اپنے رب کو خوف اور اُمید سے پکارتے ہیں۔"

استغفار کی حقیقت:

غرضیکہ اہل اللہ کو اپنی عبادت پر ناز نہیں ہوتا بلکہ وہ عبادتوں کے ساتھ ساتھ کثرت سے استغفار بھی کرتے رہتے ہیں، بہت سے لوگ استغفار کو صرف وظیفہ کے طور پر پڑھتے ہیں، کسی نے روزانہ سو بار پڑھنے کا معمول بنا رکھا ہے، کسی نے صبح و شام پڑھنے کا معمول بنا رکھا ہے، لیکن صرف پڑھنے سے کام نہیں چلے گا جب تک استغفار کی حقیقت دل میں نہیں اُتاریں گے، استغفار کی حقیقت یہ ہے کہ آپ واقعۃً اپنے آپ کو گنہگار سمجھ کر دل پر ندامت طاری کر کے یوں کہیں:

"یا اللہ! میں اقراری مجرم ہوں، اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، یا اللہ! تو مجھے معاف کر دے، آئندہ کے لئے گناہوں سے میری حفاظت فرما، یا اللہ! میں بہت عاجز ہوں، نفس و شیطان، بُرا ماحول اور بُرا معاشرہ غالب ہے، انکے مقابلے میں تو میری مدد فرما، دستگیری فرما، تیری مدد ہو تو پھر کسی کا کوئی زور نہیں چل سکتا۔"

تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود ۔ ۴۴۰

اس استغفار اور دعاء کا معمول بنائیں، یہ بہت ہی اکسیر نسخہ ہے اس کی قدر کریں، اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائیں۔

اہل اللہ کو خوف آخرت:

اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ۙ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (۲۴ : ۳۷)

اللہ تعالیٰ کے بندے وہ ہوتے ہیں جنہیں دنیا کا بڑے سے بڑا نفع بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں رکھ سکتا، ہر کام پر اللہ تعالیٰ کی یاد مقدم رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہر وقت اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ان سے نہیں ہوپاتی۔

اللہ تعالیٰ کی یاد ان کی زبان کے علاوہ ان کے دلوں میں بھی اتنی رچ بس جاتی ہے کہ اگر کبھی بڑی سے بڑی منفعت بھی ان کے سامنے آجائے تو وہ بھی انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے غافل نہیں کر سکتی، وہ اللہ تعالیٰ کے تعلق کو بھول نہیں جاتے، انہیں ہر وقت یہ خیال لگا رہتا ہے:

”میرا مالک مجھے دیکھ رہا ہے، ہر وقت یہ فکر لگی رہتی ہے کہ میرا مالک کہیں مجھ سے ناراض نہ ہو جائے، میں ساری دنیا کو تو ٹھکرا سکتا ہوں لیکن اپنے مالک کو ناراض نہیں کر سکتا۔“

لیکن اتنا اونچا مقام ہوتے ہوئے بھی ان کے دل میں عجب و کبر پیدا نہیں ہوتا کہ ہم بہت بڑے ہیں بلکہ عاجزی و انکساری کی یہ کیفیت ہوتی ہے:

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ

قیامت کے خوف سے ان کے دل دہل رہے ہوتے ہیں کہ اس دن کی ہولناکی سے دل الٹ پلٹ جائیں گے، شدت خوف سے قیامت کا نقشہ ان کے سامنے رہتا ہے۔

ایک شبہہ کا ازالہ:

کسی کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دعاء کی تلقین فرمائی ہے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوْا وَاِذَآ اَسَآءُوْا اسْتَغْفَرُوْا

"یا اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنا دے کہ جب ان سے کوئی اچھا کام ہو جائے تو خوش ہوتے ہیں اور اگر کوئی برا کام ہو جائے تو فوراً استغفار کر لیتے ہیں"

اس دعاء میں تو یہ ہے کہ نیک کام سے خوش ہونا چاہیے حالانکہ اس سے پہلے جو آپ نے بتائی ہیں ان میں یہ تھا کہ اللہ کے نیک بندے نیک کام کرنے کے بعد خوش نہیں ہوتے بلکہ ڈرتے رہتے ہیں کہ معلوم نہیں ہماری عبادات قبول بھی ہیں یا نہیں،

اس اشکال کا جواب ماقبل کی تفصیل میں بتا چکا ہوں کہ دل میں دونوں حالتیں پیدا ہونی چاہئیں، خوشی بھی اور خوف و ندامت بھی، جیسے کسی عورت کو بچہ پیدا ہونے والا ہوتا ہے تو وہ عین موقع پر ڈر رہی ہوتی ہے کہ معلوم نہیں کیا حالت ہوگی، کہیں مر نہ جاؤں، اور خوش بھی ہوتی ہے کہ کیا گوہر ملنے والا ہے، جب بچہ پیدا ہونے کی خوشی ہے اسے خوشی کے ساتھ خوف بھی لگا ہوا ہے، اسی طرح جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہو جائے ان کی محبت دل میں پیدا ہو جائے، نیک اعمال کی توفیق مل جائے، گناہ چھوٹنے لگ جائیں، ایسی حالت میں اس کا دل خوشی سے بھرا رہے گا مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی لگا رہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی نعمت سے نوازا ہے، یہ محض انہی کی عطا اور انہی کا کرم ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے، میری کسی حالت پر وہ ناراض ہو جائیں اور یہ ساری نعمتیں چھن جائیں تو پھر کیا بنے گا، اس لئے وہ ڈرتا رہتا ہے، اس طرح دونوں کیفیتیں دل میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

اس حالت کو یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ اہل اللہ عبادت کی ظاہری صورت پر خوش ہوتے ہیں کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان سے عبادت کی ظاہری صورت بھی نہیں بن پاتی، مگر جب وہ یہ سوچتے ہیں کہ ان کی عبادت میں روح بھی ہے یا نہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو ہے ہی نہیں، اس پر وہ روتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں، استغفار کرتے ہیں۔

ایک دوسری تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ عبادت کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی، یہ ان کا انعام ہے، ان کا کرم ہے، پھر یہ سوچتے ہیں کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کا یہ کرم اور دوسری طرف یہ حالت کہ میں نے اسے صحیح طریقہ پر ادا نہیں کیا، عبادت

کا حق ادا نہ ہوا، میں بہت ناقص ہوں، عبادت کی کمیت ہی نہیں بن پاتی کیفیت تو کیا ہوگی، اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہوتی ہے تو خوشی ہوتی ہے اور اپنی حالت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ندامت ہوتی ہے، اس پر استغفار کرتے ہیں۔

عبادت کے قبول ہونے کی میں نے یہ جو علامت بتائی ہے کہ نسیانِ کمالات بھی رہے اور ذکرِ ذنوب بھی رہے، یہ علامت اور معیار عام ہے خواہ کوئی شخص دینی خدمات انجام دے رہا ہو یا محض عبادت میں مشغول ہو دونوں صورتوں میں یہ حالت رہنی چاہیے۔

اخلاص و قبول کی تیسری علامت

لوگوں میں تبلیغ کرنے کی بجائے خلوت میں زیادہ دل لگتا:

جو شخص دوسروں تک دین پہنچا رہا ہو مگر اس کی طبیعت اور اصل مذاق یہ ہو کہ خلوت میں اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے دل بے چین رہتا ہو، نہ کسی سے ملنے کو دل چاہتا ہو نہ کسی سے بات کرنے کو گویا یہ حال بنا ہوا ہو کہ

مجھے دوست چھوڑ دیں سب کوئی مہرباں نہ پوچھے
مجھے میرا رب ہے کافی مجھے کل جہاں نہ پوچھے
شب و روز میں رہوں مجذوب اور یاد اپنے رب کی
مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے

لوگوں کو تبلیغ کرنے میں طبیعت پر بہت بوجھ پڑتا ہو مگر مالک کے حکم کی تعمیل میں مجبوراً تبلیغ کر رہا ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کی تبلیغ اور دینی خدمات اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہیں۔

اور اگر خلوت میں بیٹھنے سے دل گھبراتا ہو، ہر وقت لوگوں میں تبلیغ اور بیان کرنے کا شوق چڑھا رہتا ہو تو یہ اس کی علامت ہے کہ اس کی دینی خدمات قبول نہیں، اس لئے کہ وہ یہ خدمات اللہ کے لئے نہیں کر رہا، اللہ کے قانون کی خلاف ورزی کر کے اپنے نفس کے لئے کر رہا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اور اصل مذاق یہ تھا:

حُبِّبَ اِلَیْہِ الْخَلَاءُ

تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود ۔ ۲۷

"اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے خلوت کو محبوب بنادیا تھا"

تبلیغ کے لئے لوگوں میں بیٹھنا آپ کو طبعاً بہت گراں تھا، اسلئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (۱۸ : ۲۸)

"اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض ان کی رضاجوئی کے لئے کرتے ہیں۔"

یعنی ہم جانتے ہیں کہ لوگوں میں بیٹھنا آپ پر گراں ہے، اس لئے آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ تبلیغ کی خاطر اپنی طبیعت پر جبر کرکے لوگوں کے ساتھ بیٹھا کریں۔

دل تو ہر وقت بلاواسطہ محبوب کے دیدار کے لئے بے چین ہے مگر اسکا حکم ہے کہ دوسروں تک میری باتیں پہنچاؤ، اس لئے محبوب کے حکم کی تعمیل میں اپنی خواہش کو فنا کر دیتے ہیں ؏

اریدُ وصالہ ویرید ھجری فاترک ما ارید لما یرید

"میں تو محبوب کا وصال چاہتا ہوں اور محبوب میرا فراق چاہتا ہے بس میں اپنی خواہش کو محبوب کی خواہش پر قربان کرتا ہوں۔" ؏

نہ دیکھا جائے گا خون تمنا اپنی آنکھوں سے
مگر تیرے لئے جان تمنا یہ بھی دیکھیں گے

اخلاص و قبول کی چوتھی علامت

دینی خدمات قوانین شریعت کے مطابق ہوں:

دنیا میں انسان جو کام بھی کرتا ہے خواہ دنیا کا کام ہو یا دین کا، اللہ تعالیٰ کی جو عبادت بھی کرتا ہے اور شریعت کے جس حکم کی بھی تعمیل کرتا ہے ان سب کاموں، عبادات اور احکام کو بجالانے کے کچھ قوانین مقرر ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان قوانین کا پابند بنایا ہے، اس کی مرضی اور طبیعت کے حوالہ نہیں کر دیا ہے کہ جس طرح دل میں آئے اسی طرح کرو، فرمایا:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (۷۵ : ۳۶)

"کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا"

ہر کام کرتے وقت انسان یہ سوچتا رہے کہ میں قانون کا بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین سے سرمو برابر بھی میں ادھر ادھر نہیں جا سکتا، اگر ان قوانین کے مطابق کام کیا تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوگی، ان کی رضا حاصل ہوگی، مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی، اور اگر بالفرض قانون پر چلنے سے کام نہیں بنا بلکہ بگڑ گیا، ہوا ہی نہیں تو پھر بھی میں کامیاب ہوں، اسلئے کہ میری کامیابی اسی میں ہے کہ مالک کے قوانین کے خلاف نہ کروں، اگر قوانین کے خلاف کرکے میں نے ساری دنیا بھی فتح کرلی تو آخرت میں جہنم میں پھینکا جاؤں گا، وہاں یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ کام کتنا کیا؟ وہاں تو یہ پوچھا جائے گا کہ ہمارے قوانین کے مطابق کیا یا نہیں؟

لہٰذا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اگر وہ قوانین کی پابندی کرتے ہوئے دین کا کام کرتے ہیں تو ان کی دینی خدمات قبول ہیں اور اگر اپنے دل میں جو کچھ آیا اسکے مطابق کرلیا، قوانین کی رعایت نہیں کرتے، تو وہ اپنے نفس کے بندے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بندے نہیں، ان کی دینی خدمات اپنے نفس کیلئے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں، ان کی تبلیغ قبول نہیں، خواہ وہ تبلیغ اہل مدرسہ کی ہو، اہل سیاست کی ہو، اہل خانقاہ کی ہو یا جنھیں "تبلیغی" کہتے ہیں ان کی ہو کسی کی بھی قبول نہیں، وہاں کسی کی رعایت نہیں سب کے لئے اللہ تعالیٰ کا ایک ہی قانون ہے۔

اب نمبروار اللہ تعالیٰ کے قوانین بتاتا ہوں۔ جو لوگ دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں وہ انھیں سامنے رکھ کر اپنے حالات کا جائزہ لیتے رہیں اور سوچیں کہ ان کی دینی خدمات اللہ تعالیٰ کے لئے ہو رہی ہیں یا اپنے نفس کے لئے۔

دینی کام کرنے والوں کے لئے شریعت کے قوانین

پہلا قانون، کسی بھی مصلحت سے چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی جائز نہیں

پہلا قانون اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ تم ہمارے دین کی خدمت کرو لیکن دین کی خدمت کے لئے ہمارے قوانین میں کہیں بھی تمھیں ترمیم کرنے کی اجازت نہیں، ہم نے دین کو قیامت تک کے لئے مکمل کردیا ہے، قیامت تک ہونے والے واقعات مصلحتیں

لحتیں سب ہماری نظر میں رہیں۔

کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی مصلحت سے اللہ تعالیٰ کے قوانین میں کوئی تبدیلی
رے یا کسی مصلحت سے کسی قانون کو چھوڑ دے یا کوئی گناہ کرے یا کسی کے ساتھ گناہ
یں شریک ہو جائے، اس کی کوئی گنجائش نہیں، خواہ وہ مصلحت لوگوں کو دعوت و
بلیغ میں جوڑنے کی ہو، اہل سیاست کی سیاسی مصلحت ہو، اہل مدرسہ کے لئے
مدرسہ کو باقی رکھنے کی مصلحت ہو، کسی بھی مصلحت سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی جائز نہیں

ہل تبلیغ کا ایک غلط نظریہ :

بہت سے تبلیغ والے کہتے ہیں :

" لوگوں کو دین کی طرف بلانے کے لئے مصلحت کی خاطر گناہ کرنا جائز ہے مصلحت
سے گناہوں کی مجلس میں شامل ہو جاؤ، بدعات میں شریک ہو جاؤ، بینک والوں کی
دعوتیں قبول کرلو، ان کی گاڑیوں میں بیٹھ جاؤ، یہ سارے گناہ مصلحت کی خاطر جائز ہیں
لکہ ایسا کرنے میں ثواب ہے۔"

کسی مصلحت کی خاطر گناہ کے جائز ہونے میں تین قسم کے نظریات ہو سکتے ہیں :

① کسی کا نظریہ یہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے سارے
ی گناہ جائز ہوں۔ کفر، شرک، بدعت، زنا، چوری، ڈکیتی، شراب پینا، خنزیر
کھانا، ناحق قتل کرنا، یہ سارے گناہ حلال ہو جائیں۔

میرے خیال میں یہ نظریہ کسی کا نہیں ہو سکتا، بعض گناہوں کو حلال کرنے
ی جو رو چل رہی ہے اس سے خطرہ ضرور ہے کہ کہیں آئندہ لوگوں کا یہی نظریہ نہ
ن جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھیں، آمین۔

② دوسرا نظریہ یہ ہے کہ دین کی کسی بھی مصلحت کی خاطر چھوٹے سے چھوٹا گناہ
بھی جائز نہیں۔

یہ وہ حقیقت ہے جو میں ہمیشہ بتاتا رہتا ہوں کہ کسی حال میں بھی کسی مصلحت
سے بھی کوئی گناہ جائز نہیں ہو سکتا، دعوت کا وہ طریقہ ہی ناجائز ہے جس میں گناہوں
کے ذریعے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جائے، وہ دعوت خود ہی گناہ ہے۔

(آگے یہ مضمون تفصیل سے آرہا ہے۔ مرتب)

تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود ـــــ ۵۰

(۳) تیسرا نظریہ یہ ہو سکتا ہے کہ مصلحت کی خاطر بعض گناہ تو جائز ہو جاتے ہیں اور بعض نہیں ہوتے۔

جن لوگوں کا یہ نظریہ ہے وہ یہ بتائیں کہ اس کا ان کے پاس کوئی معیار بھی ہے کہ کون سے گناہ جائز ہو جاتے ہیں اور کونسے ناجائز؟ جبکہ انشورنس اور کسٹم جیسی حرام آمدنی والوں کے یہاں کھانے پینے کو تو ان لوگوں نے حلال کر دیا، تو زنا، شراب، خنزیر اور مردار وغیرہ کیوں حلال نہیں؟ بتائیے! ان میں اور ان میں کوئی فرق ہے؟ یہ بھی حرام وہ بھی حرام، بلکہ سود کی حرمت تو دوسری حرام چیزوں سے زیادہ ہے، جس کے دین کی دعوت دے رہے ہیں ان کا ارشاد سن لیجئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"سود کا ایک درہم چھتیس زنا سے بدتر ہے" (مسند احمد)

دوسرا ارشاد:

"سود میں تہتر گناہ ہیں ان میں سب سے چھوٹا گناہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔" (حاکم علی شرط الشیخین)

تیسرا ارشاد:

"مجھے شب معراج میں ایک ایسی قوم کے پاس سے لیجایا گیا جن کے پیٹ اتنے بڑے تھے جیسے کمرے، ان میں بڑے بڑے سانپ تھے جو ان کے پیٹ کے باہر سے نظر آ رہے تھے، میں نے کہا اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہ لوگ سود کھانے والے ہیں۔" (مسند احمد)

مجالس بدعات: میلاد، قرآن خوانی، تیجہ، چالیسواں میں شرکت کو بھی جائز کر دیا، بدعت جتنا بڑا گناہ ہے تو دنیا میں کوئی نہیں سکتا، اگر دین کی تبلیغ کی خاطر بدعت میں شامل ہونا جائز ہو گیا تو بڑے سے بڑا گناہ جائز ہو گیا، پھر یہ تبلیغ دین کی نہ رہی گناہ کی تبلیغ ہو گئی۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑیں، مگر یہ خود ان لوگوں کے ساتھ جوڑ رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے کٹے ہوئے ہیں، یہ بھی سوچیں کہ آپکے اس رویہ سے ان لوگوں پر آپ کی تبلیغ کا کیا اثر ہو گا؟ آپ خود ہی گناہ نہیں چھوڑ رہے تو وہ کیسے چھوڑیں گے؟

اہل تبلیغ سے تین باتیں :

ایسے تبلیغی لوگوں سے میں تین باتیں کہتا ہوں ، ان پر خوب غور کریں ۔ ؏
شاید کہ اتر جائے کسی دل میں مری بات

وہ تین باتیں یہ ہیں :

(۱) کیا تبلیغ کی غرض سے جوڑ پیدا کرنے کے لئے ہر قسم کے گناہ جائز ہیں ؟ کفر، شرک، بدعت ، زنا ، شراب ، جوا ، سود ، رشوت ، بے پردگی ، بے حیائی ، تصویر ، اور ٹی وی کی لعنت ، چوری ، ڈکیتی وغیرہ ہر قسم کی بد معاشی اور فحاشی ، کیا بغرض تبلیغ یہ سب کچھ جائز ہو جاتا ہے ؟ اگر نہیں تو پھر کوئی معیار بتائیے کہ فلاں فلاں گناہ ناجائز ہیں اور باقی جائز ۔

(۲) آپ جب فساق و فجار کے ساتھ گناہوں میں شریک ہوتے ہیں تو آپ ان کو رحمٰن سے نہیں جوڑ رہے بلکہ خود ان کے ساتھ مل کر شیطان سے جڑ رہے ہیں ، انکو اپنے ساتھ ملا کر جنت میں نہیں لے جا رہے بلکہ خود انکے ساتھ ملکر جہنم میں جا رہے ہیں ۔

(۳) جب آپ اپنی مقدس صورت لیکر لوگوں کے ساتھ گناہوں میں مشغول ہونگے تو آپ کے اس رویّہ کی وجہ سے وہ لوگ دو خرابیوں میں سے ایک میں ضرور مبتلا ہونگے :

(۱) اوّلاً تو وہ یہ اثر لیں گے کہ جب دنیا بھر میں دعوت و تبلیغ کا کام کرنیوالے پارسا حضرات بھی ان بدعات ، منکرات اور فواحش سے نہیں بچتے تو یہ ان چیزوں کے حلال و جائز ہونے کی دلیل ہے ۔ پہلے تو وہ لوگ ان محرمات کو حرام سمجھتے ہوئے ان کا ارتکاب کرتے تھے ، شاید کبھی توبہ و استغفار کی توفیق ہو جاتی ہو ، کم از کم ندامت تو ہوتی ہی ہو گی مگر آپ کے جوڑ کے بعد تو سب کچھ حلال ہی ہو گیا ، ایسے حالات میں فواحش سے بچنے یا ندامت اور توبہ و استغفار کی ضرورت ہی نہ رہی ۔

(۲) اگر انھوں نے محرمات کو حلال سمجھنے کا سبق آپ سے نہ بھی پڑھا تو کم از کم اتنا اثر تو لازماً لیں گے کہ محرمات و فواحش کو بہت خفیف اور بہت ہلکے سمجھنے لگیں گے اور یہ عقیدہ رکھیں گے کہ انسان بڑے سے بڑے گناہوں کے ارتکاب کے باوجود بھی پورا دیندار اور کامل مسلمان بلکہ دین اسلام کا داعی بھی بن سکتا ہے ۔

تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود ـــــــ ۵۲

پھر وہ بھی جماعت میں داخل ہو جائیں گے، آپ تو پہلے ہی سے ان کو جوڑنے کی خاطر خوب گناہ کر رہے تھے، اب وہ بھی گناہوں سے تائب ہوئے بغیر آپکے ساتھ مل گئے، بلکہ دوسروں کو جوڑنے کے لئے اور بھی زیادہ گناہ کریں گے، اس طرح تو تبلیغ دین کرنے والی یہ پوری جماعت فساق و فجار ہی کی بن کر رہ جائے گی۔

خدارا ذرا سوچئے کہ پھر یہ دین کی تبلیغ ہوگی یا فسق و فجور اور بدعات و منکرات کی!

تبلیغ کی خاطر گناہوں میں شریک ہونیوالوں کی مثال:

جو لوگ تبلیغ کی خاطر گناہوں میں شریک ہو جاتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں ڈوب رہا ہو، اسے بچانے والا یا تو کوئی ماہر تیراک ہو یا اسکے پاس کوئی کشتی ہو پھر تو وہ اسے ڈوبنے سے بچا لے گا، ورنہ جو شخص اسے بچانے کی خاطر خود بھی اسکے ساتھ سمندر میں بہتا چلا جائے وہ اسے بچانے کی بجائے خود بھی ڈوبے گا، اسی طرح جو لوگ کسی کو گناہ میں مبتلا دیکھ کر اسے گناہ سے نکالنے کی بجائے خود بھی اسکے ساتھ گناہوں میں شریک ہو جاتے ہیں وہ اسے جہنم سے بچانے کی بجائے خود بھی جہنم میں گرے جا رہے ہیں۔

ایک پیر صاحب کا واقعہ:

پنجاب سے ایک مشہور پیر صاحب کراچی آئے ہوئے تھے جو تبلیغ میں بھی بہت چلے لگاتے ہیں، جس مکان میں وہ ٹھہرے ہوئے تھے ان گھر والوں کے ساتھ ٹی وی دیکھتے ہوئے کسی نے انھیں دیکھ لیا، پوچھا آپ کو تو چاہیئے کہ انھیں روکیں، آپ خود بھی انکے ساتھ گناہ میں شریک ہیں؟ وہ پیر صاحب کہنے لگے:

”ہم اگر ان لوگوں کے ساتھ شریک نہ ہوں تو ان کی اصلاح کیسے ہوگی؟“

آج کے پیر گناہوں میں شریک ہونے کو لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بتا رہے ہیں، دوسروں کو جہنم سے بچانے کی خاطر خود جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں۔

اہل مدارس کا غلط نظریہ:

اہل مدارس بھی بہت سے ناجائز و حرام کام مصلحت کی خاطر کر لیتے ہیں، جب ان سے کہا جائے کہ یہ کام تو ناجائز ہے تو جواب میں کہتے ہیں کہ اس میں مدرسہ کی مصلحت ہے۔

مدارس تو اسلئے ہیں کہ دین کی حفاظت ہو، دین کے ایک مسئلہ کی خاطر ہزار وں مدارس بلکہ دنیا بھر کے مدارس قربان ہو جائیں لیکن یہاں مدرسہ کی حفاظت اور مصلحت کی خاطر دین کو قربان کیا جارہا ہے، معلوم ہوا کہ اللہ کے لئے کام نہیں کر رہے اپنی نفس پرستی اور تن پرستی کے لئے کام کر رہے ہیں۔

جو لوگ اللہ کے لئے دین کا کام کرتے ہیں انکے اعمال اور نظریے کیسے ہوتے ہیں؟

اللہ کے لئے کام کرنیوالوں کے حالات:

دار العلوم دیوبند کا واقعہ ہے، قصبہ دیوبند میں ایک شخص صاحب ثروت اور با اثر ہوا کرتا تھا لیکن وہ صالح اور نیک نہیں تھا، اس نے ایک بار یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ اسے دار العلوم کی مجلس شوریٰ کا رکن بنایا جائے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ اسوقت دار العلوم کے سرپرست تھے، وہ اسے رکن بنانے پر آمادہ نہ ہوئے، مدرسہ کی شوریٰ کا رکن تو صالح لوگوں کو بنایا جاتا ہے۔

حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"میں نے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں لکھا کہ حضرت میری یہ رائے ہے کہ اسے رکن بنالیا جائے، اسے رکن بنانے میں کوئی نقصان نہیں، اسلئے کہ فیصلہ تو کثرت رائے سے ہوگا اور اکثریت ہم لوگوں کی ہے۔

اور اسے رکن نہ بنانے میں دار العلوم کو سخت نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے کیونکہ یہ بہت شریر ہے مال و دولت والا بھی ہے اور اثر و رسوخ والا بھی، دار العلوم کو نقصان پہنچائے گا، اس لئے مصلحت اسی میں ہے کہ اسے رکن بنالیا جائے۔"

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا جواب سنیئے اور دلوں میں اتار لیجئے، اللہ کرے کہ دلوں میں اتر جائے، بات سمجھ میں آجائے، فرمایا:

"میں اسے ہرگز رکن نہیں بناؤں گا، اس لئے کہ اسے رکن بنانے کی صورت میں جب اللہ تعالیٰ کے ہاں پیشی ہوگی، اگر اللہ تعالیٰ نے پوچھ لیا کہ نالائق کو رکن کیوں بنایا؟ تو میرے پاس اسکا کوئی جواب نہیں، اور اگر میں نے اسے رکن نہیں بنایا تو اولاً تو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون اور مرضی کے مطابق کام کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی، دار العلوم کو ترقی ہوگی نقصان نہیں پہنچے گا، جس کے ساتھ اللہ ہو اسے کوئی نقصان

پہنچا سکے! اللہ کو ساتھ لینے والے کو کبھی دنیا کا کوئی فرد بلکہ پوری دنیا کے لوگ مل کر بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

اور اگر بالفرض کوئی نقصان پہنچا بھی تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ دارالعلوم بند ہو جائے گا۔

اسے رکن نہ بنانے سے اگر دارالعلوم بند ہو گیا تو قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی اور سوال ہوگا کہ ایسا کیوں کیا؟ تو میں جواب میں یہ کہہ سکوں گا:

"یا اللہ! میں نے تیرے قانون کے مطابق کام کیا، غیر صالح کو رکن نہیں بنایا، دارالعلوم میرا تو تھا نہیں تیرا ہی تھا، اس کا چلانا اور بند کرنا تیرے قبضۂ قدرت میں تھا، جب تو نے اسے نہیں چلایا تو ہم کون ہو سکتے ہیں چلانے والے؟"

جو لوگ اللہ کے لئے دین کا کام کرتے ہیں، جن کے دلوں میں اخلاص، فکر آخرت اور حساب و کتاب کا خوف ہوتا ہے وہ دین کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ کی حفاظت میں بڑی سے بڑی مصلحت کو قربان کر دیتے ہیں۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی استقامت کا یہ ثمرہ نکلا کہ وہ شخص چیختا چلاتا رہ گیا اور دارالعلوم کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا بلکہ دارالعلوم ترقی پہ ترقی کرتا چلا گیا۔ (اہل مدارس کی بدعنوانیوں کے بارے میں حضرت والا کا ایک مستقل وعظ بھی ہے، بنام "مدارس کی ترقی کا راز"۔ مرتب)

اہل سیاست کا غلط نظریہ:

اہل سیاست بھی اپنے خیال میں دین کی تبلیغ اور خدمت کر رہے ہیں، مگر اپنی سیاسی مصلحت کے لئے بہت سے ناجائز و حرام کاموں کا ارتکاب کر لیتے ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ ناجائز کام آپ کیوں کرتے ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اس میں ہماری سیاسی مصلحت ہے، جب ہماری حکومت ہو جائے گی تو ہم پورے ملک میں مکمل اسلام نافذ کر دیں گے۔ اپنے اس غلط نظریہ کے لئے یہ لوگ ایک حدیث سے غلط استدلال بھی کرتے رہتے ہیں۔

غلط استدلال اور اس کا جواب:

بعض سیاسی لوگ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں:

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کی تعمیر جدید کا خیال تھا، اس طرح کہ نیچے سے چبوترا نکال کر اسے زمین کے برابر کر دیا جائے، اور مشرق کی طرح مغرب

تبلیغ کی شرعی حیثیت، ادارہ ۔۔۔ ۵۵

کی طرف ایک دروازہ کھولدیا جائے اور حطیم کو بھی بیت اللہ میں داخل کردیا جائے۔"
مگر چونکہ بہت سے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، انھیں اپنے آباء و اجداد کی پرانی تعمیر سے محبت تھی، اس لئے نئی تعمیر سے خطرہ تھا کہ بہت سے لوگ اسلام کو چھوڑ دیں گے اور جو لوگ ابھی تک اسلام نہیں لائے ان میں نفرت پیدا ہو جائے گی کہ انھوں نے ہمارے آباء و اجداد کی تعمیر گرادی، اسلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ ارادہ ترک فرمادیا۔

اس واقعہ سے اہل سیاست یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت اور حکمت کی بناء پر دین کا کتنا بڑا کام چھوڑ دیا۔

اہل سیاست کا یہ استدلال بالکل غلط ہے، اسلئے کہ پرانی تعمیر کو گرا کر نئی تعمیر کرنے کا تعلق شریعت کے کسی مسئلہ سے نہیں تھا بلکہ یہ امور انتظامیہ سے تھا، بیت اللہ کی جدید تعمیر سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد محض بیت اللہ کو وسیع کرنا اور لوگوں کو سہولت پہنچانا تھا، شریعت کا کوئی مسئلہ اس سے متعلق نہ تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ کے البتہ جہاں شریعت کا کوئی مسئلہ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے تمام مصلحتیں قربان کردیں کا حکم سامنے آیا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسوقت تمام مصلحتوں کو قربان کردیا، اس کی چند مثالیں سنئے:

(۱) حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبنیٰ تھے جسے منہ بولا بیٹا کہتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا، انھوں نے اپنی بیوی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دیدی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال آیا کہ ان سے نکاح کرلیا جائے، مگر ایک بہت بڑی دینی مصلحت سامنے آئی کہ لوگ اس زمانے میں اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی کو اپنی حقیقی بہو کی طرح حرام سمجھتے تھے، اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرلیا تو لوگ بد اعتقاد و بدظن ہو جائیں گے کہ یہ کیسا نبی ہے جو اپنی بہو سے نکاح کر رہا ہے۔ ممکن ہے کہ جو لوگ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور ان کا ایمان پختہ نہیں ہوا ہے وہ اسلام سے ہٹ جائیں، اور جو ابھی اسلام نہیں لائے وہ اسلام کی طرف آنے سے رک جائیں گے، تبلیغ

اسلام کا بہت بڑا کام بند ہوجائے گا۔

مگر چونکہ یہ نکاح نہ کرنے سے کفار کے غلط عقیدہ کی تائید ہوتی جو اللہ کے قانون کے خلاف تھا کہ اللہ تعالیٰ نے منہ بولے بیٹے کی بیوی کو حلال کیا ہے اور ان لوگوں نے اسے حرام کردیا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل ہوئی کہ چاہے اس قانون کی حفاظت کیلئے تمام مصلحتوں کو قربان کرنا پڑیگا اور یہ نکاح ضرور کرنا پڑیگا خواہ کوئی اسلام لائے یا نہ لائے اور خدانخواستہ اسلام کی طرف آئے ہوئے مسلمان سارے کا فر ہی کیوں نہ ہوجائیں، اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کھلے الفاظ میں قرآن کریم میں حکم فرمایا کہ یہ نکاح لازماً کرنا پڑیگا اور نہ کرنے کی مصلحت سوچنے پر بہت سخت تنبیہ فرمائی۔ یہاں یہ بات بھی خیال میں رکھنے کی ہے کہ اسلام میں منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا کوئی فرض واجب نہیں، صرف جائز ہی تو ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اتنی سختی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکا حکم فرمایا جیسے کسی بہت اہم فرض کا حکم دیا جاتا ہے۔

اس سے اسی حقیقت کو واضح کرنا اور اسکا اعلان کروانا مقصود تھا کہ کسی بڑی سے بڑی مصلحت کی خاطر اللہ کے کسی قانون کو نہیں توڑا جاسکتا۔ اہل سیاست، اہل مدارس اور تمام تبلیغ کے کام کرنے والوں کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ وہ اپنی جماعت، اپنی تنظیم اور اپنے ادارے کی چھوٹی چھوٹی مصلحتوں کی خاطر اللہ تعالیٰ کے کتنے قوانین کو توڑ رہے ہیں، جو لوگ اہل بصیرت اور معرفت ہوتے ہیں وہ تو یہ فرماتے ہیں:

"دین کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ کے سامنے دنیا بھر کی مصالح کو مصالحے کی طرح پیس ڈالو، مصالحے کو جتنا زیادہ پیسا جاتا ہے سالن اتنا ہی زیادہ لذیذ بنتا ہے۔"

(۲) دوسرا قصہ سنئے: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رؤساء مشرکین سے مخاطب تھے ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور کوئی مسئلہ دریافت کرنے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی طرف توجہ نہ فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت میں انکے سوال کرنے سے ناگواری ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں یہ مصلحت تھی:

تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود ـــــ ۵۷

"یہ تو اپنے ہی ہیں، انھیں استفادہ کا دوسرا موقع بھی مل سکتا ہے، ان مشرکین
رؤساء کو سمجھانے کے لئے یہ موقع غنیمت ہے، ممکن ہے کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں تو ان
سے اسلام کو بہت ترقی ہوگی"
مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور قانون ہے: "جن لوگوں کے دلوں میں طلب ہو ان کی
زیادہ رعایت کی جائے اور انھیں ان لوگوں پر مقدم رکھا جائے جن میں طلب نہیں"
اس لئے اللہ تعالیٰ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل پسند نہ آیا اور سورۂ عبس
میں اس پر بہت سخت تنبیہ فرمائی:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ اَوْ
يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ
اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ (۸۰: ۱-۱۰)

"پیغمبر چیں بجبیں ہوگئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پاس نابینا آیا،
اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا یا نصیحت قبول کرتا تو اس کو نصیحت کرنا فائدہ
پہنچاتا، پھر جو شخص بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں حالانکہ آپ
پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ ڈرتا ہے
آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں"

جو لوگ عربی جانتے ہیں اور جن میں قرآن فہمی کی کچھ صلاحیت ہے وہی سمجھ سکتے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی سخت تنبیہ فرمائی ہے،
ان آیتوں کے نزول کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر کیا گزری ہوگی،
اتنی سخت تنبیہ کیوں فرمائی گئی؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مقابلہ میں مصلحت کو
ترجیح دی جا رہی تھی۔

اس واقعہ سے بھی دین کے کام کرنے والوں کو سبق اور عبرت حاصل کرنا چاہیئے
کہ اللہ کے قانون سے مصلحت کو مقدم کرنے پر جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کو اتنی سخت تنبیہ کی گئی تو آج جو یہ لوگ معمولی معمولی مصلحتوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے قوانین کی
کھلی خلاف ورزی کر رہے ہیں وہ کیا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں گے اور دنیا
میں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ہوگی؟ ہرگز ہرگز نہیں۔

دوسرا قانون: کسی گناہ کو دیکھ کر روکنا فرض ہے

اب دوسرا قانون سنئے، میں نے پہلا قانون تو یہ بتایا ہے کہ کسی بڑی سے بڑی مصلحت کی خاطر کوئی چھوٹے سے چھوٹا گناہ کرنا بھی جائز نہیں، یہ دوسرا قانون اس سے بھی بڑا ہے، خود کسی گناہ میں مبتلا ہونا تو درکنار، دوسروں کو گناہوں سے روکنا فرض ہے، اگر آپ کسی قسم کی کوئی متعدی خدمت انجام دے رہے ہوں یا تبلیغ کے کسی شعبے سے وابستہ ہوں تو امر بالمعروف اور نیکی کی تبلیغ کے ساتھ نہی عن المنکر اور برائیوں سے بچنے کی تبلیغ بھی فرض ہے، اگر صرف امر بالمعروف کرتے رہے اور برائیوں سے بچنے کی تبلیغ نہیں کی تو آپ نے ایک فرض تو ادا کر دیا لیکن دوسرے فرض کے تارک رہے، آپ کی یہ خدمت اور تبلیغ بالکل ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں بھی امر بالمعروف کا حکم فرمایا ہے ساتھ ہی نہی عن المنکر کا حکم بھی فرمایا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۳: ۱۱۰)

"تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کیلئے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔"

الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ (۹: ۱۱۲)

"نیک باتوں کا حکم دینے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔"

البتہ نہی عن المنکر کے مختلف درجات اور مختلف طریقے ہیں جن کا بیان شروع میں تفصیل سے ہو چکا ہے۔

ایک غلط خیال کی اصلاح:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فساق و فجار کو اچھی مجالس اور نیک صحبت میں لانا بھی منکرات سے روکنے کا ایک طریقہ ہے، اچھی صحبت کے اثر سے کچھ کہے بغیر ہی گناہ چھوٹنے لگتے ہیں۔

اس طریقہ میں اتنی بات تو صحیح و مسلم ہے کہ اچھی صحبت کا اچھا اثر ہوتا ہے، مگر صرف اسی پر اکتفاء کرنا اور گناہوں کی تفصیل اور ان پر عذاب و وعیدیں نہ بتانا مداہنت ہے۔ اس میں کئی فسادات ہیں:

(۱) اگر منکرات سے روکنے کی اس تدبیر کو کافی سمجھ لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاذ اللہ اس حکمت عملی کا اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے بعد چودہ سو سال تک پوری امت میں سے کسی کو بھی علم نہ تھا، معاذ اللہ! قرآن، حدیث اور فقہ کے ذخائر میں امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر کا ذکر اور اس میں مداہنت پر وعیدیں سب بیکار ہیں اور حکمت عملی کے سراسر خلاف ہیں۔ جہاد، تعزیرات اور حدود و قصاص کے تمام احکام بالکل بے معنی اور سراسر ظلم ہیں۔

(۲) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی صحبت و نصیحت سے زیادہ مؤثر کوئی چیز نہیں ہو سکتی، اس کے باوجود وہ بھی لوگوں کی ہدایت کے لئے کافی نہ ہوئی، اکثر نے قبول نہ کیا۔

(۳) اچھی صحبت میں آنے کے باوجود کئی گناہوں کے گناہ ہونے کا جب علم نہ ہوگا تو ان سے توبہ کیسے کرے گا؟ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے تبلیغی جماعت میں عمریں صرف کرنے والے کئی حضرات کو علم نہ تھا کہ شریعت کے مطابق پردہ نہ کرنا اور ڈاڑھی منڈانا یا کٹانا گناہ ہے، وہ اتنے بڑے کبیرہ گناہوں اور اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علانیہ بغاوت کو بلکہ کیا صغیرہ گناہ بھی نہ سمجھتے تھے۔

(۴) اگر کوئی اچھی صحبت کے اثر سے ایسے گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس کو صرف بہتر حالت سمجھتا ہے، اس لئے وہ اس سے پہلے جوان کبائر اور علانیہ بغاوتوں کا ارتکاب کرتا رہا ان سے توبہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا حتی کہ اسی حالت میں یعنی کبیرہ گناہوں اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی بغاوتوں سے توبہ کئے بغیر موت آ جاتی ہے

(۵) اگر اچھی صحبت میں پہنچتے ہی محبت، نرمی اور دلسوزی سے ترک منکرات کی تبلیغ بھی خطاب عام کی صورت میں جاری رکھی جائے تو شاید سننے والا پہلے روز یا چند ہی دنوں کے بعد توبہ کر لے ورنہ کم از کم اس کے دل میں ندامت تو پیدا ہو ہی جائے گی اور خود کو اقراری مجرم سمجھنے لگے گا، یہ ندامت قلب بھی بہت بڑی دولت ہے۔

ترک منکرات کی تبلیغ نہ کرنے کی صورت میں اگر کسی کو محض اثر صحبت سے کچھ مدت کے بعد توبہ کی توفیق ہو بھی گئی تو توبہ سے قبل جتنا وقت گناہوں میں گزرے گا اس کا عذاب اور وبال ان مداہن لوگوں پر بھی ہوگا جو اس کی تبلیغ نہیں کرتے اور اگر توفیق توبہ سے قبل ہی موت آ گئی تو ایک مسلمان کو جہنم میں پہنچانے کی ذمہ داری ان مداہن لوگوں پر ہوگی جنہوں نے اسے ترک منکرات کی تبلیغ نہ کی۔

تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود ——— ۶۰

تیسرا قانون تبلیغ بصورت قتال بھی فرض ہے | تبلیغ کے مختلف شعبے اور طریقے ہیں :

قرآن کریم کے الفاظ کی تعلیم، قرآن کریم کے احکام کی تبلیغ، جس کی مختلف صورتیں ہیں :
درس و تدریس، تصنیف و تالیف، افتاء و ارشاد، لوگوں میں چل پھر کر وعظ و تلقین۔
مگر یہ سارے طریقے اس وقت ہیں جب اسلام دشمن طاقتیں اسلام کے رستہ میں حائل نہ ہوں اور کسی بھی طریقہ سے اسلام کی تبلیغ میں رکاوٹ نہ بنیں۔

اگر کفار کی طاقت زور پکڑ جائے اور وہ اسلام اور مسلمانوں کو دنیا سے مٹانے کے درپے ہو جائیں یا اسلام کی تبلیغ میں رکاوٹ پیدا کریں، کبھی تو صراحۃً ممنوع قرار دیدیں، اور کبھی ظاہراً اجازت تو دیں مگر ان کی سیاست اور منصوبہ بندی یہ ہو کہ کوئی اسلامی حکومت قائم نہ ہو جائے اور تمام کفار اسلام میں داخل نہ ہو جائیں تو ان حالات میں مسلمانوں کی طرف شریعت کا ایک دوسرا قانون متوجہ ہوتا ہے کہ اب تبلیغ کی یک اور قسم اختیار کرنا پڑے گی، یعنی تلوار سے ان کی خبر لو اور ان سے قتال کرو کہ کفار کی شان و شوکت ٹوٹ جائے اور وہ اسلام کے راستے میں رکاوٹ نہ بن سکیں، یہ بھی تبلیغ ہی کا ایک شعبہ ہے کہ اس کے بغیر اسلام کا آگے پھیلنا پھیلانا ممکن نہیں اس لئے تبلیغ بصورت قتال فی سبیل اللہ کے ترک پر سخت وعیدیں وارد ہیں۔

تبلیغ بصورت قتال فی سبیل اللہ چھوڑنے پر وعیدیں :

(۱) وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین (۲ ـ ۱۹۵)

"اور تم لوگ خرچ کیا کرو اللہ کی راہ (جہاد) میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو اور کام اچھی طرح کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو۔"

یعنی جہاد میں خرچ نہ کرنا اپنی ہلاکت اور تباہی کا باعث ہے۔

(۲) یایھا الذین اٰمنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الاٰخرۃ فما متاع الحیوۃ الدنیا فی الاٰخرۃ الا قلیل (۹ ـ ۳۸)

"اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ (جہاد) میں نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو کیا تم نے آخرت کے عوض دنیوی

زندگی پر قناعت کرلی، سو دنیوی زندگی کا تمتع تو کچھ بھی نہیں بہت قلیل ہے۔"

(۳) الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیرکم ولا تضروہ شیئا والله علی کل شیء قدیر (۹ — ۳۹)

"اگر تم (جہاد کے لیے) نہ نکلوگے تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت سزا دیگا اور تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کردے گا اور تم اللہ کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے، اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔"

(۴) فرح المخلفون بمقعدھم خلاف رسول الله وکرھوا ان یجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل الله وقالوا لا تنفروا فی الحر قل نار جھنم اشد حرا لو کانوا یفقھون (۹ — ۸۱)

"یہ پیچھے رہ جانے والے خوش ہوگئے رسول اللہ کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر اور ان کو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنا ناگوار ہوا اور کہنے لگے کہ تم گرمی میں مت نکلو، آپ کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ زیادہ گرم ہے کیا خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے۔"

(۵) واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة واعلموا ان الله شدید العقاب (۸ — ۲۵)

"اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔"
یعنی بذریعہ جہاد گناہوں سے نہ روکنے والے بھی عذاب میں شریک ہوں گے۔

(۶) عن ابی ھریرۃ رضی الله تعالی عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من مات ولم یغز ولم یحدث به نفسه مات علی شعبة من النفاق (رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی)۔

"جس نے نہ تو جہاد کیا اور نہ ہی اس بارے میں اس نے کبھی کچھ سوچا وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مرا۔"

(۷) عن ابی امامة رضی الله تعالی عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من لم یغز او یجھز غازیا او یخلف غازیا فی اھله بخیر اصابه الله تعالی بقارعة قبل یوم

القیامۃ ۔ رواہ ابن ماجۃ ۔

"جس نے نہ تو خود جہاد کیا، نہ ہی کسی مجاہد کو تیار کر کے بھیجا اور نہ کسی مجاہد کے گھر کی دیکھ بھال کی، اللہ اس کو قیامت سے پہلے ضرور کسی ہلاکت خیز مصیبت سے دوچار کرے گا۔"

(۹) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من لقی اللہ بغیر اثر من جہاد لقی اللہ وفیہ ثلمۃ ۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ ۔

"جو اللہ سے اس حال میں ملا کہ اس پر جہاد کا کوئی نشان نہ تھا وہ اس حال میں ملے گا کہ اس میں بہت بڑا نقص ہوگا۔"

(۹) عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما ترک قوم الجہاد الا عمہم اللہ بالعذاب ۔ رواہ الطبرانی ۔

"جس قوم نے بھی جہاد چھوڑا اللہ نے اس پر عمومی عذاب مسلط کر دیا۔"

قانون، دین کے دوسرے شعبوں میں کام کرنے والوں کو حقیر سمجھنا جائز نہیں

یہ مضمون شروع میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے کام مختلف شعبوں میں تقسیم کر رکھے ہیں اور یہ تقسیم کار دنیا کا اجتماعی قانون بھی ہے اور عقل کے مطابق بھی، اس کے خلاف کرنا عقل اور دین دونوں کے خلاف کرنا ہے، دین کے کسی ایک شعبے والوں کے لئے کسی دوسرے شعبے والوں کو حقیر یا بیکار سمجھنا جائز نہیں، اگر کوئی ایسا سمجھے تو اس کی دینی خدمات اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔

اب اندازہ لگائیے کہ دینی کام کرنے والی کتنی جماعتیں اس قانون کی پابندی کر رہی ہیں؟

اہل سیاست کہتے ہیں کہ فریضۂ اسلام تو صرف ہم ہی ادا کر رہے ہیں۔

اہل تبلیغ کہتے ہیں کہ تبلیغ کا حق تو صرف ہم ہی ادا کر رہے ہیں۔

اہل مدارس کہتے ہیں کہ دین کی حفاظت تو صرف ہم کر رہے ہیں۔

اس طرح کہنے والے اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑ رہے ہیں۔ ایسے لوگ دین کے کام اللہ کے لئے نہیں کر رہے اپنے نفس کے لئے کر رہے ہیں۔

اگر ایک ہی مدرسہ میں ایک استاذ بچوں کو ادب پڑھاتا ہو اور ایک استاذ صحیح بخاری پڑھاتا ہو، اگر صحیح بخاری کا استاذ اپنے آپ کو بچوں کے استاذ سے افضل

سمجھنے لگے اور یہ سمجھے کہ دین کی خدمت کا حق تو میں ہی ادا کر رہا ہوں یہ تو یونہی بیکار ہے، تو ایسا استاذ نفس پرست کہلائے گا۔ اس میں اخلاص نہیں، اسلئے کہ سب ایک ہی مشین کے پرزے ہیں۔ اگر ا ب ت پڑھانے والا پرزہ نہ ہوتا تو یہ صحیح بخاری کیسے پڑھاتا؟ ہوسکتا ہے کہ اس ا ب ت پڑھانے والے استاذ کا درجہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے اخلاص اور محنت کی وجہ سے اس شیخ الحدیث سے زیادہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جس کسی کو دین کے جس شعبے اور منصب پر دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطاء فرمائی ہے یہ محض ان کا کرم ہے، اگر کسی ایک شعبہ یا منصب والا کسی دوسرے شعبے اور منصب والوں کو حقیر سمجھے گا تو اس کے لئے آخرت کا عذاب تو ہے ہی، کچھ بعید نہیں کہ دنیا ہی میں اس پر یہ وبال پڑے کہ اللہ تعالیٰ اسے ان دینی خدمات سے محروم کردیں۔

دین کے کام میں جو لگ جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا سرکاری ملازم بن جاتا ہے، سرکاری ملازم اگر بھنگی ہو تو وہ بھی سرکاری ملازم ہے اور اگر وزیر ہے تو وہ بھی سرکاری ملازم۔ فرق مراتب ضرور ہے مگر ہیں تو دونوں ہی سرکاری، سرکاری ملازم خواہ ادنیٰ درجہ کا ہی ہو تو بھی اس کی تحقیر کی اجازت نہیں۔ بلکہ جو جسقدر بلند منصب پر ہوتا ہے اسی قدر وہ سرکار سے زیادہ ڈرتا ہے، اس پر گرفت زیادہ ہوتی ہے۔ جب دین کے تمام شعبوں میں کام کرنے والے سرکاری ملازم ٹھہرے تو کسی کو کیا حق ہے کہ وہ اپنے کو افضل سمجھے اور دوسروں کو حقیر؟ جب اللہ کے عام بندوں کو حقیر سمجھنا جائز نہیں تو جو لوگ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور سرکاری آدمی ہیں انھیں حقیر سمجھنا کیسے جائز ہوگا؟ دنیا کی حکومت میں تو یہ ظلم چل سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ تو دلوں میں چھپے ہوئے خیالات کو بھی جانتے ہیں، وہاں یہ ظلم نہیں چل سکتا۔ دنیا میں اگر اسکی کوئی سزا نہ ملی تو اصل دار الجزاء تو آخرت ہے، جسے اپنی خدمات کو یہ بہت بڑی خدمت اور جنت کا سامان سمجھ رہا ہے، وہاں جنت کی بجائے جہنم میں پھینکا جائے گا۔

حاصل یہ کہ دین کے کام کرنے والے ایک دوسرے کو حقیر سمجھنے کی بجائے آپس میں محبت اور ایک دوسرے کے کام میں مدد و تعاون کا تعلق رکھیں، دوسروں کو اچھا سمجھیں، انکے کاموں کی تحسین کریں، اگر ایسا نہیں تو یہ اللہ کے قانون کے خلاف ہے، ایسی دینی خدمات اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔

تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود — ۶۴

ایک بہت اہم دعا کا معمول :

میرا اس دعاء کا معمول ہے :

"یا اللہ! تیرا کوئی بھی بندہ دنیا کے کسی بھی کونے میں، تیرے دین کی کوئی بھی خدمت کر رہا ہو، تو اسے اخلاص عطاء فرما، اپنی رضا کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطاء فرما، اس کی خدمت کو قبول فرما، اس میں برکت عطاء فرما۔

(برکت کا مطلب یہ کہ تھوڑی محنت سے تھوڑے وقت میں کام زیادہ لیجئے)

اس خدمت کو اس کے لئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کے سب اکابر کے پورے سلسلہ کے لئے تا قیامت صدقہ جاریہ بنا۔

"یا اللہ! پوری دنیا میں دین کے کام کرنے والوں کو، خواہ وہ دنیا میں کہیں بھی دین کی کوئی بھی خدمت کر رہے ہوں، ان سب کو آپس میں محبت، تواد، تعاون، تناصر کی نعمت وسعادت عطاء فرما، آپس میں تباغض، تنافر، تحاسد کے عذاب سے حفاظت فرما۔"

آپ حضرات بھی یہ دعاء مانگا کریں، اس کا معمول بنالیں، اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائیں۔

پانچواں قانون : اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی اصلاح کی فکر دوسروں سے زیادہ اہم ہے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کر کے دیندار بنانے اور فکر آخرت پیدا کرنے کی جتنی فکر اور کوشش آپ دوسروں کے لئے کرتے ہیں، اس سے زیادہ فکر اور کوشش اپنے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو دیندار بنانے پر کرنا زیادہ اہم اور زیادہ ضروری ہے، لوگوں کو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بہت کرتے رہتے ہیں مگر خود ان باتوں پر کتنا عمل ہے؟ معمولی معمولی مصلحتوں کی خاطر گناہوں کی مجالس میں شریک ہو جاتے ہیں۔

یہودی دوسروں کو خوب تبلیغ کیا کرتے تھے مگر خود ان باتوں پر عمل نہیں کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس جرم اور گناہ پر یوں تنبیہ فرمائی :

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ (۲: ۴۴)

"کیا غضب ہے کہ کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے رہتے ہو تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔"

دوسری جگہ اہل ایمان کو تنبیہ فرماتے ہیں:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (۶۱ : ۲)

"اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔"

یہ آیت اگرچہ دعوت و تبلیغ کے بارے میں نہیں بلکہ دعووں کے بارے میں ہے مگر چونکہ دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والا بھی زبان سے نہیں تو حال سے مدعی عمل ہوتا ہے اس لئے وہ بھی اس تنبیہ اور وعید میں داخل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطاء فرمائی تو سب سے پہلے اپنے خاندان والوں کو تبلیغ کرنے کا حکم فرمایا۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝ (۲۶ : ۲۱۴)

"اور آپ اپنے نزدیک کے کنبے کو ڈرائیے۔"

اس لئے اپنے قریبی رشتہ داروں اور بیوی بچوں پر دوسروں سے زیادہ محنت کریں، اور اپنا نفس تو سب سے زیادہ قریب ہے، اس پر ان سے بھی زیادہ محنت کریں۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا (۶۶ : ۶)

"اے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔"

اس کا کوئی یہ مطلب نہ سمجھے کہ جب تک خود نہیں بنتے اور بیوی بچوں کو نہیں بنا لیتے اس وقت تک دوسروں کو تبلیغ نہیں کریں گے۔

یہ غلط ہے تقدم اور تأخر کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) زمانی (۲) رتبی

یہاں اپنے نفس کو مقدم کرنا اور دوسروں کو مؤخر کرنا زمانی نہیں ہے کہ پہلے ایک عرصہ اپنے اوپر محنت کرتے رہیں اسکے بعد دوسروں کو تبلیغ کریں۔ یہ صحیح نہیں اسلئے کہ یہاں اپنے نفس کو مقدم کرنے اور دوسروں کو مؤخر کرنے میں تقدم و تأخر زمانی نہیں رتبی ہے۔

یعنی آپ کے دل میں جہنم اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کی جتنی فکر دوسروں کیلئے ہے اپنے لئے یہ فکر نسبۃً زیادہ ہو۔ خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں، دونوں کام ایک ہی زمانے میں کریں مگر اپنی فکر زیادہ ہو۔

اپنی فکر زیادہ ہے یا نہیں؟ یہ کیسے پتہ چلے؟ اس کے دو معیار ہیں:

① فکر استدراج:

دین کے کام کرنے کے بعد بھی اپنے آپ کو گنہگار، عاجز اور ناقص سمجھتے ہیں، دینی خدمات کو اپنا کمال نہیں سمجھتے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام سمجھتے ہیں، پھر استغفار بھی کرتے ہیں اور قبولیت کی دعاء بھی کرتے رہتے ہیں، ساتھ ساتھ یہ خطرہ بھی لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہماری یہ خدمات قبول بھی ہیں یا نہیں، ورکہیں ہمارے اندر عجب و کبر کا خیال آگیا، ہم ان خدمات کو اپنا کمال سمجھنے لگیں اور اللہ تعالیٰ کو آگئی غیرت، تو ہمیں ان خدمات سے محروم نہ کردیں، یہ مضمون تفصیل سے شروع میں بیان ہو چکا ہے، مرتب۔

② محاسبۂ اعمال:

دینی باتیں جتنی دوسروں کے سامنے بیان کریں اس سے کہیں زیادہ اپنے طور پر خلوت میں سوچتے ہوں کہ ہم دوسروں کو جو تبلیغ کر رہے ہیں خود ہمارا اس پر عمل ہے یا نہیں؟ اپنے نقائص کو سوچ کر استغفار اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۵۹ : ۱۸)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص یہ سوچا کرے کہ اس نے قیامت کے لئے کیا تیار کیا، اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَقِيْقٌ بِالْمَرْءِ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ مَجَالِسُ يَخْلُوْ فِيْهَا وَيَذْكُرُ ذُنُوْبَهٗ فَيَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْهَا (هب)

"انسان کے لئے کچھ خلوت کی مجلسیں ضروری ہیں جن میں وہ اپنے گناہوں کو یاد کرکے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیا کرے۔"

صحیح بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم واعظ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل فرمایا ہے:

مَا عَرَضْتُ قَوْلِیْ عَلٰی عَمَلِیْ اِلَّا وَجَدْتُ نَفْسِیْ مُنَافِقًا،

”میں نے جب بھی اپنے قول کو اپنے عمل پر پیش کیا اپنے کو منافق پایا۔“

حضرت ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

① جو شخص دوسروں کو وعظ و تبلیغ کرتا ہو اس کے لئے لازم ہے کہ روزانہ کچھ وقت اپنے اعمال کا محاسبہ کیا کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کی یہ دعوت و تبلیغ وغیرہ کچھ قبول نہیں، اس کی یہ خدمات اللہ کے لئے نہیں اپنے نفس کے لئے ہیں۔

② جو شخص تبلیغ میں مخلص ہوتا ہے وہ جب اپنے اعمال کا محاسبہ کریگا تو اسے یہ محسوس ہوگا کہ وہ جتنی دوسروں کو تبلیغ کرتا ہے اس کا عمل اس سے بہت کم ہے، اپنی عبادات کو ناقص سمجھے گا، خود کو گنہگار سمجھتا رہے گا، استغفار کرتا رہے گا، اور اپنی اصلاح میں ترقی کرتا رہے گا۔

چھٹا قانون: اہل طلب کو دوسروں پر مقدم رکھنا

اللہ تعالیٰ کے دین کی باتیں تو طالبین اور غیر طالبین سب تک پہنچانا ہے، لیکن اگر دونوں میں معارضہ ہو جائے کہ اگر طالبین پر وقت صرف کرتے ہیں تو غیر طالبین کے لئے وقت نہیں ملتا اور اگر غیر طالبین کے لئے وقت صرف کرتے ہیں تو طالبین کے لئے وقت نہیں ملتا تو ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے:

”طالبین کو چھوڑ کر غیر طالبین کے لئے وقت صرف کرنا جائز نہیں، اہل طلب کا حق مقدم ہے، ان پر وقت صرف کرنے کے بعد اگر وقت بچے تو دوسروں پر خرچ کیا جائے ورنہ نہیں۔“

اگر یہ سوچ کر: ”اہل طلب تو اپنے ہی ہیں، انہیں تو ہمیشہ ہی مواقع ملتے رہتے ہیں“ دوسروں پر وقت صرف کریں گے تو یہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی خلاف ورزی ہوگی، ایسی دینی خدمات اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا واقعہ پہلے تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چھوڑ کر مشرکین کی طرف متوجہ ہوئے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے

سورۃ عبس میں کیسی تنبیہ فرمائی۔

اسی طرح ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے الگ مجلس کا مطالبہ کیا، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ (۱۸ : ۲۸)

"اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں، اور آپ کی نظر ان سے ہٹ کر دوسروں کی طرف نہ جانے پائے۔"

یعنی آپ ان سے ہٹ کر غیر طالبین کی طرف توجہ اور ان پر محنت نہ فرمائیں۔

ساتواں قانون کثرت ذکر و فکر کی پابندی کرنا

جو شخص اپنی اصلاح کی فکر دوسروں سے زیادہ رکھے گا اور جسے خلوت زیادہ محبوب ہوگی وہ لازماً محاسبہ، مراقبہ، کثرت نوافل، اذکار، تسبیحات اور ایسی دوسری نفلی عبادات کی پابندی دوسروں کو تبلیغ اور دیگر مستقل دینی خدمات سے زیادہ کرے گا۔ یہ پابندی اس لئے بھی زیادہ ضروری ہے کہ تبلیغ اور دیگر دینی خدمات پر ثمرہ اسی وقت مرتب ہوتا ہے جب انسان اپنی نفلی عبادات کی زیادہ پابندی کرے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ امت کی اصلاح کا درد کس کے دل میں ہو سکتا ہے؟ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیام لیل اس حد تک فرماتے تھے کہ پاؤں میں ورم آجاتا تھا اور کثرت سے نفل روزے رکھتے تھے اور ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے، آپ نے یہ خیال نہ فرمایا کہ کثرت نوافل کی بجائے یہ وقت بھی تبلیغ دین ہی میں صرف کرنا چاہئے (اس مضمون سے متعلق ایک مستقل وعظ "تعلیم و تبلیغ کے لئے کثرت ذکر کی ضرورت" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ مرتب)

اگر کسی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق تبلیغ دین کا فریضہ انجام دینا ہے تو اسے چاہئے کہ کثرت نوافل اور کثرت ذکر کی پابندی کرے۔ ایسا نہ ہو کہ جہاں دین کی خدمت میں لگے سب نفل عبادات، اذکار، تسبیحات اور نفلی معمولات کو چھوڑ بیٹھے۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون کے بھی

تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود ـــــ ۶۹

خلاف ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔

خلاصۂ بیان :

آج کی مجلس کا خلاصہ :

تبلیغ کی دو قسمیں ہیں :

(۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ

(۱) فرض عین :

لوگوں کو گناہوں سے روکنا بقدر استطاعت ہر شخص پر فرض ہے۔

(۲) فرض کفایہ :

لوگوں تک شریعت کے احکام پہنچانا یعنی دین کی تبلیغ کرنا۔

پھر اس تبلیغ کی متعدد صورتیں ہیں : افتاء، اصلاح باطن، درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و تبلیغ، جہاد و قتال فی سبیل اللہ۔

پھر ان دینی خدمات میں اخلاص ہے یا نہیں؟ اور یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول بھی ہیں یا نہیں؟ اس کی تین بڑی علامات ہیں :

(۱) خوف استدراج

(۲) کام کے ساتھ کثرت دعاء و استغفار۔

(۳) قوانین شریعت کی پابندی

قوانین شریعت :

(۱) کسی بھی مصلحت سے چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی جائز نہیں۔

(۲) کسی گناہ کو دیکھ کر روکنا فرض ہے۔

تبلیغ بصورت قتال کا اہتمام۔

(۴) دین کے دوسرے شعبوں میں کام کرنے والوں کو حقیر سمجھنا جائز نہیں۔

(۵) اپنی اور اپنی بیوی بچوں کی اصلاح کی فکر دوسروں سے زیادہ اہم ہے۔

(۶) اہل حق کو دوسروں پر مقدم کیا۔

(۷) کثرت ذکر و فکر کی پابندی کرنا۔

دُعاء:

یا اللہ!

تو ہماری تمام دینی خدمات کو قبول فرما،
ان خدمات کو اپنی مرضی کے مطابق انجام دینے
کی توفیق عطا فرما، اپنا خوف اور اپنا تعلق
نصیب فرما، اپنا ایسا تعلق، اپنی ایسی محبت عطا
فرما کہ کوئی کام بھی تیری مرضی کے خلاف نہ ہونے
پائے، تیری چھوٹی سے چھوٹی نافرمانی کرتے ہوئے
بھی شرم آئے، دینی خدمات میں اخلاص عطا
فرما اور قبول فرما، مخلوق سے نظر ہٹا کر اپنے اوپر نظر
رکھنے کی توفیق عطا فرما، نفس و شیطان کے مکاید
اور حملوں سے ہماری حفاظت فرما۔ وصلی اللہ
تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ
واصحابہ اجمعین ۰

فاروق

تبلیغی جماعت

اور

انچاس کروڑ کا ثواب

بعض روایات کی تنقید و تحقیق

فی سبیل اللہ کی تفسیر و تشریح

مکتبہ فاروق

تبلیغی جماعت

اور

اُنچاس کروڑ کا ثواب

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تبلیغی جماعت سے پوری دنیا میں اشاعت اسلام و تبلیغ دین کا کام لے رہے ہیں۔

جماعت کے کام کی غیر معمولی وسعت کی وجہ سے اس میں علم دین سے ناواقف عوام کی اکثریت ہے، ان میں سے بعض میں لاعلمی کے ساتھ تبلیغ دین کے جذبات اُبھرتے ہیں تو وہ عقائد و اعمال دونوں میں حدودِ شریعت سے تجاوز کر جاتے ہیں۔

— اس رسالہ میں —

ان کو صرف بعض نظریاتی اغلاط کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، پوری تفصیل وعظ تبلیغ کی شرعی حیثیت اور حدود میں ہے۔ اللہ تعالیٰ پوری اُمت سے اپنی مرضیات کے مطابق زیادہ سے زیادہ کام لیں اور سب کی خدمات کو اپنی رحمت سے قبول فرمائیں، خدماتِ دینیہ کے جتنے بھی شعبے ہیں سب کو باہم تحابب، تعاون و تناصر کی دولت سے مشرف فرمائیں۔

تبلیغی جماعت

اور

اُنچاس کروڑ کا ثواب

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ دینِ متین مسائل ذیل کے بارے میں قرآن و سنت کا کیا حکم ہے کہ ماشاء اللہ ہمارے ملک میں تبلیغ کا کام بہت تیزی سے چل رہا ہے مگر ان میں چند لوگ ایسے بھی ہیں کہ وہ اس حدیث مبارک "کفیٰ بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع" کے مصداق بن کر ایسی باتیں لوگوں کے سامنے کر دیتے ہیں جس سے لوگ آپس میں جھگڑا کرنے پر اتر آتے ہیں، ان ہی حضرات کے بارے میں چند سوالوں کے جوابات قرآن و سنت کی روشنی میں مطلوب ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس راستے میں ایک نماز کا ثواب اُنچاس کروڑ کے برابر ہے، اور اس میں اپنے ساتھ کسی دوسرے کو شامل ہونے نہیں دیتے۔ کیا از روئے شریعت اُنچاس کروڑ کا ثواب ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو اس ثواب میں مجاہدین اور طلبہ مدارس دینیہ بھی شامل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ یہ بھی اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔

(۲) ان میں بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو کہ اپنے محلے کی مسجد کو چھوڑ کر دوسرے محلہ کی مسجد میں چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں اس طرح کرنے سے اُنچاس کروڑ کا ثواب ملتا ہے، چاہے بیچ میں پانچ دس منٹ کا راستہ بھی نہ ہو۔ کیا از روئے شریعت ایسے اتنی آسانی کے ساتھ مذکورہ ثواب مل سکتا ہے؟

ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ ان کو سوائے چھ نمبروں کے اور کچھ نہیں آتا اور اس پر اتنی سختی سے عمل کرتے ہیں کہ ہر روز دن میں دو دفعہ سناتے ہیں اور سنانے کے دوران کسی دوسرے کو

تلاوت کلام یا کسی دوسرے ذکر و اذکار کرنے کے لئے بالکل نہیں چھوڑتے اور کہتے ہیں کہ ان نمبرات
کو بیان کرتے وقت دوسرا کوئی عمل قابلِ قبول نہیں خواہ تلاوتِ کلام ہو یا کوئی اور نیک عمل ہو اور
چھ نمبرات کو نہ ماننے والوں پر طرح طرح کے فتوے لگاتے ہیں، بعض مسلمان ہونے سے بھی نکال
دیتے ہیں۔

(۳) کچھ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ بیت اللہ شریف پر رائے ونڈ کی فضیلت زیادہ ہے کیونکہ
رائے ونڈ میں ایک نماز کا ثواب اُنچاس کروڑ ہے، اور بیت اللہ شریف میں ایک لاکھ۔

دوسری بات یہ ہے کہ تبلیغ کا کام رائے ونڈ میں ہوتا ہے وہاں نہیں ہوتا۔

اسی طرح یہ حضرات پورے دین کا انحصار اسی ایک ہی راستے میں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر
دنیا میں دین پھیلانا ہے اور ایمان بنانا ہے تو اسی راستے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں، تو یہ کس
طرح کہنا درست ہے؟ جبکہ دینی مدارس کے ذریعہ اور اسی طرح جہاد کے ذریعہ بھی دین پھیلایا
جا سکتا ہے۔

ان حضرات کی یہی کوشش رہتی ہے کہ علماء، طلباء اور مجاہدین کو اپنے ساتھ اسی راستے
میں لگائیں تو کیا اس طرح کرنے سے دینی مدارس بند ہوں گے یا نہیں اور جہاد ختم ہوگا یا نہیں؟

براہ کرم مسائل مذکورہ کے بارے میں قرآن و حدیث کا حکم بیان فرما کر ہماری حوصلہ افزائی
فرمائیں اور ثواب دارین حاصل کریں۔ وجزاکم اللہ

المستفتی: محمد فضل وہاب کوہستانی صوبہ سرحد
مورخہ ۵ر اکتوبر ۱۹۹۰ء

جواب از جامعہ دار العلوم کراچی

الجواب حامداً و مصلیاً

(۱) دین کی اشاعت و تبلیغ یا تحصیل علم دین یا جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ میں نکلنے یا لگنے والے
کے نماز، روزہ، ذکر وغیرہ کے بارے میں ایسی کوئی صریح حدیث تو ملی نہیں جس کے الفاظ
سے صاف صاف ثابت ہو کہ ایک نماز اور ایک تسبیح وغیرہ کا ثواب اُنچاس کروڑ کے برابر ملتا ہے۔

البتہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کر اپنی ذات پر خرچ کرنے والے
کو ایک درہم کے بدلے میں سات لاکھ درہم خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کر نماز، روزہ، ذکر کا ثواب اللہ کی

راہ میں روپیہ خرچ کرنے سے سات سو گنا ملتا ہے۔

اس طرح سات لاکھ کو سات سو میں ضرب دینے سے اُنچاس کروڑ بن جاتے ہیں۔ اس حساب سے اللہ کے راستے (تعلیم دین، جہاد اور تبلیغ) میں نکلنے والوں کے لئے نماز، روزہ اور ذکر و تسبیح کا ثواب اُنچاس کروڑ گنا بنتا ہے۔

لیکن اوّل تو یہ دونوں حدیثیں سنداً ضعیف ہیں اس لئے ان سے استدلال اور ان کے ضعف پر تنبیہ کئے بغیر ان کی تشہیر بام علیہ جائز نہیں۔ وہ دونوں حدیثیں ذیل میں مع سند و جرح کے پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حدثنا هارون بن عبد الله الحمال ثنا ابن أبي فديك عن الخليل بن عبد الله عن الحسن عن علي وأبي الدرداء وأبي هريرة وأبي أمامة وعبد الله بن عمر وعبد الله بن عمرو وجابر بن عبد الله وعمران بن الحصين رضي الله عنهم أجمعين كلهم يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال من أرسل بنفقة في سبيل الله وأقام في بيته فله بكل درهم سبعمائة درهم ومن غزا بنفسه في سبيل الله وأنفق في وجهه ذلك فله بكل درهم سبعمائة ألف درهم ثم تلا هذه الآية والله يضاعف لمن يشاء۔

(ابن ماجہ ص ۲۰۲ و الترغیب ص ۲۵۳ ج ۲)

اس حدیث کی سند میں راوی "خلیل بن عبداللہ" مجہول ہے (لسان المیزان ص ۴۱۳ ج ۲) اور تہذیب التہذیب ص ۱۶۸ ج ۳ میں حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قرأت بخط ابن عبد الهادي الخليل بن عبد الله لم يذكر روى عن الحسن عن هؤلاء هذا الحديث وهو حديث منكر والخليل بن عبد الله لا يعرف،

وكذا قال الذهبي في المغني هذا۔

اور امام منذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الترغیب والترہیب" میں کہا ہے:

لا أعرفه بعدالة ولا جرح۔

اور امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "غرائب مالک" میں ایک حدیث ابن ابی ذئب عن الخلیل بن عبد اللہ عن الحسن عن علی کے طریق سے نقل کرنے کے بعد فرمایا:

الخليل وغيره مجهولان۔

(۲) حدثنا احمد بن عمرو بن سرح نا ابن وهب عن يحيىٰ بن ايوب و سعيد بن ابي ايوب عن زبان بن فائد عن سهل بن معاذ عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الصلوٰة والصيام والذكر و يدخل فيه التسبيح والتهليل والتكبير والتحميد وقراءة القرآن يأتي بوجوه زائدة من انواع الذكر يتضاعف اي يزاد باعتبار الاجر والثواب على النفقة في سبيل الله عز وجل بسبعمائة ضعف. ولفظ احمد في مسنده قال ان الذكر في سبيل الله تعالىٰ يضعف فوق النفقة بسبعمائة ضعف قال يحيىٰ في حديثه بسبعمائة الف ضعف، والحديث ضعيف لان في سنده زبان بن فائد وسهل بن معاذ (بذل المجهود صـ۳۱۴ ج ۳، الترغيب صـ۲۶۱ ج ۲)

اس حدیث کو دو راویوں کی وجہ سے ضعیف کہا گیا ہے:

(۱) زبان بن فائد (۲) سہل بن معاذ

زبان بن فائد کے بارے میں حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ "تہذیب التہذیب صـ۳۰۸ ج ۳" میں فرماتے ہیں:

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

احادیثہ مناکیر۔

اور ابن معین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شیخ ضعیف،

اور ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

منکر الحدیث جدا ینفرد عن سہل بن معاذ بنسخۃ کانہا موضوعۃ لا یحتج بہ۔

اور الساجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عندہ مناکیر،

دوسرے راوی سہل بن معاذ بن انس الجہنی کے متعلق "تہذیب التہذیب صـ۲۵۸ ج ۴" میں فرماتے ہیں:

نزل مصر روی عن ابیہ وعنہ یزید بن ابی حبیب وابو مرحوم عبد الرحیم بن میمون وفروۃ بن مجاہد واسمعیل بن یحییٰ المعافری وزبان بن فائد

والليث بن سعد ويحيى بن أيوب وغيرهم، قال أبو بكر بن أبي خيثمة عن ابن معين ضعيف، وذكره ابن حبان في الثقات. قلت لكن لا يعتبر بحديثه ما كان من رواية زبان بن فائد عنه، وذكره في الضعفاء فقال منكر الحديث جداً فلست أدري أوقع التخليط في حديثه منه أو من زبان فإن كان من أحدهما فالأخبار التي رواها ساقطة.

دوسرے: اگر ان دونوں حدیثوں کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو "فی سبیل اللہ" کے مفہوم میں درس و تدریس، تحصیل علم دین، وعظ و نصیحت، اصلاح باطن، دعوت و تبلیغ، خواہ تبلیغی جماعت کے ذریعہ یا کسی اور طریق سے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلنا اور امر بالمعروف نہی عن المنکر وغیرہ کے تمام شعبے شامل ہیں، ان سب کے لئے یہ ثواب ثابت ہوگا۔ یہ ثواب صرف تبلیغی جماعت کے ساتھ خاص نہیں ہے، جماعت کے ساتھ نکلنے میں اس ثواب کو خاص کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے محض جہالت اور کم علمی کی بات ہے،

في الترغيب والترهيب ص ۲۵۷ ج ۲:

ذكرت فيه ثمانية أنواع للجهاد في سبيل الله وعددت فيها محاربة الكفار والعمل لنصرة دين الله ودعوة الناس إلى الحق وحثهم على العمل بكتاب الله تعالى وسنة نبيه صلى الله عليه وسلم ومجاهدة النفس بالتحلي بالمكارم والتخلي عن الرذائل وتعلم أمور الدين والسير على منهاج سيد المرسلين ثم العمل بأحكام الشريعة الغراء حتى يتبع شرعها في دعوته ومجاهدة الشيطان بدفع ما يأتي به من الشبهات وما يزينه من الشهوات ونصب العالم نفسه للإرشاد والوعظ والهداية والنصيحة وتفهيم الناس الآيات القرآنية والأحاديث النبوية والأحكام الفقهية والسيرة النبوية وتاريخ أبطال الإسلام وحماته وصحبة الصالحين وزيارة المتقين ومودة العلماء بعد الاستضاءة بأنوارهم ولاقتفاء آثارهم.

هذا ما خصصت من الترغيب والترهيب من شاء التفصيل فارجع إليه.

(۲) اصل بنیاد اس ثواب کو حاصل کرنے کے لئے اخلاص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلنا یا دین کے کام میں لگنا ہے، لہذا جب بھی اللہ تعالیٰ کے لئے علم دین

تبلیغی جماعت اور اخلاص کی کوشش —————

حاصل کرنا یا درس و تدریس اختیار کرنا یا جہاد کرنا یا دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت وغیرہ کے لئے نکلنا یا اس کام میں مصروف ہونا پایا جائے گا تو مذکورہ ثواب ملے گا خواہ اس نیت سے نکل کر اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھے خواہ دوسرے محلہ کی مسجد میں، مسجد کے قریب اور دور ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا، اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے گو اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ ما نوی۔ (بخاری)

چھ نمبر جو تبلیغی جماعت میں رائج ہیں یہ دین سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے بزرگوں نے منتخب فرمائے ہیں، لیکن پورا دین انہی کو سمجھنا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ تو اکثر عبادات سے متعلق ہیں، ان کے علاوہ بھی دین کے بہت اہم شعبے ہیں جو انسان کی اجتماعی وانفرادی، معاشی وسیاسی زندگی سے متعلق ہیں، انھیں سیکھنا بھی ضروری ہے۔

چھ نمبروں کا روزانہ یا صبح وشام تذکرہ کرنا اور اس پر عمل کرنے کی تلقین کرنا درست ہے اور باعث اجر ہے لیکن ان کے تذکرہ کو فرض و واجب سمجھنا اور جو انکو نہ سُنے اس پر طعن کرنا اور طرح طرح کے فتوے جڑنا یہاں تک کہ نہ سُننے والوں کو مسلمان بھی نہ سمجھنا سراسر ناجائز اور کھلی گمراہی ہے۔

اسی طرح چھ نمبروں کے تذکرہ کے دوران دوسروں کو کلام پاک کی تلاوت، ذکر و تسبیح و دیگر عبادات سے روکنا اور یہ کہنا کہ چھ نمبروں کے بیان کے دوران دوسرا کوئی نیک عمل قابل قبول نہیں، بدترین گمراہی اور سخت غلو اور جہالت کی بات ہے جس سے توبہ واجب ہے، اور آئندہ ایسا طرز عمل اختیار کرنے سے گریز لازم ہے۔

فی رد المحتار ص ۶۶۰ ج ۱:

اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الا ان یشوش جهرهم علی نائم او مصل او قارئ

وفی خلاصة الفتاوی ص ۱۰۲ ج ۱:

رجل یکتب الفقه وبجنبه رجل یقرأ القرآن ولا یمکنه استماع القرآن فالاثم علی القارئ وعلی هذا لو قرأ علی السطح فی اللیل جهرا والناس نیام یأثم۔

(۳) رائے ونڈ کو کعبۃ اللہ پر فضیلت دینا بدترین غلو اور گمراہی ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ نکلنے یا رائے ونڈ کے تبلیغی اجتماع میں شامل ہونے

تبلیغی جماعت کا اجتماع سالانہ کرونڈ ________ ۸

یا دنیا میں کسی اور جگہ ہونے والے تبلیغی اجتماع میں شریک ہونے کی صورت میں انچاس کروڑ کا ثواب بالفرض تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ تبلیغ کی اس خاص صورت میں منحصر نہیں بلکہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلے گا اور دین کی کسی بھی خدمت میں لگے گا اس کو اپنی ہر عبادت پر انچاس کروڑ گنا ثواب ملیگا، بشرطیکہ ان دونوں حدیثوں کو قابل استدلال تسلیم کرلیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلنا عام ہے خواہ علم دین حاصل کرنے کے لئے نکلے خواہ جہاد کرنے کے لئے نکلے خواہ مسلمانوں کی اعانت ونصرت کے لئے یا کسی اور کار خیر کے لئے نکلے یہ سب صورتیں فی سبیل اللہ میں داخل ہیں۔ لہٰذا جو شخص بیت اللہ شریف میں تبلیغ کے لئے یا علم دین حاصل کرنے کے لئے یا حج یا عمرہ کرنے کے لئے جائے گا تو اس کو اللہ کے راستے میں نکلنے کا ثواب بھی ملیگا اور خاص بیت اللہ شریف کی فضیلت یعنی ایک لاکھ گنا ثواب ملنے کی فضیلت بھی حاصل ہوگی، اس طرح اس کا ثواب انچاس کروڑ سے بھی شاید کئی گنا بڑھ جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ، اور رائے ونڈ جانے پر بیت اللہ شریف والی فضیلت حاصل نہ ہوگی، اس لحاظ سے رائے ونڈ کو بیت اللہ شریف پر ہرگز ہرگز فضیلت حاصل نہیں۔

اور یہ کہنا کہ "رائے ونڈ میں تبلیغی کام ہوتا ہے اور بیت اللہ شریف میں نہیں ہوتا۔"

یہ بھی محض غلط، تعصب اور جہالت کی بات ہے، خانہ کعبہ کے اندر بھی تبلیغ دین کا کام اور مختلف انداز سے دینی خدمت ہوتی ہے، گو تبلیغی جماعت کے ماتحت نہ ہوتا ہو۔

اشاعت دین اور تبلیغ دین کسی بھی جائز طریقہ سے ہو وہ درست اور معتبر ہے، تبلیغی جماعت کے ساتھ مل کر تبلیغی جماعت کے اصول وقواعد کی روشنی میں تبلیغ کرنا شرعاً کوئی فرض و واجب نہیں، نیز تبلیغ دین تبلیغی جماعت کے ساتھ کام کرنے میں شرعاً منحصر نہیں، جو کوئی ایسا سمجھتا ہے یہ اس کی جہالت ہے یا غلو ہے جو کھلی گمراہی ہے۔

فی کنز العمال ص ۱۳۲ ج ۱۲ :

ان اللہ تعالیٰ ینزل علی هذا المسجد مسجد مكة فی كل يوم وليلة عشرين ومائة رحمة ستين للطائفين واربعين للمصلين وعشرين للناظرين۔

وفی سنن ابن ماجة ص ۱۰۲ :

عن انس بن مالك رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم صلوة الرجل فی بيته بصلوة وصلوته فی مسجد القبائل بخمس وعشرين صلوة وصلوته فی المسجد الاقصی بخمسين الف صلوة وصلوته فی مسجدی بخمسين

الف صلوٰۃ وصلاۃ فی المسجد الحرام بمائۃ الف صلوٰۃ ۔

تنبیہ:

واضح ہو کہ سوال میں تبلیغی جماعت کے جن بعض افراد کا حال تحریر کیا گیا ہے ان کا یہ انفرادی حال اور انفرادی طرزِ عمل ہے، جو ان افراد کی نادانی، جہالت اور تبلیغ کی شرعی حقیقت سے ناواقف ہونے پر مبنی ہے، ان کی اس نادانی اور جہالت کی وجہ سے پوری تبلیغی جماعت کو غلط سمجھنا اور ان جیسا سمجھنا درست نہیں ہے۔ تبلیغی جماعت مجموعی اعتبار سے صحیح جماعت ہے اور اس پر خیر غالب ہے، اس کے ذریعے خلقِ خدا کو دینی نفع پہنچ رہا ہے جو قابلِ قدر ہے، اعتدال پر قائم رہتے ہوئے اس جماعت کے ساتھ تعاون اور شرکت بلاشبہ نافع اور مفید ہے، بعض افراد کی نادانی کی وجہ سے ساری جماعت کو غلط سمجھنا اور اس کی نافعیت سے انکار کرنا غلط اور جہالت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: بندہ محمد شبیر محمد پاری عفی عنہ
دارالافتاء دارالعلوم کراچی

الجواب صحیح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۱-۲-۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح
عبدالرؤف سکھروی
دارالافتاء والارشاد دارالعلوم کراچی
۱۱-۲-۱۴۰۹ھ

نائب مفتی دارالعلوم کراچی

الجواب صحیح

الجواب صحیح

نائب مفتی دارالافتاء

۱۴-۸-۱۴۱۰ھ

سوال متعلق بالا:

سوال: تبلیغ میں نکلنے پر "انچاس کروڑ" کے ثواب کے بارے میں دار العلوم سے ایک فتویٰ لکھا گیا تھا جس پر آپ کی بھی تصدیق ہے۔ ایک مولوی صاحب نے اسکے خلاف لکھا ہے جس کی کاپی ارسالِ خدمت ہے، اس پر نظر فرما کر فیصلہ تحریر فرمائیں۔

دار العلوم کے فتویٰ کے خلاف تحریر:

بعض روایات کے ظاہر سے یہ کہنا درست ہے کہ راہِ خدا میں نکل کر ایک نماز کی ادائیگی کا ثواب دوسری عام نمازوں سے انچاس کروڑ گنا ہے۔

عن عمران بن حصین عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ارسل بنفقة فی سبیل اللہ واقام فی بیته فله بکل درهم سبعمائة درهم یوم القیامة ومن غزا فی سبیل اللہ وانفق فی وجهه ذلك فله بکل درهم سبعمائة الف درهم ثم تلا هذه الآیة واللہ یضاعف لمن یشاء۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے بروایت ابن ابی حاتم نقل کرکے فرمایا:

هذا حدیث غریب (تفسیر ابن کثیر ص۳۱۷ ج۱)

عن معاذ بن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الصلوٰة والصیام والذکر یضاعف علی النفقة فی سبیل اللہ عز وجل بسبعمائة ضعف۔ رواه ابوداؤد فی باب تضعیف الذکر۔

شارح رحمہ اللہ نے فرمایا:

ولفظ احمد فی مسنده قال ان الذکر فی سبیل اللہ تعالیٰ یضعف فوق النفقة بسبعمائة ضعف وفی روایة یحیی فی حدیثه بسبعمائة الف ضعف، والحدیث ضعیف لان فی سنده زبان بن فائد وسهل بن معاذ (بذل المجهود ص۲۰۳ ج۱۱)

یہاں حدیث ثانی میں "یضاعف علی النفقة" کہا گیا ہے اور نفقہ کا ثواب حدیث اول میں بتلایا گیا، لہٰذا دونوں حدیثوں میں مذکور ثواب کو باہم ضرب دیا جائے تو حاصلِ ضرب انچاس کروڑ نکل آتا ہے اور ضرب دینے کے بعد حدیث ثانی کے خط کشیدہ الفاظ کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔

تبلیغی جماعت اور انچاس کروڑ ـــــــ ۱۱

اب رہی یہ بات کہ کیا مذکورہ دونوں حدیثیں اس قابل ہیں کہ ان سے یہ مدعیٰ ثابت کیا جائے۔

تو جہاں تک حدیث اول کا تعلق ہے اس کے سلسلے میں عرض ہے کہ اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی خلیل بن عبداللہ بھی ہیں۔ ان کو بعض کتابوں میں غیر معروف کہا گیا ہے لیکن یہی حدیث چونکہ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے بھی مروی ہے، جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے

مثل الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ
کے تحت روایت کی ہے (ج ۱ پ ۳ ع ۳)

اور محدثین کے ہاں بالعموم معروف ہے کہ اگر ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ کوئی روایت ذکر کرے اور اس کے راویوں پر جرح نہ کرے تو یہ توثیق کی علامت ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سکوت ابن ابی حاتم او البخاری عن الجرح فی الراوی توثیق لہ قال الحافظ فی "تعجیل المنفعۃ" فی مواضع عدیدۃ ذکرہ ابن ابی حاتم ولم یذکر فیہ جرحا، منہا فی ص ۲۰۳ فی ترجمۃ عاصم (عاصم بن صہیب) و فی ص ۲۱۹ فی ترجمۃ (عبداللہ بن الحصین) وفی ص ۲۲۲ فی ترجمۃ (عبداللہ بن سعید عن عبداللہ بن ابی اوفی) وفی ص ۲۲۵ فی ترجمۃ (عبداللہ بن عباد) وفی ص ۲۴۵ فی ترجمۃ (عبد ربہ بن میمون) وفی ص ۲۵۴ فی ترجمۃ (عبدالرحمٰن بن عقبۃ) وصنیعہ یدل علی ان سکوت ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ عن الجرح توثیق کسکوت البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۵۸)

لہٰذا اس حدیث سے استدلال صحیح ہے۔

رہ جہاں تک حدیث ثانی کا تعلق ہے تو اس حدیث کو اگرچہ ضعیف کہا گیا ہے لیکن یہ ضعف اس درجے کا نہیں ہے جس کی بنا پر اس کو مسترد کیا جائے۔

سہل بن معاذ کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سہل بن معاذ کے بارے میں فرمایا ہے:

سهل بن معاذ الجهنی نزیل مصر لا بأس به الا فی روایات زبان

ابن فائد عنه، من الرابعة (تقریب التهذیب ص ۲۵۸)

یعنی سہل سے حدیث روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں الا یہ کہ ان سے زبان بن فائد

روایت کرے اور ان کا تعلق محدثین کے طبقہ رابعہ سے ہے۔

البتہ زبان بن فائد کے بارے میں حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

زبان بن فائد هو ضعیف الحدیث مع صلاحه وعبادته (تقریب ص۲۱۳)

یعنی زبان بن فائد اپنی ورع وعبادت کے باوجود حدیث میں ضعیف ہے۔

لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں سے صرف دوسری حدیث کو صرف زبان کی وجہ سے

ضعیف قرار دیا گیا ہے لیکن اس درجہ کے ضعف کے لئے

انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب،

جابر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس آیت کے عموم میں اجر مخصوص بھی داخل ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: لما نزلت مثل الذین ینفقون

اموالهم فی سبیل اللہ کمثل حبة انبتت سبع سنابل فی کل سنبلة

مائة حبة واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ واسع علیم ٥

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رب زد امتی فنزلت: انما یوفی

الصابرون اجرهم بغیر حساب، رواہ ابن حبان فی صحیحه والبیهقی

(ترغیب وترهیب ص۲۴۶ ج ۱)

بہرحال مذکورہ دونوں حدیثیں اگرچہ متکلم فیہ ہیں لیکن یہ ضعف اس درجہ کا نہیں جس

کی وجہ سے ان پر عمل نہ کیا جا سکے۔

جیسا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس راوی کے بارے میں محدثین کرام

ضعیف، مجہول وغیرہ الفاظ کہہ دیں تو وہ حدیث ضعیف متروک العمل نہیں ہوگی بلکہ وہ

معتبر اور قابل استدلال قرار پاتی ہے۔

وقولهم لیس بقوی ..... واذا قالوا ضعیف الحدیث فدون لیس

بقوی ولا یطرح بل یعتبر به (تدریب الراوی ص۲۳۳ ج۱)

ومن الفاظهم فلان روی عنه الناس، وسط، مقارب الحدیث ....

مجهول ... ما اعلم به باسا. وليستدل على معانيها بما تقدم

(تدریب الراوی ص ۲۹۸ ج ۱)

لیکن یہ بات کہ حدیث ضعیف کو فضائل کے حلقوں میں بیان کر سکتے ہیں یا نہیں اور اس کے ساتھ ضعف کو بیان کرنا بھی ضروری ہوگا یا نہیں؟

اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ حدیث میں اگر شدید درجہ کا ضعف نہیں اور وہ موضوع بھی نہیں ہے تو اس کا بیان کرنا بدون بیان ضعف درست ہے بلکہ بعض محدثین نے فضائل میں بیان ضعف سے چشم پوشی اور تساہل کو واجب قرار دیا ہے۔

البتہ اگر حدیث موضوع ہے تو اس کے وضع پر تنبیہ کئے بغیر بیان کرنا جائز نہیں۔

واما الموضوع فلا يجوز العمل به بحال ولا روايته الا اذا قرن ببيانه.

قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله بحال) اى ولو فى فضائل الاعمال، قال ط اى حيث كان مخالفا لقواعد الشريعة، واما لو كان داخلا فى اصل عام فلا مانع منه لا لجعله حديثا بل لدخوله تحت الاصل العام اه ثم مل.

(قوله الا اذا قرن) اى ذلك الحديث المروى ببيانه اى بيان وضعه اما الضعيف فتجوز روايته بلا بيان ضعفه

(الدر المختار مع الشامية ص۸۷ ج ۱ ایچ ایم سعید)

اسی طرح خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب التشدد فی احادیث الاحکام والتجوز فی فضائل الاعمال کے تحت کئی قول اہل علم کے اسی سے متعلق ذکر کئے ہیں۔

(۵) اخبرنا محمد بن احمد بن يعقوب قال انا محمد بن نعيم قال سمعت ابا زكريا العنبرى يقول الخبر اذا ورد لم يحرم حلالا ولم يحل حراما ولم يوجب حكما وكان فى ترغيب او ترهيب او تشديد او ترخيص وجب الاغماض عنه والتساهل فى روايته.

(كتاب الكفاية ص ۱۳۳)

اسی طرح ابن صلاح رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

یجوز عند أهل الحدیث وغیرهم التساهل في الأسانید وروایة ما سوی الموضوع من أنواع الأحادیث الضعیفة من غیر اهتمام ببیان ضعفها فیما سوی صفات الله تعالیٰ وأحکام الشریعة من الحلال والحرام وغیرهما وذلك كالمواعظ والقصص وفضائل الأعمال وسائر فنون الترغیب والترهیب وسائر ما لا تعلق له بالأحکام والعقائد وممن روینا عنه التنصیص علی التساهل في نحو ذلك عبد الرحمن بن مهدي وأحمد بن حنبل رضي الله عنهما (علوم الحدیث لابن صلاح ص۱۳)

تدریب الراوی میں ہے:

وعبارة الزرکشي: والضعیف مردود ما لم یقتض ترغیبا أو ترهیبا أو تتعدد طرقه ولم یکن المتابع منحطا عنه، وقیل لا یقبل مطلقا وقیل إن شهد له أصل واندرج تحت عموم اتفاق ویعمل بالضعیف في الأحکام أیضا إذا کان فیه احتیاط

عبد الوہاب عبد اللطیف نے اپنی تعلیق علی التدریب میں لکھا ہے:

نص علی قبول الضعیف في فضائل الأعمال أحمد بن حنبل وابن سید الناس والنووي والعراقي والسخاوي وشیخه زکریا وابن حجر العسقلاني والسیوطي وعلي القاري بل ذهب ابن الهمام إلی أنه یثبت به الاستحباب ونقل اتفاق النووي وابن حجر المکي والجلال الدواني، وممن منع العمل به (إلا ببیانه) الشهاب الخفاجي والجلال الدواني وتوسع في القبول فیه وفصل اللکنوي في ظفر الأماني۔

(تدریب الراوی ص۱۹۹)

مذکورہ عبارات سے خلاصہ یہ نکلا ہے کہ فضائل اعمال سے متعلق احادیث ضعیفہ کو بیان ضعف کے بغیر ذکر کرنا درست ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ ان حدیثوں میں شدید ضعف کا انکار صحیح نہیں، بالخصوص حدیث ثانی میں۔

محرر نے حدیث اول تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہے اور اسمیں صنیع ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی توثیق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو صحیح نہیں۔

محرر کا "ھذا حدیث غریب" کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول قرار دینا وہم ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ تنقید و جرح خود ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے فرمائی ہے، لفظ "غریب" کا اطلاق کبھی "شاذ و منکر" پر بھی ہوتا ہے۔

قال الشیخ عبد الحق رحمہ اللہ تعالیٰ:

والغریب قد یقع بمعنی الشاذ ای شذوذا وھو من اقسام الطعن فی الحدیث وھذا ھو المراد من قول صاحب المصابیح من قولہ ھذا حدیث غریب لما قال بطریق الطعن۔

وقال فی الفصل المتقدم:

وسوء الحفظ ان کان لازما حالہ فی جمیع الاوقات مدۃ عمرہ لا یعتبر بحدیثہ وعند بعض المحدثین ھذا ایضا داخل فی الشاذ (مقدمۃ المشکوٰۃ ص ۴)

حدیث زیر بحث کو فتویٰ میں مذکور تفصیل کے مطابق ابن الجوزی، ذہبی، حافظ ابن حجر، منذری اور دارقطنی جیسے ائمہ جرح و تعدیل نے "ضعیف و منکر" قرار دیا ہے، اس کے پیش نظر ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول "ھذا حدیث غریب" سے ان کی مراد واضح ہو جاتی ہے۔

محرر نے ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت سے اثبات توثیق کے لئے جس قدر کاوش و محنت کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مقصد کے لئے کتب جرح و تعدیل کے تفحص و تنقیر میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا اسکے باوجود کامیاب نہ ہو سکے تو بالآخر ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کی روایت کا سہارا لیا جس کا حال بتایا جا چکا ہے۔

یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ صرف اس ایک حدیث کی توثیق سے مدعیٰ ثابت نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ "انچاس کروڑ" کا حساب دونوں حدیثوں کے مجموعہ پر مبنی ہے۔

شرط ثالث: دخول فی اصل عام

واللہ یضاعف لمن یشاء اور انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب میں ان احادیث کے مضمون کا احتمال اس لئے صحیح نہیں کہ اس اصل میں "بغیر حساب" ہے اور احادیث سے انچاس کروڑ کا حساب ثابت کیا جاتا ہے۔

شرط رابع: عدم اعتقاد السنیۃ۔

تبلیغی جماعت اور انچاس کروڑ ——————

عام تبلیغی بھائی اسے سنت سے بھی بڑھ کر فرض سمجھتے ہیں۔

رواية الحديث الضعيف:

قال الإمام الطحطاوي رحمه الله تعالىٰ معزيا للتقريب وشرحه:

إذا أردت رواية حديث ضعيف بغير إسناد فلا تقل قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وما أشبه ذلك من صيغ الجزم بل قل روي عنه كذا أو بلغنا أو ورد أو جاء أو نقل وما أشبه ذلك من صيغ التمريض وكذا فيما تشك في صحته وضعفه، أما الصحيح فاذكره بصيغة الجزم ويقبح فيه صيغة التمريض كما يقبح في الضعيف صيغة الجزم (حاشية الطحطاوي على المراقي ص۲۳)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ:

أما الضعيف فتجوز روايته بلا بيان ضعفه لكن إذا أردت روايته بغير إسناد فلا تقل قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وما أشبهه من صيغ الجزم بل قل روي كذا أو بلغنا كذا أو ورد أو جاء أو نقل عنه وما أشبهه من صيغ التمريض وكذا ما يشك في صحته وضعفه كما في التقريب (رد المحتار ص۸۱ ج۱)

محرر نے شامیہ کی عبارت مذکورہ سے صرف "اما الضعیف فتجوز روایتہ بلا بیان ضعفہ" نقل کرکے آگے تفصیل معلوم نہیں کس مصلحت سے چھوڑ دی ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا:

حدیث ضعیف اگر سند سے روایت کی جائے تو بیان ضعف ضروری نہیں اس لئے کہ اہل فن تحقیق سند سے مقام حدیث معلوم کرلیں گے۔

بلا سند روایت کی جائے تو بصیغۂ تمریض ضعف پر تنبیہ ضروری ہے،

لیکن اس زمانہ میں عوام بلکہ اکثر خواص بھی تحقیق سند کی نہ صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت سمجھتے ہیں، اسی طرح صیغۂ تمریض سے ضعف پر تنبیہ بھی ان کے فہم سے بالاتر ہے، اب تو جو شخص بھی لفظ "حدیث" سنتا ہے اسے یقیناً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہی سمجھتا ہے اس لئے بہرکیف روایت میں بیان ضعف لازم ہے۔

مزید برآں جب عمل بالضعیف کے لئے عدم اعتقاد السنیۃ شرط ہے تو بدون بیان ضعف اس شرط پر عمل کرنا کیسے ممکن ہوگا؟

فضائل کے بارے میں جو عبارات نقل کی گئی ہیں وہ شرائط مذکورہ کے ساتھ مقید ہیں کما هو ظاهر جداً۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۱ جمادی الآخرہ ۱۴۰۱ ہجری

الحاق

دار العلوم کراچی کے جواب میں مذکورہ تحقیق پر اعتماداً تصدیق کردی تھی، اس وقت زیادہ تعمق کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ بعد میں احسن الفتاوی کی تبویب کے دوران اس مسئلہ پر غور کرنے کا موقع ملا تو ثابت ہوا کہ اس جواب میں بعض باتیں خلاف تحقیق ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

اولاً: واقعہ یہ ہے کہ جہاد یا کسی دوسرے عمل سے متعلق کوئی ایسی صریح حدیث نہیں ملی جس کے الفاظ سے صاف صاف یہ ثابت ہو کہ جہاد وغیرہ میں نکل کر ایک نماز یا ایک تسبیح وغیرہ پڑھنے کا ثواب انچاس کروڑ کے برابر ملتا ہے، بلکہ یہ فضیلت دو حدیثوں کے مضمون کو ملا کر مستنبط کی گئی ہے، اس لئے جہاد کے لئے بھی یہ فضیلت اس طرح بیان کرنا کہ حدیث میں یوں ہے محل نظر ہے۔

ثانیاً: جن دو حدیثوں کے مضمون کو ملا کر یہ فضیلت مستنبط کی گئی ہے وہ دونوں سنداً ضعیف ہیں، ان پر مفصل کلام دار العلوم کراچی کے فتوی اور اس فتوی کے رد میں لکھی گئی تحریر کے جواب میں دار الافتاء والارشاد کے فتوی میں گزر چکا ہے۔

ثالثاً: اگر ان دونوں حدیثوں کو قابل استدلال تسلیم بھی کر لیا جائے تو چونکہ ان میں سے ایک روایت میں من غزا بنفسه کی تصریح ہے، اس لئے اس موقع پر فی سبیل اللہ میں عموم مراد لے کر اس فضیلت کو دین کے دوسرے شعبوں کے لئے عام و شامل ماننے کی کوئی گنجائش نہیں، بلکہ یہ فضیلت صرف غزوہ کرنے والے یعنی کفار کے خلاف برسر پیکار مجاہدین کے ساتھ خاص ہوگی۔

لہذا دعوت و تبلیغ ہو یا کوئی دوسرا شعبۂ دین، ان کے اپنے فضائل بہت ہیں انہی پر اکتفا کیا جائے، یہ مخصوص فضیلت ان کے لئے بیان کرنا کسی صورت صحیح نہیں۔

رابعاً: مذکورہ فضیلت دعوت و تبلیغ اور دوسری دینی خدمات کے لئے ان دو حدیثوں میں مذکور لفظ فی سبیل اللہ کو عام قرار دے کر مستنبط کی گئی ہے، جبکہ جہاد اور فی سبیل اللہ ان اصطلاحات شرعیہ میں سے ہیں جن کا عرف شرع میں خاص مصداق متعین ہے، وہ یہ کہ کفار سے لڑنے کے لئے میدان جہاد میں نکلے۔

احادیث یا اقوال علماء میں اس کے علاوہ کسی عمل پر اگر کبھی جہاد یا فی سبیل اللہ کا اطلاق

کیا گیا تو وہ مجازاً کیا گیا، اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ اس پر جہاد کے تمام فضائل حاصل ہوجائیں گے، جیسے لفظ "صلوٰۃ" کا اصطلاح شرع کے اعتبار سے حقیقی مصداق ایک مخصوص عمل ہے اور لغۃً اس کا اطلاق درود شریف اور دعاء پر بھی ہوتا ہے، مگر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ درود شریف پڑھنے یا دعاء مانگنے سے فریضۂ نماز سے سبکدوش ہوجائے گا اور اسے نماز کے تمام فضائل حاصل ہوجائیں گے۔

درحقیقت جہاد چونکہ بہت اونچا عمل ہے، اس لئے کسی عمل کی اہمیت بیان کرنے کیلئے اسے جہاد سے تشبیہ دے دی جاتی ہے، اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ وہ عمل بعینہٖ جہاد ہے اور اس پر جہاد کے تمام فضائل حاصل ہوجائیں گے۔ لہٰذا جہاد اور فی سبیل اللہ کے معنی حقیقی سے صرف نظر کرکے معنی مجازی اس طرح بیان کرنا کہ اسی کو حقیقی مصداق قرار دیا جانے لگے صحیح نہیں۔

چنانچہ سابق فتویٰ میں ۳ کا جو جواب دیا گیا ہے وہ فی سبیل اللہ کے عموم کو مدنظر رکھتے ہوئے دیا گیا ہے، جبکہ مندرجہ بالا تفصیل سے ثابت ہوگیا کہ اس میں عموم نہیں، لہٰذا اس پر متفرع جواب بھی صحیح نہیں۔

خلاصہ یہ کہ راہِ خدا کے لئے سفر سے یہ فضیلت بیان کرنا ہی صحیح نہیں، لہٰذا بیت اللہ کے لئے انچاس کروڑ سے زیادہ فضیلت ثابت کرنے کے تکلف کی ضرورت نہیں۔

قال الامام الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ فی تفسیر قولہ تعالیٰ "احصروا فی سبیل اللہ": والمعنی انہم حصروا انفسہم ووقفوها علی الجہاد وان قولہ "فی سبیل اللہ" مختص بالجہاد فی عرف القرآن (التفسیر الکبیر ص۷۶ ج۷)

وقال الحافظ السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی سبیل اللہ ای القائمین بالجہاد (جلالین ص۱۶۱)

وقال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: المتبادر الی الفہم من لفظ "فی سبیل اللہ" الجہاد (فتح الباری ص۲۱ ج۶)

وقال العلامۃ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ: واما سبیل اللہ فہو الجہاد بحق، قلنا نعم وکل عمل خیر فہو من سبیل اللہ تعالیٰ الا انہ لا خلاف فی انہ تعالیٰ لم یرد کل وجہ من وجوہ البر فی قسمۃ الصدقات فلم یجز ان توضع الا حیث بین النص وھو الذی ذکرناہ یعنی الغازی المنصوص فی الحدیث السابق (المحلی ص۱۵۱ ج۶)

وقال العلامة زاهد الكوثري رحمه الله تعالى: وهذا يدل على ان حمل لفظ "في سبيل الله" على الغازي موضع اتفاق بين من سبق ابن حزم من فقهاء الصحابة والتابعين وتابعيهم ومن بعدهم الى عصره (مقالات الكوثري ص)

قال الامام السرخسي رحمه الله تعالى: واما قوله تعالى "في سبيل الله" فهم فقراء الغزاة هكذا قال ابو يوسف رحمه الله تعالى (الى ان قال) وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى يقول الطاعات كلها في سبيل الله ولكن عند اطلاق هذا اللفظ المقصود بهم الغزاة عند الناس

(المبسوط ص ج ۳)

وقال الامام المرغيناني رحمه الله تعالى: "وفي سبيل الله" منقطع الغزاة عند ابي يوسف رحمه الله تعالى لانه هو المتفاهم عند الاطلاق وعند محمد رحمه الله منقطع الحاج۔

قال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى: ثم فيه (اي فيما نقل عن محمد رحمه الله تعالى) نظر لان المقصود ما هو المراد بسبيل الله المذكور في الآية والمذكور في الحديث لا يلزم كونه اياه لجواز انه اراد الامر الاعم وليس ذلك المراد في الآية بل نوع مخصوص والا فكل الامة في سبيل الله بذلك المعنى (فتح القدير ص ج ۲)

وقال الملا علي القاري رحمه الله تعالى: "وفي سبيل الله" منقطع الغزاة عند ابي يوسف رحمه الله تعالى لانه هو المفهوم من اطلاق هذا اللفظ فينصرف اليه لا غيره ويؤيده ما في البخاري انه عليه السلام قال ان خالدا احتبس ادراعه في سبيل الله" ولا شك ان الدرع للغزو لا للحج (شرح النقاية ص ج ۱)

وقال الحافظ العيني رحمه الله تعالى: قال ابن المنذر في الاشراف: قول ابي حنيفة وابي يوسف ومحمد رحمهم الله "في سبيل الله" هو الغازي غير الغني وحكى ابو ثور عن ابي حنيفة رحمه الله تعالى انه الغازي دون الحاج وذكر ابن بطال انه قول ابي حنيفة ومالك والشافعي رحمهم الله تعالى وذكر مثله النووي في شرح المهذب (عمدة القاري ص ج ۹)

ومثله في الشلبي بهامش التبيين (ص ج ۱) وفي مجمع الانهر والدر المنتقى بهامشه (ص ج ۱) والبحر الرائق (ص ج ۲) والطحطاوي على الدر (ص ج ۱) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۹ رجمادی الثانیہ سنہ ۱۳۹۲ھ

ملحوظہ: اصطلاح "جہاد" اور "فی سبیل اللہ" کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ زیر تصنیف ہے جس میں اس پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ مرتب۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

(البقرہ: ۲۶۱)

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے سات بالیں جمیں، ہر بال کے اندر سو دانے ہوں، اور یہ افزونی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں جاننے والے ہیں۔

قرآن
کے
خلاف
کمپیوٹری سازش

صدیقی ٹرسٹ
نسیم پلازہ نز لسبیلہ چوک۔ نشتر روڈ، کراچی ۵
Siddiqui Trust G.P.O. Box No. 609 Karachi No. 5 Pakistan

۲۱ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲ اکتوبر ۱۹۸۰ء

بخدمت جناب حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ

ناظم آباد نمبر ۴ کراچی

حضرت محترم زادت عنایتکم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک مصری عالم ڈاکٹر راشد خلیفہ کی تحقیق کے مطابق کمپیوٹر کے ذریعہ قرآن پر تحقیقات کا سلسلہ دنیا کے ممالک میں جاری ہے یہ سلسلہ اب پاکستان میں اسلام آباد یونیورسٹی میں بھی شروع ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلا مضمون "صفا روف" علی گڑھ میں شائع ہوا تھا، اس کی نقول پاک و ہند کے متعدد رسائل میں بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ اور اب یہ مضامین عربی اخبار و جرائد میں بھی شائع ہو رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں **۱۹** کا ہندسہ خاص طور پر زیر بحث آیا ہے کہ یہی تحقیق سب سے اول شائع ہوئی تھی اس پر متعدد حضرات نے اعتراضات بھی شائع کئے ہیں لیکن یہ اعتراضات محدود پیمانہ پر سامنے آئے ہیں۔

اب ایک پاکستانی مسلمان برطانیہ سے یہ تحریر کرتے ہیں کہ علماء کرام کی رائے اس سلسلہ میں دریافت کی جائے۔

ڈاکٹر راشد خلیفہ کی تحقیق بصورت انگریزی رسالہ، اور دیگر حضرات کی تحقیقات بصورت اردو رسالہ "قرآن کریم کا اعجاز" ہمراہ روانہ خدمت ہے۔

براہ کرم اس سلسلہ میں جواب سے مطلع فرمایئے کہ یہ تحقیقات اسلامی تعلیمات کے منافی تو نہیں ہیں اور اس کی اشاعت جائز ہے یا یہ طریق کار خلاف اسلام ہے؟ والسلام

احقر الناس خادم: محمد منظور الزمان

قرآن کے خلاف کمپیوٹری سازش ـــــ ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم جناب محمد منصور الزمان صاحب، صدیقی ٹرسٹ کراچی۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قرآنِ کریم کے کمپیوٹری تجزیہ سے متعلق آپ کا استفسار موصول ہوا، جواب ارسال ہے۔

الجواب باسم ملہم الصواب

میں زبان وقلم کی طرح آنکھ اور کان کی بھی لغویات سے حفاظت کا اہتمام کرتا ہوں، مسلمان کا ان میں کچھ لغو باتیں پڑ ہی جاتی ہیں، بالخصوص تو کسی کو کم ہی ہمت ہوتی ہے ٹیلیفون پر اس کا شکار ہو جاتا ہوں، اسی سلسلہ کی ایک خبر وہ بھی ہے جس سے متعلق استفسار کیا گیا ہے، کچھ عرصہ قبل ایک صاحب نے بذریعہ فون بزعم خود اس عجیب انکشاف کی خبر سے میرے کان کو ملوث ومتوحش کیا، میں اس وقت اس کا حاصل صرف یہ سمجھا کہ ماڈرن مسلم کے نمونہ ماڈل جوڑے کو ابلیس نے روحِ قرآن کے فہم اور اس کے مطابق عمل سے غفلت میں رکھنے کے لئے ایسی لغویات کو ان کی نظر میں مزین کر دیا ہے اور ان کو اس فریب میں مبتلا کر دیا ہے کہ بس حاصلِ قرآن یہی ہے، مگر بعد میں جب یہ سنا کہ یہ ایک تحریک کی صورت اختیار کر گیا ہے اور اس کی نشر واشاعت کی مہم چلائی جا رہی ہے تو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں اس کے پس پشت کوئی طاغوتی قوت تو کار فرما نہیں؟ اور دشمنانِ اسلام اعجازِ قرآن کے نام سے اسلام وقرآن کے خلاف سازش میں تو مصروف نہیں؟

سازش کے دو رُخ:

اس سازش کے دو رُخ ہو سکتے ہیں۔

پہلا رُخ:

فرقہ بہائیہ کے مقدس عدد "انیس ۱۹" کو پورے قرآن کا محور ثابت کر کے یہ تأثر دیا جائے کہ بہائیت نہ صرف یہ کہ قرآن سے ثابت ہے بلکہ پورے قرآن کی روح ہے۔

فرقہ بہائیہ نے اس عدد کا تقدس ہند کی جاہلیت قدیمہ سے لیا ہے جس میں "انیس" کے عدد کو اس لئے متصرف ومؤثر گردانا جاتا تھا کہ یہ سب سے چھوٹی اکائی اور سب سے بڑی اکائی یعنی ایک اور نو کا مجموعہ ہے۔

مذہب بہائی کا اصل بانی علی محمد باب ہے، ان کے عقیدہ میں یہ باب ظہورِ الٰہی تھا،

اس کے بعد اس کی اُمت کے مختلف فرقے ہوگئے جن میں سے بہاء الدین کے پیروکار بہائی کہلاتے ہیں اس لئے فرقہ بہائیہ بھی مذہب بابی ہی کے شجرۂ خبیثہ کا ثمرہ ہے۔

علی محمد باب ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوا جس کے اعداد کا مجموعہ "انیس ۱۹" ہے۔ ۱+۸+۱+۹ = ۱۹، اس بنا پر فرقۂ بہائیہ کے عقیدہ میں یہ عدد بہت مقدس اور پوری کائنات کا محور ہے اسی لئے یہ لوگ سال میں انیس ۱۹ مہینے اور ہر ماہ انیس ۱۹ دن کا شمار کرتے ہیں، اپنی تحریریں اسی عدد سے شروع کرتے ہیں، اور اپنی معبدوں و تبلیغی مرکزوں (بہائی ہال) کی دیواروں پر یہ عدد نمایاں طور پر لکھتے ہیں۔

ان کا مرکز فلسطین میں مقام "عکہ" ہے، حکومت اسرائیل کی سرپرستی میں انکی تبلیغی سرگرمیاں جاری ہیں، امریکہ میں ان کی کافی تعداد ہے، ممکن ہے کہ "قرآن کا کمپیوٹری اعجاز" انہی کی سازش ہو۔

دوسرا رُخ :

سازش کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ اس عدد کے محور قرآن ہونے کی خوب تشہیر کی جائے حتّٰی کہ مسلمان بھی اس فریب میں آجائیں، اور اس غلط نظریہ کو قبول کرلیں کہ "انیس ۱۹" کا عدد قرآن میں وجہ اعجاز ہے اور پورے قرآن کا محور ہے، اس کے بعد پینترا بدل کر اس عدد کی نحوست کی تشہیر شروع کردی جائے، مثلاً :

جہنم کے فرشتے انیس ۱۹ ہیں۔

نارُ جہنّمَ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ کے حروف مکتوبہ انیس ۱۹،

فرعون، ہامان، شداد، نمرود کے حروف مکتوبہ کا مجموعہ انیس ۱۹،

بعض عامل بچھو کا زہر اتارنے کے لئے زمین پر گول دائرہ میں انیس ۱۹ کا عدد لکھ کر اس پر جوتے مارتے ہیں وغیرہ وغیرہ،

اس سے یہ ثابت کریں :

معاذ اللہ قرآن انسان کو ملائکۂ جہنم کے سپرد کرتا ہے،

ہمیشہ کے لئے نارِ جہنم میں پھینکتا ہے،

فرعون جیسے کفار کے زمرہ میں شامل کرتا ہے،

قرآن کے خلاف کمپیوٹری سازش ــــــ ۳

حیاتِ قلب کے لئے سمِ قاتل ہے وغیرہ ،

اللہ تعالیٰ ایسے نظریات سے حفاظت فرمائیں۔

یا اسی قسم کے اعداد کسی دوسرے کلام میں دکھادیں، اس طرح قرآن کی حقانیت و اعجاز کو مخدوش کرنے کی کوشش کریں ،

اگر بالفرض اس تحریک میں شیطان کے کسی انسانی کارندہ کا ہاتھ نہ بھی ہو تو براہِ راست شیطان خود اس کی کمان کررہا ہے ، اس لئے کہ اس میں مذکورہ دو مقاصد بہر کیف موجود ہیں خواہ اس میں کسی دشمنِ اسلام انسان کی سازش ہو یا نہ ہو

قرآن کے کمپیوٹری تجزیہ کے مقاصد :

مزید برآں اس میں دوسرے مقاصد بھی ہیں مثلاً :

(۱) اس تحریک کی بدولت مسلمان قرآن کی دعوت اور اس پر عمل سے اور زیادہ غافل ہو جائیں گے :

اس زمانہ کے مسلمانوں کی اکثریت قرآن کے ساتھ صرف ایسا تعلق رکھنا چاہتی ہے جس میں دعوتِ قرآن پر غور و فکر کی مشقت اور قرآن پر عمل کے مجاہدہ کی بجائے پیٹ اور آنکھ کان وغیرہ کی لذت حاصل ہو، اس میں ان کے دو فائدے ہیں :

(۱) تدبر قرآن ، ترکِ منکرات اور حدود اللہ پر قائم رہنے کی محنت و مشقت کی بجائے راحت و نفسانی لذت ۔

(۲) اس طریقہ کار سے یہ فریب دہی مقصود ہے کہ یہ لوگ محبتِ قرآن کے حقوق ادا کررہے ہیں اور سراپا مخالفتِ قرآن کے باوجود عشقِ قرآن میں مرے جارہے ہیں ؎

ہم فراقِ یار میں گھل گھل کے ہاتھی ہوگئے
اتنے گھلے اتنے گھلے رستم کے ساتھی ہوگئے

(۲) دماغ و فکری قوتوں اور قیمتی وقت کی اضاعت ۔

محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

" بندہ سے اللہ تعالیٰ کے اعراض کی یہ علامت ہے کہ بندہ لایعنی کاموں میں مشغول ہو جائے ۔"

اور فرمایا :

" لایعنی کاموں سے احتراز حُسنِ اسلام کی علامت ہے ۔"

قرآن کے خلاف کمپیوٹری سازش ——— ۵

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم غیر نافع، قلب غیر خاشع اور دُعاء غیر مستجاب سے پناہ مانگی ہے۔

ان تینوں جملوں میں یہ ربط ہے کہ اجابتِ دُعا خشوعِ قلب پر موقوف ہے اور خشوعِ قلب علم غیر نافع سے احتراز پر موقوف ہے۔

شیطان اپنی اس کامیابی پر کتنا مسرور ہوگا کہ خدمتِ دین میں ایسے منہمک لوگ جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دنیا ومافیہا سے زیادہ قیمتی ہے اور وہ پاسِ انفاس کی صورت کی بجائے اس کی روح کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں، آج وہ بھی ایسی لغویات کی تردید میں مشغول ہیں۔

عدد انیس (۱۹) کے وجہ اعجازِ قرآن ہونے کا ابطال:

انیس (۱۹) کے عدد کو محورِ قرآن اور وجہ اعجاز قرار دینا بوجوہ ذیل بالکل لغو، باطل اور نقل وعقل کے سراسر خلاف ہے۔

(۱) شریعت میں اس عدد کی کوئی خصوصیت وفضیلت نہیں، عقلاً بھی یہ کوئی کمال نہیں، ایسے مفروضات تو ہر کس وناکس کے کلام میں نکالے جاسکتے ہیں، اگر ایسے ساقط امور کو وجہ اعجاز فرض کرلیا جائے تو معاذ اللہ کلام حریری کلام اللہ سے زیادہ معجز قرار پائے گا۔

تعدادِ حروف کا قرآن وحدیث میں قطعاً کوئی اعتبار نہیں، نہ ہی فنِ فصاحت وبلاغت میں اس کا کوئی اعتبار ہے، نہ ہی اور کسی لحاظ سے اس میں کوئی حسن وخوبی ہے۔

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے انیس (۱۹) حروف ہونے کی وجہ سے جس طرح اس عدد کا تقدس ثابت کیا جارہا ہے، اسی طرح بعض دوسرے کلمات کے عدد سے اس کی نحوست پر استدلال کیا جاسکتا ہے، جس کی چند مثالیں اوپر لکھی جاچکی ہیں، وجہ ترجیح کیا ہے؟

(۳) اگر بالفرض عددِ حروف ہی پر قرآن کی بنیاد ہوتی تو اسم ذات "اللہ" کے حروف بنیادی قرار پاتے۔

(۴) نزولِ قرآن کے زمانے میں تین، چار، پانچ، چھ، سات، دس اور ہزار کے اعداد خصوصیاتِ ریاضیہ کی وجہ سے کثرت کے لئے استعمال ہوتے تھے، بالخصوص سات کا عدد زیادہ مشہور تھا، اسی کی قوت کی وجہ سے اس کا نام سبع رکھا گیا، ان اعداد کی خصوصیات ریاضیہ کے بیان کا یہاں موقع نہیں۔

قرآن کے خلاف کمپیوٹری سازش ——— ۶

اگر کوئی عدد قرآن کا محور ہوتا تو ان اعداد میں سے ہوتا، خصوصاً جبکہ قرآن و حدیث میں بھی یہ اعداد محاورہ کے مطابق تکثیر کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

حساب جمل کی حقیقت :

⑤ تعداد حروف اور حساب جمل ابجد کی حقیقت سراسر خرافات طبع کے کچھ نہیں اگر حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ ہوتا تو کافر کا سن ولادت یا سن وفات مغفور لہ نکالنے سے وہ جنتی ہو جاتا اور اس کے عکس سے مسلمان جہنمی بن جاتا، اور اگر ایک ہی شخص کے بارے میں دو متضاد عدد نکال دیئے جاتے تو کیا ہوتا!

کسی نے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کا سن ولادت "کرم عظیم" نکالا، حضرت نے فرمایا:

"یعنی لفظ مکر عظیم کہہ سکتے ہیں۔"

کسی ظریف شاعر کے عربی، فارسی اور اردو اشعار میری نظر سے گزرے ہیں جن میں اعداد حروف میں تصرف کے ذریعہ کسی بھی لفظ سے اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی نکالنے کے ضوابط مذکور تھے۔

گرونانک سے لولاک لما خلقت الافلاک کی تشریح یوں نقل کی گئی ہے:

"اعداد میں جوڑ توڑ کے ذریعہ کسی بھی لفظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک نکالا جا سکتا ہے، کوئی بھی لفظ لیکر اس کے عدد میں یہ عمل کریں:

عدد لفظ ×۴ + ۲ ×۵ ÷ ۲۰، باقی ×۹ + ۲ = ۹۲ ہوگا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عدد ہے۔"

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ محض خرافات ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

اگر ایسی خرافات کو حقیقت تسلیم کر لیا جائے تو ہر باطل مذہب والے اپنے معبود و مقتدا سے متعلق ایسی خرافات پیش کر کے ان کا مرتبہ کی بنا پر اور جملہ کائنات کا محور ہونا ثابت کر سکتے ہیں، مثلاً:

ابلیس کا عدد ۱۰۳ ہے، اس کو ہر لفظ سے یوں حاصل کیا جا سکتا ہے:

"عدد لفظ ×۴ + ۲ ×۵ ÷ ۲۰، باقی ×۱۰ + ۳ = ۱۰۳"

میں نے رسالہ مضامین بار بار غور سے پڑھے جن سے دو امر ثابت ہو گئے:

① اس سلسلہ کے محرک نے عدد ۱۹ کے تقدس کا دعویٰ صراحۃً نہ بھی کیا ہو تو بھی اس کے طریق کار یعنی پورے حساب کی بنیاد اسی عدد پر رکھنے سے اس کے

تقدس کے اظہار و اشاعت میں کوئی شبہ نہیں، جیسا کہ خود استفسار میں بھی اسکا اعتراف ہے اور روزنامہ جنگ بابت ۲۴/۱۰/۸۰ کی مرسل کاپی میں تو مضمون نگار نے گویا انیس ۱۹ کو اللہ ہی باور کرانے کی کوشش کی ہے۔

(۴) ان اعداد کے جوڑ توڑ سے قرآن کا آسمانی کتاب ہونا، معجز ہونا، تغییر و تبدیل سے محفوظ ہونا وغیرہ کا اثبات تو درکنار ان سے تو کوئی بھی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، محض ظرافت طبع کا سامان ہے۔

دوسرے کلاموں میں بھی ایسی ظرافتیں تلاش کی جا سکتی ہیں، بلکہ جینسہ ان ہی ظرافتوں پر مستقل کلام مرتب کیا جا سکتا ہے،

اس سے زیادہ بہتر تو مقطعات سے متعلق مفسر بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ لطائف ہیں، اس کے باوجود علماء امت نے ان کو کوئی اہمیت نہیں دی،

ہاں قرآن کی سورتیں، ہر سورت کی آیات، ہر آیت کے الفاظ، ہر لفظ کے حروف اور ہر حرف کی حرکات و سکنات شمار کرنے کی محنت اور اس کی حفاظت و اشاعت بہت اہم فریضہ ہے، اس لئے کہ یہ حفاظت قرآن کا ذریعہ ہے، مگر اس کا بھی اعجاز قرآن و تدبر قرآن سے کوئی تعلق نہیں صرف حفاظت قرآن سے تعلق ہے۔

(۶) اسم کی تعداد اور بسم کی تعداد کا حاصل ضرب رحمٰن کی تعداد کے برابر بتایا ہے، اگر اس حساب کی کوئی حقیقت ہوتی تو حاصل ضرب اللہ کی تعداد کے برابر ہونا چاہئے تھا، اس لئے کہ یہ اسم ذات ہونے کے علاوہ لفظ بسم کے ساتھ متصل بھی ہے

بانئ تحریک کی کھلی فریب کاریاں:

(۷) اس تحریک کے بانی نے خود اپنی طرف سے انیس ۱۹ کا عدد متعین کرکے اس کو قرآن کی روح ثابت کرنے کی اس طرح کوشش کی ہے کہ کہیں جمع، کہیں ضرب، کہیں تقسیم، کہیں حروف کی تعداد اور کہیں الفاظ کی اور کہیں بعض سورتوں کے ایک خاص حرف کی، غرضیکہ جس طرح بھی انیس ۱۹ کا عدد بن سکتا تھا اسے زبردستی بنایا ہے اور جہاں نہیں بن سکا اسے چھوڑ دیا ہے۔

اس دور ترقی کے دانشوروں کی دانش پر تعجب ہے کہ ایسے کھلے فریب کو بھی نہ سمجھ سکے، مختلف ترکیبوں سے کھینچ تان کر زبردستی انیس ۱۹ سازی کی بطور نمونہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) قرآن کریم میں کتابت مقصود نہیں بلکہ قراءت مقصود ہے، کتابت صرف ذریعۂ حفاظت ہے۔ لہٰذا قرآن میں حروف مقروءہ کا اعتبار ہے نہ کہ حروف مکتوبہ کا،
اسی لئے صحتِ نماز کے لئے بشمول حروف محذوفہ تمام حروف مقروءہ کی قراءت شرط ہے۔

اس حساب سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے بائیس ۲۲ حروف ہیں، مگر مسلکِ بہائیت کی خاطر ان کو انیس ۱۹ بنادیا گیا۔

بعض نے تفسیر ابن کثیر سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول پیش کیا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا ہر حرف جہنم کے انیس ۱۹ داروغوں میں سے ہر ایک سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔

اگر اس قول کی سند صحیح تسلیم کرلی جائے تو یہ تقریب یا ظاہر کتابت کے پیش نظر طلب رحمت کی ایک صورت ہے ورنہ درحقیقت حروف کی اصل تعداد بائیس ۲۲ ہے۔

(۲) کل انتیس ۲۹ سورتیں جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں ان میں سے صرف سورۂ قلم سے حرف نون اور سورۂ اعراف، مریم اور ص سے حرف صاد کی تعداد کو انیس ۱۹ پر تقسیم کیا ہے، باقی پچیس ۲۵ سورتوں کو بالکلیہ اور سورۂ اعراف و مریم کے دوسرے مقطعات کو اس لئے چھوڑ دیا کہ ان سے انیس کا دیوتا نہیں بن سکا۔

(۳) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے عدد حروف پر اسم، اللّٰه، الرَّحْمٰن، الرَّحِيْم کے عدد الفاظ کو تقسیم کرکے انیس ۱۹ پیدا کیا گیا، باقی تین صورتیں یعنی صورتِ مذکورہ کا عکس، سب کے حروف، سب کے الفاظ، سے انیس ۱۹ پیدا نہ ہوسکا اس لئے ان کو چھوڑ دیا، حالانکہ یکسانیت مقدم تھی، معہذا زبردستی انیس ۱۹ پیدا کرنے کی غرض سے ایک طرف کے حروف اور دوسری طرف کے الفاظ لئے ہیں۔

(۴) لفظ بسم کا اصل بھی لفظ اسم ہی ہے ب حرف زائد ہے، اس طرح لفظ اسم کی تعداد بائیس ۲۲ بنتی ہے مگر انیس ۱۹ بنانے کے لئے بسم کو چھوڑ کر صرف اسم شمار کیا ہے۔

(۵) اسم کی تعداد ۱۹ اور بسم کی تعداد ۳ — ۵۷، جو انیس ۱۹ پر تقسیم ہوتا ہے، یہاں بذریعہ ضرب انیس ۱۹ پیدا کیا اور مقطعات میں بصورت جمع ۱۴+۱۷+۲۶ — ۵۷ بنایا،

خواہ ضرب سے ہو یا جمع سے، جیسے بھی ہو سکے بس ۱۹ بنانا مقصود ہے،

آخری گذارش:

وہ فرد یا ادارہ جو علماء راسخین کے ساتھ قریبی رابطہ رکھے بغیر دین کی کوئی خدمت انجام دیتا ہے وہ اپنے کام میں خواہ کتنا ہی مخلص کیوں نہ ہو اس کا صراط مستقیم پر قائم رہنا اور دشمنانِ اسلام کے ہتھکنڈوں سے محفوظ رہنا مشکل ہے،

اس لئے خدمتِ دین بالخصوص نشر و اشاعت میں کسی راسخ فی العلم کی سرپرستی لازم ہے، اگر یہ میسر نہ ہو تو صرف ایسے علماء راسخین کے مضامین شائع کئے جائیں جن کا علم و تقویٰ اہلِ اسلام کے سوادِ اعظم میں مسلّم ہو،

افسوس کہ بعض اچھے ذی شعور ادارے ایسے لوگوں کے مضامین بھی شائع کر رہے ہیں جو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بغض میں معروف و مشہور ہیں اور ان کے دوسرے نظریات بھی جمہور اہلِ اسلام کے خلاف ہیں۔

تنبیہ:

یہ مضمون لکھتے وقت صرف اردو کی دو تحریریں میرے سامنے تھیں:

ایک "قرآن کریم کا ایک زندہ اعجاز" مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ،

دوسری "صفحات قرآن حکیم" مطبوعہ روزنامہ جنگ ۲۴ اکتوبر سنہ

فقط واللہ المستعان ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

رشید احمد

دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

۲۳ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۰ھ
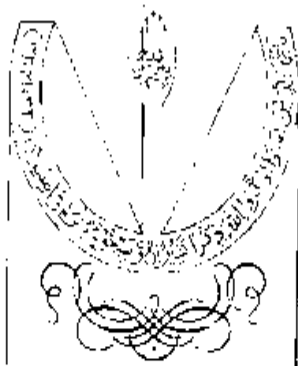
مجالس ذکر
بلند آواز سے ذکر اور مجالس ذکر کے احکام
قرآن، حدیث اور فقہ کی روشنی میں

مجالس ذکر

نقش اوّل ـــــ ۱۱ رشعبان ۱۴۰۹ھ

مزید تحقیق و تفصیل ـــــ ۱۷ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

خلاصہ:

- ذکر خفی افضل ہے۔
- بلند آواز سے ذکر جائز ہے۔
- بعض حالات میں بلند آواز سے ذکر مستحب ہے۔
- ان حالات و عوارض کی تفصیل جن میں بلند آواز سے ذکر مستحب ہے۔
- ایسی بلند آواز سے ذکر جس سے کسی کی عبادت یا آرام میں خلل ہو حرام ہے۔
- مجلس ذکر اس شرط سے جائز ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوئی بدعت شامل نہ ہو۔
- مجالس ذکر میں شامل ہونے والی بدعات کی تفصیل۔
- ریاض الجنۃ، حلق الذکر اور مجالس الذکر کی تفسیر۔

مجالس ذکر سے متعلق ۱۱ شعبان ۱۴۰۵ھ کو مجلس خاص میں میرا ایک مختصر سا بیان ہوا تھا، جو بعد میں رسالہ کی صورت میں شائع بھی ہوگیا، بعد میں خیال ہوا کہ اس موضوع کو قدرے بسط و تفصیل سے لکھنا چاہیے، لہٰذا کتب حدیث و فقہ کے معمولی مراجعہ سے جو حاصل ہوا تحریر کیا جاتا ہے۔ پہلے نصوص حدیث و فقہ نقل کی جاتی ہیں پھر ان پر مرتبہ احکام تحریر کئے جائیں گے، اس موضوع پر حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ "سباحة الفکر فی الجهر بالذکر" بہت جامع ہے اس لئے اس کی روایات کو بطور اصل اور دوسری کتابوں سے بطور زوائد نقل کیا جاتا ہے، ترتیب احکام کے مدنظر روایات "سباحة الفکر" کی ترتیب تبدیل کی ہے، واللہ الموفق وھو المستعان۔

(۱) روى الدارقطني عن نافع موقوفا على ابن عمر رضي الله تعالى عنهما انه كان اذا غدا يوم الفطر ويوم الاضحية يجهر بالتكبير، قال البيهقي: الصحيح وقفه على ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، وقول صحابي لا يعارض به عموم الآية القطعية اعني قوله تعالى واذكر ربك في نفسك الآية، وقد قال عليه الصلوة والسلام خير الذكر الخفي وهو معارض بقول صحابي آخر، وهو ما روي عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما انه سمع الناس يكبرون فقال لرجل اكبر الامام قيل لا، فقال امجنون الناس، ادركنا مثل هذا اليوم مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فما كان احد يكبر قبل الامام (الرسائل الست ص۴۳)

(۲) وفي غاية البيان (قوله ولا يكبر) المراد منه التكبير بصفة الجهر لان التكبير خير موضوع والاختلاف في جوازه بصفة الاخفاء على ما حكاه ابو بكر الرازي ووجهه ان الاصل في الذكر الاخفاء لقوله تعالى ادعوا ربكم تضرعا وخفية وقوله عليه الصلوة والسلام خير الذكر الخفي والشرع ورد بالجهر في الاضحى فلا يقاس عليه في الفطر

لان الاذان تخالف الاصل انتهی ملخصا (رسائل ص[illegible])

③ وفی البنایة شرح الهدایة للعینی قال ابوبکر الرازی قال مشایخنا التکبیر جهرا فی غیر ایام التشریق لایسن الا بازاء العدو واللصوص وقیل وکذا فی الحریق والمخاوف کلها (رسائل ص[illegible])

④ وقال الشیخ الدهلوی فی شرح المشکوٰة فی شرح حدیث ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنه کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وعلی آله وسلم اذا سلم من الوتر قال سبحان الملک القدوس ثلاثا ویرفع صوته بالثالثة الذی رواه ابوداؤد والنسائی وابن ابی شیبة واحمد والدارقطنی وغیرهم فی هذا الحدیث دلیل علی شرعیة الجهر بالذکر وهو ثابت فی الشرع بلا شبهة لکن الخفی منه افضل (رسائل ص[illegible])

⑤ وخلاصة المرام فی هذا المقام انه لاریب فی کون السر افضل من الجهر للمتضرع والخیفة وکذا لاریب فی کون الجهر المفرط ممنوعا لحدیث اربعوا علی انفسکم واما الجهر الغیر المفرط فالاحادیث متظاهرة والآثار متوافقة علی جوازه ولم نجد دلیلا یدل صراحة علی حرمته او کراهته وقد نص المحدثون والفقهاء الشافعیة وبعض اصحابنا علی جوازه ایضا (رسائل ص[illegible])

⑥ ویدل علیه قول صاحب النهایة فی کتاب الحج المستحب عندنا فی الاذکار الخفیة الا فی ما تعلق باعلانه مقصود کالاذان والتلبیة والخطبة کذا فی المبسوط (رسائل ص[illegible])

⑦ وفی الحرز الثمین شرح الحصن الحصین فی شرح من ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی الحدیث فیه دلیل علی ان الذکر القلبی افضل من اللسانی الاخفائی لما ورد ان الذکر الخفی الذی لایسمعه الحفظة یضعف سبعون ضعفا وورد خیر الذکر الخفی (رسائل ص[illegible])

⑧ وفیه عند قول المصنف وکل ذکر مشروع واجبا کان او مستحبا لایعتد به حتی یسمع نفسه الخ هذا الکلام فی ما امر الشارع بان یذکر باللسان کما فی قراءة الصلوٰة والتشهد وتسبیحاتها ولیس معناه ان من یذکر اللہ تعالیٰ بقلبه من غیر ان یتلفظ بلسانه لایکون فی الشرع معتدا به فان مداومة الذکر کالتصور بدون

اعتباره بل هو افضل انواعه ۔

وقد اخرج ابو يعلى الموصلي في مسنده عن عائشة رضي الله تعالى عنها مرفوعا يفضل الذكر الخفي الذي لا تسمعه الحفظة ... يوم القيامة ... شيء فيقولون ما تركنا شيئا مما علمناه وحفظناه الا وقد احصيناه وكتبناه فيقول الله تعالى له ان لك عندي حسنة لا تعلمها وانا اجزيك به وهو الذكر الخفي كذا ذكره السيوطي في البدور السافرة في احوال الآخرة ۔

وفي الجامع خير الذكر الخفي وخير الرزق ما يكفي رواه احمد وابن حبان والبيهقي (رسائل ص[illegible])

(۹) روى البخاري ومسلم والترمذي والنسائي وابن ماجة والبيهقي في شعب الايمان عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم يقول الله انا عند ظن عبدي بي وانا معه اذا ذكرني فان ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي وان ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ خير منهم وان تقرب الي شبرا تقربت اليه ذراعا وان تقرب الي ذراعا تقربت اليه باعا وان اتاني يمشي اتيته هرولة ۔

قال الحافظ عبد العظيم المنذري في كتاب الترغيب والترهيب ورواه احمد باسناد صحيح وزاد في آخره قال قتادة والله اسرع بالمغفرة ۔

وقال العلامة الجزري في مفتاح الحصن الحصين فيه دليل على جواز الجهر بالذكر خلافا لمن منعه واستدل به المعتزلة على تفضيل الملائكة على الانبياء ولا دليل فيه لان الانبياء لا يكونون غالبا في الذاكرين ۔

وقال السيوطي الذكر في الملأ لا يكون الا عن جهر فدل الحديث على جوازه (رسائل ص[illegible])

(۱۰) روى الترمذي والنسائي وابن ماجة والبزار والبيهقي في شعب الايمان وابن ابي الدنيا في كتاب الذكر عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما مرفوعا قال الله تعالى يا ابن آدم اذا ذكرتني خاليا ذكرتك خاليا وان ذكرتني في ملأ ذكرتك في ملأ خير من الذين تذكرني فيهم واكثر (رسائل ص۵۵)

(۱۱) روى الطبراني عن معاذ بن انس رضي الله تعالى عنه مرفوعا قال الله تعالى لا يذكرني

احد فی نفسہ الا ذکرتہ فی ملأ من ملائکتی ولا یذکرنی فی ملأ الا ذکرتہ فی الملأ الاعلیٰ قال المنذری اسنادہ حسن (رسائل ص [illegible])

(١٢) روی احمد والبیہقی فی الاسماء والصفات عن انس رضی اللہ عنہ مرفوعا قال اللہ تعالیٰ یا ابن آدم ان ذکرتنی فی نفسک ذکرتک فی نفسی وان ذکرتنی فی ملأ ذکرتک فی ملأ خیر منہم وان دنوت منی شبرا دنوت منک ذراعا (رسائل ص [illegible])

(١٣) روی الحاکم والبیہقی فی شعب الایمان وابن حبان واحمد وابو یعلی وابن السنی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا انہ مجنون (رسائل ص [illegible])

(١٤) روی الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم اذکروا اللہ ذکرا حتی یقول المنافقون انکم تراؤن۔

قال السیوطی فی نتیجۃ الفکر فی الجہر بالذکر وجہ الاستدلال بھذین الحدیثین انہ انما یقال ذلک عند الجہر لا السر انتہی (رسائل ص [illegible])

(١٥) روی البیہقی فی شعب الایمان عن ابی الجوزاء مرسلا مرفوعا اکثروا ذکر اللہ حتی یقول المنافقون انکم مراؤن (رسائل ص [illegible])

(١٦) روی ابن المبارک وسعید بن منصور وابن ابی شیبۃ واحمد فی الزھد وابن ابی حاتم وابو الشیخ فی کتاب العظمۃ والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی شعب الایمان عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقوفا ان الجبل ینادی الجبل باسمہ یا فلان ھل مر بک الیوم من ذکر اللہ فاذا قال نعم استبشر ثم قرأ عبد اللہ لقد جئتم شیئا ادا تکاد السموات یتفطرن منہ الآیۃ (رسائل ص [illegible])

(١٧) روی ابو الشیخ فی العظمۃ عن محمد بن المنکدر قال بلغنی ان الجبلین اذا اصبحا نادی احدھما صاحبہ باسمہ فیقول ای فلان ھل مر بک الیوم ذاکر للہ تعالیٰ فیقول نعم فیقول لقد اقر اللہ عینیک بہ ما مر بی ذاکر الیوم (رسائل ص [illegible])

(١٨) روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ قال فی قولہ تعالیٰ فما بکت علیہم السماء والارض ان المؤمن اذا مات بکی علیہ من الارض الموضع الذی کان یصلی فیہ ویذکر اللہ۔ اخرجہ ابن جریر فی تفسیرہ (رسائل ص [illegible])

مجالس ذکر ——— ٦

(۱۹) روى ابن ابى الدنيا عن ابى عبيدة صاحب سليمان بن عبد الملك قال ان العبد المؤمن اذا مات تنادت بقاع الارض عبد الله المؤمن مات فيبكى عليه الارض والسماء فيقول الرحمٰن ما يبكيكما فيقولان ربنا لم يمش فى ناحية منا قط الا وهو يذكرك۔

قال السيوطى وجه دلالته ان بكاء الارض والجبال للذكر لا يكون الا عند الجهر (رسائل ص[illegible])

(۲۰) روى الحاكم عن عمر رضى الله تعالى عنه مرفوعا من دخل السوق فقال لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد يحيى ويميت وهو على كل شيء قدير كتب الله له الف الف حسنة -

وفى بعض طرقه فنادى (رسائل ص[illegible])

(۲۱) روى ابو نعيم ايضا عن ابى يونس ان ابا هريرة رضى الله تعالى عنه صلى يوما بالناس فلما سلم رفع صوته وقال الحمد لله الذى جعل الدين قواما وجعل ابا هريرة اماما بعد ان كان اجيرا (رسائل ص[illegible])

(۲۲) روى ايضا عن مضارب قال بينا انا اسير من الليل اذا رجل يكبر فالحقته بعيرى فقلت من هذا المكبر فقال ابو هريرة فقلت ما هذا التكبير فقال شكرا (رسائل ص[illegible])

(۲۳) وفى الفتاوى الخيرية سئل من دمشق من الشيخ ابراهيم فيما اعتاده السادة الصوفية من حلق الذكر والجهر به فى المساجد من جماعة ورثوا ذلك من آبائهم واجدادهم وينشدون القصائد الصوفية وثم من يعترض عليهم ويقول لا يجوز الانشاد ولا رفع الصوت بالذكر فهل ما هم فيه موافق للحكم الشرعى؟ فاجاب حلق الذكر والجهر به وانشاد القصائد قد جاء فى الحديث ما اقتضى طلبه نحو وان ذكرنى فى ملأ ذكرته فى ملأ خير منه، رواه البخارى ومسلم والترمذى والنسائى وابن ماجة واحمد باسناد صحيح۔

والذكر فى الملأ لا يكون الا عن جهر وكذا حلق الذكر وطواف الملائكة بها وما ورد فيها من الاحاديث وهناك احاديث اقتضت طلب الاسرار والجمع بينهما بان ذلك يختلف باختلاف الاشخاص والاحوال كما جمع بين الاحاديث الطالبة للجهر والطالبة للاسرار بقراءة القرآن -

مجالس ذکر — ——— ؟

ولا يعارض ذلك حديث "خير الذكر الخفي" لانه حيث خيف الرياء او تأذى المصلين او النيام وذكر بعض اهل العلم ان الجهر افضل حيث خلا مما ذكر لانه اكثر عملا ولتعدى فائدته الى السامعين ويوقظ قلب الذاكر ويجمع همه الى الفكر ويصرف سمعه اليه ويطرد النوم ويزيد النشاط) وقوله تعالى (اذكر ربك في نفسك) اجيب عنها بانها مكية كاية الاسراء بالقراءة بقوله ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها نزلت لئلا يسمعه المشركون فيسبوا القرآن ومن انزله وقد زال وبعض شيوخ مالك وابن جرير وغيرهما حملوا الاية على الذاكر حال قراءة القرآن تعظيما له يدل على ذلك اتصالها بقوله تعالى واذا قرئ القرآن الاية.

وقالت السادة الصوفية الامر في الاية خاص به صلى الله عليه وسلم واما غيره ممن هو محل الوسواس والخواطر الردية فمأمور بالجهر لانه اشد في دفعها يؤيده حديث البزار "من صلى منكم بالليل فليجهر بقراءته فان الملائكة تصلي بصلاته وتسمع لقراءته".

وتفسير الاعتداء بالجهر في قوله تعالى "انه لا يحب المعتدين" مردود بان الراجح في تفسيره المتجاوز عن المأمور به والتوفيق بين ما ورد في الجهر والاسرار بنحو ما قررناه.

فان قلت صرح في الخانية بان رفع الصوت بالذكر حرام لقوله عليه الصلوة والسلام لمن رفع صوته بالذكر "انك لا تدعو اصم ولا غائبا" وقوله عليه الصلوة والسلام "خير الذكر الخفي".

قلت وهو محمول على الجهر المضر (رسائل ص [illegible])

(۲۴) وفي الاشباه ولا يكره جهرا الا في مسائل في عيدي الاضحى وبيوم عرفة وبازاء عدو وقطاع الطريق وعند وقوع حريق وعند المخاوف كلها كذا في غاية البيان (رسائل ص [illegible])

(۲۵) وفي البحر الرائق في بحث التكبير في الطريق يوم الفطر بعد نقل عبارة فتح القدير وغيرها والحاصل ان الجهر بالتكبير بدعة في كل وقت الا في

عه هذه الزيادة ثابتة في الخيرية وساقطة في مباحثة الفكر رشيد

جہری ذکر ——— ۸

المواضع المستثناة۔

وصرح قاضي خان في فتاواه بكراهة الذكر جهرا وتبعه على ذلك صاحب الملتقى وفي الفتاوى العلامية تمنع الصوفية من رفع الصوت والصفق وصرح بحرمته العيني في شرح التحفة وشنع على ما يفعله مدعيا انه من الصوفية واستثنى من ذلك في القنية ما يفعله الائمة في زماننا فقال امام يعتاد كل غداة مع الجماعة قراءة آية الكرسي وآخر البقرة وشهد الله ونحوه جهرا لا بأس به والافضل الاخفاء ثم قال التكبير جهرا في غير ايام التشريق لا يسن الا بازاء العدو واللصوص۔

وقاس عليه بعضهم الحريق والمخاوف كلها ثم رقم صاحب القنية برقم آخر وقال قاضي عنده جمع عظيم يرفعون اصواتهم بالتسبيح والتهليل جملة لا بأس به انتهى كلام صاحب البحر۔

اقول وبالله التوفيق ومنه الوصول الى التحقيق هذه العبارات مما ينبغي النظر فيها كيف اضطربت آراؤهم واختلفت اقوالهم فمن مجوز ومن محرم ومن قائل انه بدعة ومن قائل انه مكروه والاصح هو الجواز بالوجهين وذا هو كما اختاره الحموي والطحطاوي (رسائل ص)

(۲۶) ومن مجوزيه من المتأخرين العلامة خير الدين الرملي في فتاواه كما مر ذكره ومنهم الشيخ عبد الحق الدهلوي حيث اورد في رسالته المسماة بتوصيل المريد الى المراد ببيان احكام الاحزاب والاوراد كلاما طويلا بالفارسية في جوازه وايضا ذكره معربا فنقول الجهر والاعلان بالذكر والتلاوة والاجتماع للذكر في المجالس والمساجد جائز ومشروع وحديث من ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ خير منه وقوله تعالى كذكركم آباءكم او اشد ذكرا ايضا يكون دليلا له وفي صحيح البخاري عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما انه قال كنا لا نعرف انصراف الناس من الصلاة في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم الا بالذكر جهرا۔

وفي الصحيح انهم كانوا يجهرون بلا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير جهرا وفي بعض الروايات تخصيصه بالفجر والمغرب۔

وسياق قوله عليه الصلوٰة والسلام يا ايها الناس اربعوا على انفسكم فانكم لا تدعون اصم ولا غائبا يدل على ان المنع لم يكن لعدم شرعية الجهر بل لطلب الرفق والتيسير.

وقد ثبت جهره صلى الله عليه وعلى آله وسلم بالاذكار والادعية في كثير من المواضع وعمل به السلف.

وفي صحيح البخاري لما كانت الصحابة رضي الله تعالى عنهم مشتغلين بحفر الخندق محصورين بضر الجوع رأى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ذلك وكان يقول اللهم لا عيش الا عيش الآخرة فاغفر للانصار والمهاجرة وكانوا يقولون في جوابه نحن الذين بايعوا محمدا على الجهاد ما بقينا ابدا.

وبالجملة لا كلام في وقوع الجهر في المحال المخصوصة والمواضع المعينة انما الكلام في ان ثبوت حكم في قضية هل يكون دليلا على ثبوته عموما ام لا فيجوز للمخالف ان يقول لعل في تلك المواضع تكون فائدة مخصوصة لا توجد في غيرها او يقول نعل الجمع بين الذكر والدعاء جهرا يجوز ولا يجوز الجهر بالذكر والدعاء انفرادا فتجيء ذكر الدلائل التي تدل على عموم الجواز.

فاما الاجتماع للذكر بانفراده فهو ثابت من حديث متفق عليه من رواية ابي هريرة رضي الله تعالى عنه مرفوعا ان لله ملئكة يطوفون في الطرق يلتمسون حلق الذكر الحديث.

وفي رواية اخرى وما جلس قوم مسلمون مجلسا يذكرون الله فيه الا حفت بهم الملئكة ونزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة.

وتأويل الذكر بمذاكرة العلم وآلاء الله تعالى بعيد ولا يجوز حمل لفظ على خلاف المتبادر الى الذهن من غير ضرورة.

ولا يقال لا يلزم من اجتماع قوم للذكر جهرهم بالذكر لجواز ان يكون ذكر كل منهم سرا على حدة.

لانا نقول اذا كان الذكر سرا فلا يظهر للاجتماع فائدة معتد بها.

واما جواز الاجتماع للذكر فهو ثابت من حديث رواه الحاكم وقال على شرط

مسلمة مرفوعاً لا يجتمع ملأ فيدعو بعضهم ويؤمن بعضهم الا استجاب الله دعاءهم.

واما الاجتماع للتلاوة فهو ثابت من حديث ما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يقرؤن القرآن ويتدارسونه الا حفت بهم الملئكة صححه النووي وغيره.

ومن ههنا اخذوا جواز قراءة الاحزاب والاوراد في المساجد والمجالس.

وذهب مالك واصحابه الى كراهة جميع هذه الامور لعدم عمل السلف بها ولسد الذرائع وقطع مواد البدعة لئلا تلزم الزيادة في الدين والخروج عن الحق المبين وقد وقع في زماننا هذا ما خافه واتقاه انتهى كلامه بتعريبه (رسائل ص۴۳)

(۲۷) قال القاري رحمه الله تعالى: وقيل هذا الحديث مطلق في المكان والذكر فيحمل على المقيد المذكور في باب المساجد والذكر هو سبحان الله والحمد لله الخ ذكره الطيبي وقيل هي مجالس الحلال والحرام والاظهر حمله على العموم وذكر الفرد الاكمل بالخصوص لا ينافي عموم المنصوص (مرقاة ص ۳ ج ۵)

(۲۸) فهذه احاديث صحيحة يظهر منها ومن نظائرها صراحة او اشارة ان لا كراهة في الجهر بالذكر بل فيها ما يدل على جوازه او استحبابه كيف لا والجهر بالذكر له اثر في ترقيق القلوب ما ليس في السر.

نعم الجهر المفرط ممنوع شرعاً وكذا الجهر الغير المفرط اذا كان فيه ايذاء احد من نائم او مصل او حصلت فيه شبهة رياء او لوحظت فيه خصوصيات غير مشروعة والتزم كالتزام الملتزمات فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروها كما صرح به علي القاري في شرح المشكوة والحصكفي في الدر المختار وغيرهما ولا تظنن ان الحكم بجواز الجهر بالذكر مخالف لاجماع الحنفية فان دعوى اجماعهم على المنع باطل فقد جوزه البزازي في فتاواه كما نقلنا كلامه وما قال السيد الحموي في حواشي الاشباه من ان كلام البزازي في فتاواه مضطرب فتارة قال انه حرام وتارة قال جائز ليس بصحيح لان البزازي انما مال الى الجواز واما حرمته فانما ذكرها على سبيل النقل من فتاوى القاضي فلا اضطراب في كلامه (رسائل ص۴۶)

(۲۹) اعلم انهم اختلفوا في حكم الجهر بالذكر فجوزه بعضهم وكرهه بعضهم زعماً

بعضهم وجعله بعضهم بدعة الا فی مواضع ورد الشرع بالجهر فیها علی ما سیأتی فی ذکرها فقال فی الهدایة فی فصل تکبیر التشریق یبدأ بتکبیر التشریق بعد صلوٰة الفجر من عرفة ویختم عقیب صلوٰة العصر من یوم النحر عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ وقالا رحمهما الله تعالیٰ یختم عقیب العصر من ایام التشریق والمسألة مختلفة بین الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم فاخذنا بقول علی رضی الله تعالیٰ عنه اخذا بالاکثر للاحتیاط واخذ بقول ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه اخذا بالاقل لان الجهر بالتکبیر بدعة (رسائل ص [illegible])

(۳۰) وفی فتح القدیر بعد قوله لا یکبر فی الطریق فی عید الفطر الخلاف فی الجهر بالتکبیر فی الفطر لا فی اصله لانه داخل فی عموم ذکر الله فعنده یجهر به کالاضحیٰ وعندهما لا (رسائل ص [illegible])

(۳۱) وفی الخلاصة ما یفید ان الخلاف فی اصل التکبیر ولیس بشیء اذ لا یمنع من ذکر الله فی شیء من الاوقات بل من ایقاعه علی وجه البدعة۔

فقال ابو حنیفة رحمه الله تعالیٰ رفع الصوت بالذکر بدعة یخالف الامر فی قوله تعالیٰ "واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفة ودون الجهر من القول" الآیة فیقتصر فیه علی مورد الشرع وقد ورد به فی الاضحیٰ وهو قوله تعالیٰ "واذکروا الله فی ایام معدودات" جاء فی التفسیر ان المراد به هذا التکبیر والاولیٰ الاقتداء فیه۔

فان قیل فقد قال الله تعالیٰ "ولتکملوا العدة ولتکبروا الله علی ما هداکم" وروی الدارقطنی عن سالم ان عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما اخبره "ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم کان یکبر فی الفطر من حین یخرج من بیته حتی یأتی المصلیٰ"۔

فالجواب ان صلوٰة العید فیها التکبیر والمذکور فی الآیة یحتمل کونه امرا به فیها وفیما فی الطریق، والحدیث المذکور ضعیف بموسیٰ بن محمد بن عطاء المقدسی ثم لیس فیه انه کان یجهر به وهو محل النزاع وکذا رواه الحاکم مرفوعا ولم یذکر الجهر۔ (رسائل ص [illegible])

(۳۲) بتحقیق جہر کردن سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باذکار وادعیہ در مواطن کثیرہ

مجالس ذکر ———— ۱۲

چنانکہ در حفر خندق و حمل سنگ و خشت برائے مسجد و جز آن و چیزہا کہ آمدہ است از
سلف صحابہ و من بعدہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم و ہمہ اینہا دلالت دارد بر جواز جہر و اجتماع برائے
ذکر و لیکن اینہا در قضایائے مخصوص است احتمال اختصاص بآن مواضع کہ واقع اند در
آن دارد پس آنکہ نظر کرد بجانب معنی و علت اجازت کرد آنرا علی العموم و آنکہ نظر بر خصوص
کرد قصر کرد آنہا را بر موارد نص و طریق اول موافق است بقاعدۂ شرع و مطالب آن
پس ظاہر گشت از آنچہ مذکور شد صحت آنچہ استحسان کردہ اند بعض مشایخ صوفیا مرا
از اجتماع برائے ذکر و حزب واحد و حلقہ بستن برائے آن، و حلق الذکر کہ در حدیث واقع
شدہ است حجت آن است اما مذہب مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کراہت است از جہت
عدم عمل سلف از صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بدان و از جہت سد ذرائع تا رفتہ
رفتہ زیادہ بران نکنند و تجاوز از حد نکنند۔ بعض از متاخرین از مشایخ شاذلیہ قدس اللہ
ارواحہم گفتہ اند کہ این اجتماع و تحلیق از برائے اذکار و احزاب از رواج دین است کہ
متعین است تمسک بدان از جہت ذہاب حقائق دیانت درین ازمنہ و اگر بدعت است
مختلف فیہ است و نہایت آن قول بکراہت است پس صحیح است عمل بدان بقول کسیکہ
قائل است بدان۔

وشاید کہ شارع ترغیب کردہ باشد در آن برائے جماعتیکہ بعد از صدر اول پیدا شد
از جہت احتیاج ایشان بدان و گاہے مختلف می گردد حکم باباحت و ندب باختلاف ازمنہ
و امکنہ بلکہ باختلاف اشخاص پس متعین شد قول بجواز آن با رعایت شروط و آداب و
آن مذکور است در مواضع خود۔ واللہ تعالیٰ اعلم (اشعۃ اللمعات صـ ۳۱ ج ۲)

(۴۳) ومما یدل علی عدم رفع الصوت بالذکر خبر البیہقی ان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وعلی آلہ وسلم مر برجل فی المسجد رفع صوتہ بالذکر فقیل لہ یا رسول اللہ عسی
ان یکون ھذا مرائیا فقال صلی اللہ علیہ وسلم لا ولکنہ اواہ ای کثیر التوجع
من حرقۃ العشق للہ تعالیٰ (رسائل صـ ۷۳)

(۴۴) روی البیہقی عن زید بن اسلم عن بعض الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قال
انطلقت مع رسول اللہ لیلۃ فمر برجل فی المسجد یرفع صوتہ فقلت یا رسول اللہ
عسی ان یکون ھذا مرائیا فقال لا ولکنہ اواہ (رسائل صـ ۷۳)

(۳۵) روى البيهقى عن عقبة رضى الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لرجل يقال له ذو البجادين انه اواه وذلك انه كان يذكر الله (رسائل ص۱۰)

(۳۶) روى البيهقى عن جابر ان رجلا كان يرفع صوته بالذكر فقال رجل لو اخفضت من صوتك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتركه فانه اواه (رسائل ص۱۰)

(۳۷) وفى المرقاة لعلى القارى عند شرح هذا الحديث ناقلا عن المظهر هذا يدل على جواز الذكر برفع الصوت بل على الاستحباب اذا اجتنب الرياء اظهارا للدين و تعليما للسامعين و ايقاظا لهم من رقدة الغفلة و ايصالا لبركة الذكر الى مقدار ما يبلغ الصوت اليه من الحيوان و الشجر و المدر وطلبا لاقتداء الغير بالخير وليشهد له كل رطب و يابس و بعض المشائخ يختارون اخفاء الذكر لانه ابعد من الرياء وهذا متعلق بالنية انتهى .

ولا يخفى ان سكوت على القارى عن الرد على المظهر و تقريره عليه مع كون دأبه فى جميع تصانيفه الرد على خلافه يدل على انه ايضا من مجوزيه واليه يميل بعض عباراته فى شرح الحصن الحصين وان كان لبعض عباراته فى موضع آخر من ذلك يأبى عنه (رسائل ص۱۱)

(۳۸) روى البخارى ومسلم والبيهقى فى الاسماء والصفات عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه مرفوعا ان لله ملائكة يطوفون فى الطرق يلتمسون اهل الذكر فاذا وجدوا قوما يذكرون الله تنادوا هلموا الى حاجتكم فيحفونهم باجنحتهم الى السماء فاذا تفرقوا عرجوا وصعدوا الى السماء فيسألهم ربهم وهو اعلم بهم من اين جئتم فيقولون جئنا من عند عبيد فى الارض يسبحونك ويكبرونك و يحمدونك فيقول هل رأونى فيقولون لا فيقول لو رأونى فيقولون لو رأوك كانوا اشد لك عبادة واشد لك تمجيدا واكثر لك تسبيحا فيقول فما يسألون فيقولون يسألونك الجنة فيقول وهل رأوها فيقولون لا فيقول لو رأوها فيقولون لو انهم رأوها كانوا اشد عليها حرصا و اشد لها طلبا و اعظم فيها رغبة فيقول فمم يتعوذون فيقولون من النار فيقول وهل رأوها فيقولون لا فيقول فكيف لو رأوها فيقولون لو رأوها كانوا اشد منها فرارا فيقول فاشهدكم

انی قد غفرت لهم فیقول ملك من الملٰئكة فلان لیس منهم انما جاء هم لحاجة فیقول هم قوم لا یشقی جلیسهم۔

وروی نحوه ابن حبان والترمذی وابو نعیم فی حلیة الاولیاء واحمد وغیرهم (رسائل ص[illegible])

(۲۹) روی ابن ابی شیبة واحمد ومسلم والترمذی والنسائی عن معاویة رضی الله تعالٰی عنه ان رسول الله صلی الله علیه وعلٰی اٰله وسلم خرج علٰی حلقة من اصحابه فقال ما اجلسكم قالوا جلسنا نذكر الله ونحمده علٰی ما هدانا للاسلام ومن به علینا فقال آلله ما اجلسكم الا ذلك قالوا آلله ما اجلسنا الا ذلك فقال اما انی لم استحلفكم تهمة لكم ولكن اتانی جبرئیل فاخبرنی ان الله عز وجل یباهی بكم الملٰئكة (رسائل ص[illegible])

(۳۰) روی احمد وابو یعلٰی وابن حبان والبیهقی عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه ان رسول الله صلی الله علیه وعلٰی اٰله وسلم قال یقول الله یوم القیٰمة سیعلم اهل الجمع الیوم من اهل الكرم فقیل ومن اهل الكرم یا رسول الله فقال اهل مجالس الذكر (رسائل ص[illegible])

(۳۱) روی احمد عن انس رضی الله تعالٰی عنه قال كان عبد الله بن رواحة رضی الله تعالٰی عنه اذا لقی الرجل من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم قال تعال نؤمن بربنا ساعة فقال ذات یوم لرجل فغضب الرجل فجاء الٰی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال الا تری الٰی ابن رواحة یرغب عن ایمانك الٰی ایمان ساعة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم رحم الله ابن رواحة انه یحب المجالس التی تباهی بها الملٰئكة۔

قال المنذری فی كتاب الترغیب والترهیب اسناده حسن (رسائل ص[illegible])

(۳۲) روی ابو یعلٰی والبزار والطبرانی عن انس رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وعلٰی اٰله وسلم ما من قوم اجتمعوا یذكرون الله لا یریدون بذلك الا وجهه الا ناداهم منادٍ من السماء ان قوموا مغفورا لكم قد بدلت سیاٰتكم حسنات۔

مجالس ذکر ———— ۱۵

قال المنذری و رواہ احمد برجال یحتج بهم فی الصحیح الا میمون وثقه جماعة وفیه ضعف (رسائل ص [illegible])

(۳۳) روی الطبرانی عن سهل بن الحنظلیة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وعلیٰ اٰله وسلم ما جلس قوم مجلسا یذکرون الله فیه فیقومون حتی یقال لهم قوموا قد غفر الله لکم (رسائل ص [illegible])

(۳۴) روی البیهقی عن عبد الله بن مغفل رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وعلیٰ اٰله وسلم ما من قوم اجتمعوا یذکرون الله الا ناداهم مناد من السماء قوموا مغفورا لکم (رسائل ص [illegible])

(۳۵) روی احمد ومسلم والترمذی وابن ماجه وابن ابی شیبة والبیهقی عن ابی هریرة وابی سعید رضی الله تعالیٰ عنهما انهما شهدا علی رسول الله صلی الله علیه وعلیٰ اٰله وسلم انه قال لا یقعد قوم یذکرون الله الا حفتهم الملٰئکة وغشیتهم الرحمة ونزلت علیهم السکینة وذکرهم الله فی من عنده (رسائل ص [illegible])

(۳۶) روی ابن ابی الدنیا عنهما موقوفا ان لاهل ذکر الله اربعا تنزل علیهم السکینة وتغشاهم الرحمة وتحف بهم الملٰئکة ویذکرهم الله فی ملأ عنده (رسائل ص [illegible])

(۳۷) روی عبد بن حمید فی مسنده والحاکم عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وعلیٰ اٰله وسلم ان لله سرایا من الملٰئکة تحل وتقف علی مجالس الذکر فی الارض (رسائل ص [illegible])

(۳۸) روی احمد والترمذی وحسنه عن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وعلیٰ اٰله وسلم اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا یا رسول الله وما ریاض الجنة قال حلق الذکر.

قال الجزری فی مفتاح الحصن الحصین المراد بالریاض الذکر ویشبه الخوض فیه بالرتع (رسائل ص [illegible])

(۳۹) روی ابن النجار عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعا علی ما اوردہ السیوطی فی کتابه الحبائک فی اخبار الملائک ان لله تعالیٰ سیارة من الملٰئکة یتبعون

حلق الذكر فاذا مروا قال بعضهم لبعض اقعدوا فاذا دعا القوم امنوا على دعائهم فاذا صلوا على النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم صلوا معهم حتى يفرغوا ثم يقول بعضهم لبعض طوبى لهم لا يرجعون الا مغفورا لهم (رسائل ص۴۵)

(۵۰) روى البزار عن انس رضى الله تعالى عنه مرفوعا ان لله سيارة من الملائكة يطلبون حلق الذكر فاذا اتوا عليهم حفوا بهم فيقولون ربنا اتينا على عباد من عبادك يعظمون آلاءك ويتلون كتابك ويصلون على نبيك ويسألونك لآخرتهم ودنياهم فيقول الله غشوهم رحمتي فهم الجلساء لا يشقى بهم جليسهم (رسائل ص۴۶)

(۵۱) روى احمد عن ابن عمرو رضى الله تعالى عنهما انه قال يا رسول الله ما غنيمة مجالس الذكر قال الجنة.

قال المنذري ورواه احمد ايضا باسناد حسن (رسائل ص۴۶)

(۵۲) روى ابو يعلى والحاكم وصححه والبيهقى فى الدعوات عن جابر رضى الله تعالى عنه قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم فقال يا ايها الناس ان لله سرايا من الملائكة تحل وتقف على مجالس الذكر فارتعوا فى رياض الجنة قالوا واين رياض الجنة قال مجالس الذكر فاغدوا وروحوا فى ذكر الله.

قال المنذري ورواه ابن ابى الدنيا وغيره وفى اسانيدهم كلها عمر بن عبد الله مولى غفرة وقد ضعفه النسائى ووثقه ابن معين وقال احمد ليس به بأس وبقية رواته محتج بهم والحديث حسن (رسائل ص۴۷)

(۵۳) روى الطبرانى فى الصغير باسناد حسن عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما قال مر رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم بعبد الله بن رواحة وهو يذكر اصحابه فقال اما انكم الملأ الذين امرنى الله ان اصبر نفسى معكم ثم تلا هذه الآية واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشى الآية اما انه ما جلس عدتكم الا جلس معهم عدتهم من الملائكة ان سبحوا الله سبحوه وان حمدوا الله حمدوه ثم يصعدون الى الرب وهو اعلم بهم فيقولون ربنا عبادك يسبحونك فسبحنا ويحمدونك فحمدنا فيقول يا ملائكتى اشهدكم انى قد غفرت لهم فيقولون فيهم فلان وفلان فيقول هم القوم الذين لا يشقى بهم جليسهم (رسائل ص۴۸)

(۵۳) روی الطبرانی عن عمرو بن عبسة رضی الله تعالی عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وعلی اٰله وسلم یقول عن یمین الرحمٰن وکلتا یدیه یمین رجال لیسوا بانبیاء ولا شهداء یغشی بیاض وجوههم نظر الناظرین یغبطهم النبیون والشهداء بمقعدهم وقربهم من الله تعالی قیل یا رسول الله من هم قال جماع من نوازع القبائل یجتمعون علی ذکر الله فینتقون اطائب الکلام کما ینتقی اٰکل التمر اطائبه۔

قال المنذری اسناده مقارب لا بأس به۔ ومعنی قوله جماع أی بضم الجیم وتشدید المیم اخلاطا من قبائل شتی ومواضع مختلفة۔ ونوازع جمع نازع وهو الغریب ومعناه انهم لم یجمعهم القرابة بینهم ولا نسب ولا معرفة وانما اجتمعوا لذکر الله لا غیر (رسائل ص[illegible])

(۵۵) روی الطبرانی باسناد حسن المنذری عن ابی الدرداء رضی الله تعالی عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وعلی اٰله وسلم لیبعثن الله اقواما یوم القیمة فی وجوههم النور علی منابر اللؤلؤ یغبطهم الناس لیسوا بانبیاء ولا شهداء۔ قال ابو الدرداء فجثی اعرابی علی رکبتیه وقال صفهم لنا نعرفهم فقال هم المتحابون فی الله من قبائل شتی وبلاد شتی یجتمعون علی ذکر الله یذکرونه (رسائل ص[illegible])

(۵۶) روی بقی بن مخلد عن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالی عنهما مرفوعا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مر علی مجلسین احدهما کانوا یدعون الله ویرغبون الیه والاٰخر یعلمون العلم فقال کلا المجلسین خیر واحدهما افضل من الاٰخر (رسائل ص[illegible])

(۵۷) روی الحاکم عن شداد بن اوس رضی الله تعالی عنه قال کنا عند رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال ارفعوا ایدیکم فقولوا لا اله الا الله ففعلنا فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اللهم انک بعثتنی بهذه الکلمة وامرتنی بها ووعدتنی علیها انک لا تخلف المیعاد (رسائل ص[illegible])

(۵۸) روی ابن جریر والطبرانی عن عبد الرحمٰن بن سهل رضی الله تعالی عنه قال نزلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم واصبر نفسک مع الذین یدعون ربهم الاٰیة

وهو في بعض ابياته فخرج فوجدهم قوما يذكرون الله فجلس معهم وقال الحمد لله الذى جعل امرىٰ ان اصبر معهم (رسائل صلا)

(۵۹) روى احمد بن حنبل في الزهد عن ثابت رضي الله تعالى عنه قال كان سلمان رضي الله تعالى عنه في عصابة يذكرون الله فمر بهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فكفوا فقال اني رأيت الرحمة تنزل عليكم فاحببت ان اشارككم فيها (رسائل ۱۱)

(۶۰) روى الاصبهاني في كتاب الترغيب والترهيب عن ابي رزين العقيلي ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الا ادلك على ملاك الامر قال بلى قال عليك بمجالس الذكر واذا خلوت فحرك لسانك بذكر الله (رسائل صلا)

(۶۱) روى البيهقي والاصبهاني عن انس رضي الله تعالى عنه مرفوعا لان اجلس مع قوم يذكرون الله بعد صلوة الصبح الى ان تطلع الشمس احب الي مما طلعت عليه الشمس ولان اجلس مع قوم يذكرون بعد العصر الى ان تغيب الشمس احب الي من الدنيا وما فيها۔ (رسائل صلا)

(۶۲) روى ابوداؤد وابويعلى عن انس رضي الله تعالى عنه مرفوعا لان اقعد مع قوم يذكرون الله حتى تطلع الشمس احب الي من ان اعتق اربعة من ولد اسمعيل ولان اقعد مع قوم يذكرون الله من صلوة العصر احب الي من ان اعتق اربعة (رسائل صلا)

(۶۳) روى البخاري ومسلم عن انس بسندهما عن عمرو بن دينار قال اخبرني ابومعبد اصدق موالي ابن عباس عن مولاي ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال ان رفع الصوت بالذكر حين ينصرف الناس من المكتوبة كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم وفي رواية لهما بسندهما المذكور عنه قال كنت اعرف انقضاء صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتكبير۔

لا يقال قد جاء في سند مسلم ان عمرو بن دينار قال اخبرني بهذا ابومعبد ثم انكره بعد والاصل اذا انكر الرواية او كذبها الفرع يسقط الاعتبار بتلك الرواية

لانا نقول هذه مسألة معروفة عند المحدثين وفيها تفصيل وهو ان الاصل اما ان يجزم بالتكذيب او لا يجزم واذا جزم فتارة يصرح وتارة لا يصرح

فان لم يجزم بتكذيبه كان قال لا اذكره فاتفقوا على قبوله وان جزم وصرح بتكذيبه فاتفقوا على رده وان جزم ولم يصرح به كقول ابى معبد فى هذه الرواية لم احدثك فهذا فيه اختلاف۔

فذهب ابن الصلاح تبعا للخطيب الى رده حيث قال فى مقدمة اصول الحديث اذا روى ثقة عن ثقة حديثا ورجع المروى عنه فالمختار انه ان كان جازما بنفيه بان قال ما رويته او كذب علي ونحو ذلك فقد تعارض الجزمان والجاحد هو الاصل فوجب رد حديث فرعه ثم لا يكون ذلك جرحا له ايضا فانه مكذب لشيخه ايضا فتعارضا اما ان قال المروى عنه لا اعرفه او لا اذكره ونحو ذلك فذلك لا يكون مسقطا عند جمهور اهل الحديث والفقهاء والمتكلمين خلافا لقوم من اصحاب ابى حنيفة رحمه الله تعالى فانهم ذهبوا الى اسقاطه وبنوا عليه ردهم حديث سليمان بن موسى عن الزهرى عن عروة عن عائشة رضى الله تعالى عنها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا نكحت المرأة بغير اذن وليها فنكاحها باطل من اجل ان ابن جريج قال لقيت الزهرى فسألته عنه فلم يعرفه والصحيح ما عليه الجمهور انتهى كلامه۔

فسوى ابن الصلاح بين ما اذا صرح بتكذيبه وقال كذبت علي او لم يصرح به بان قال ما رويته وهو الذى مشى عليه الحافظ ابن حجر فى شرح النخبة لكن قال فى فتح البارى ان الراجح عند المحدثين القبول وتمسك بصنيع مسلم حيث اخرج حديث عمرو بن دينار المذكور مع قول ابى معبد له لم احدثك فانه دل على ان مسلما كان يرى صحة الحديث۔

وفى شرح مسلم للنووى فى احتجاج مسلم بهذا الحديث دليل على ذهابه الى صحة الحديث الذى يروى على هذا الوجه مع انكار المحدث له اذا حدث ثقة وهو مذهب جمهور العلماء من المحدثين والفقهاء والاصوليين فقالوا يحتج به اذا كان انكار الشيخ له لتشكيكه او نسيانه او قال لا احفظه وخالفهم الكرخى من اصحاب ابى حنيفة رحمه الله تعالى فقال لا يحتج به انتهى۔

فظهر انه لا قدح فى اعتبار هذا الحديث كيف وقد اخرجه الشيخان

في صحيحيهما وكذا غيرهما.

فان قلت هذا الحديث وان كان يثبت الجهر بالذكر الا انه غير معمول عند جمهور الفقهاء الحنفية والشافعية فانهم صرحوا بانه لا يسن الجهر بالذكر بعد الصلوة بل بالسر قال في نصاب الاحتساب اذا كبروا على اثر الصلوة جهرا يكره وانه بدعة يعني سوى ايام التشريق انتهى.

وقال النووي في شرح صحيح مسلم هذا الحديث دليل لما قاله بعض السلف انه يستحب رفع الصوت بالذكر عقيب المكتوبة وممن استحبه ابن حزم الظاهري ونقل ابن بطال وغيره ان ارباب المذاهب متفقون على عدم استحباب رفع الصوت بالذكر وحمل الشافعي هذا الحديث على انه جهر وقتا يسيرا لا انهم جهروا دائما انتهى.

قلت عدم كونه معمولا به في استحباب الجهر بالذكر بعد الصلوة لا يستلزم عدم جوازه مطلقا فان الحديث دل على مطلق الجواز ولو احيانا وليس المطلوب الا هذا (رسائل ص[illegible])

(۶۴) روى سعيد بن منصور من رواية عبيد بن عمير عن عمر رضي الله تعالى عنه و ابو عبيد من وجه آخر عنه والبيهقي ايضا عنه وعلقه البخاري انه كان يكبر في قبته بمنى فيسمعه اهل المسجد فيكبرون ويكبر اهل الاسواق حتى ترتج منى تكبيرا (رسائل ص[illegible])

(۶۵) ذكر اصحاب السير كصاحب السيرة الشامية والمواهب اللدنية وغيرهما من رواية ابن سعد في قصة قتل محمد بن مسلمة واصحابه كعب بن الاشرف انهم لما قتلوه ورجعوا وبلغوا بقيع الغرقد كبروا جهرا وقد كان رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم قائما يصلي في تلك الليلة فلما سمع تكبيرهم كبر وعرف انهم قد قتلوه القصة (رسائل ص[illegible])

(۶۶) روى ابو نعيم في حلية الاولياء عن ابن جابر قال كان ابو مسلم الخولاني يكثر ان يرفع صوته بالتكبير حتى مع الصبيان ويقول اذكروا الله حتى يرى الجاهل انكم من المجانين (رسائل ص[illegible])

(٦٧) روى البزار والطبراني وابو نعيم في الحلية والبيهقي في الدلائل وابو نعيم في الدلائل وابن عساكر في قصة اسلام عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه انه لما جاء عند رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم وكان مع اصحابه في دار الارقم و قال اشهد ان لا اله الا الله وانك رسول الله كبر اهل الدار تكبيرة سمعها اهل المسجد (رسائل ص[illegible])

(٦٨) والظاهر ان مراد من قال الجهر حرام هو الجهر المفرط بدليل انهم يستدلون عليه بقوله عليه الصلاة والسلام اربعوا على انفسكم الحديث وقد عرفت في شان وروده ان وروده انما كان في الجهر المفرط لا في الجهر مطلقا مع انه كيف تثبت الحرمة الحقيقية بخبر الآحاد الذي هو من الادلة الظنية .

ومن قال انه بدعة اراد به ان ايقاعه على وجه مخصوص والتزام ملتزم لم يعهد في الشرع بدليل انهم انما اطلقوا البدعة عليه في بحث التكبير في طريق صلاة عيد الفطر وقالوا الجهر به في الطريق على الوجه المخصوص انما ورد في عيد الاضحى واما في عيد الفطر فهو بدعة فتأمل في هذا المقام ليظهر لك اصل المرام فكم زلت فيه الاقدام وتحيرت فيه الاوهام ولا تعجل في الرد والقبول فانه من دأب العوام - (رسائل ص[illegible])

(٦٩) قال ابن عابدين رحمه الله تعالى ، وفي حاشية الحموي عن الامام الشعراني : اجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها الا ان يشوش جهرهم على نائم او مصل او قارئ الخ (رد المحتار ص[illegible] ج۱)

(٧٠) قال الحموي رحمه الله تعالى ، وقد ذكر الشيخ عبد الوهاب الشعراني في كتابه المسمى ببيان ذكر الذاكر للمذكور والشاكر للمشكور ما نصه ، واجمع العلماء سلفا و خلفا على استحباب ذكر الله تعالى جماعة في المساجد وغيرها من غير نكير الا ان يشوش جهرهم بالذكر على نائم او مصل او قارئ كما هو مقرر في كتب الفقه وقد شبه الامام الغزالي ذكر الانسان وحده وذكر الجماعة باذان المنفرد واذان الجماعة قال فكما ان اصوات المؤذنين جماعة تقطع جرم الهواء اكثر من صوت مؤذن واحد كذلك ذكر الجماعة على قلب واحد اكثر تاثيرا في رفع الحجب الكثيفة من ذكر شخص

واحل (حاشية الحموي على الاشباه ص۳۴ ج ۲)

(۴۱) حدثنا الحسن بن علي المعمري ثنا احمد بن العباس صاحب الشامة ثنا الحارث ابن عطية ثنا بعض اصحابنا عن ابن ابی نجیح عن مجاهد عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "اذا مررتم برياض الجنة فارتعوا" قيل يا رسول الله وما رياض الجنة؟ قال: "مجالس العلم" (طبرانی ص۹۵ ج ۱۱)

(۴۲) وقال ابو هزان: قلت لعطاء رحمه الله تعالیٰ ما مجالس الذكر؟ قال: مجالس الحلال والحرام كيف تصلي كيف تصوم كيف تنكح وتطلق وتبيع وتشتري.

(البداية والنهاية ص۳۰۰ ج ۹)

(۴۳) قال العيني رحمه الله تعالیٰ: (قوله نؤمن ساعة) لا يمكن حمله على اصل الايمان لان معاذا رضي الله تعالیٰ عنه كان مؤمنا واي مؤمن فالمراد زيادة الايمان اي اجلس حتى نذكر وجوه الدلالات والادلة الدالة على ما يجب الايمان به.

وقال النووي: معناه نتذاكر الخير واحكام الآخرة وامور الدين فان ذلك ايمان.

وقال ابن المرابط: تذاكر ما يصدق اليقين في قلوبنا لان الايمان هو التصديق بما جاء من عند الله تعالیٰ. (عمدة القاري ص۱۱۴ ج ۱)

(۴۴) قال الكرماني رحمه الله تعالیٰ: (نؤمن ساعة) لا يمكن حمله على اصل الايمان لان معاذا رضي الله تعالیٰ عنه كان مؤمنا واي مؤمن فالمراد زيادة الايمان اي اجلس نذكر وجوه الدلالات الدالة على ما يجب الايمان به.

النووي: معناه نتذاكر الخير واحكام الآخرة وامور الدين فان ذلك ايمان.

(شرح الكرماني ص۷۴ ج ۱)

(۴۵) قال القسطلاني رحمه الله تعالیٰ: (اجلس بنا) بهمزة وصل (نؤمن) بالجزم (ساعة) اي نزداد ايمانا لان معاذا رضي الله تعالیٰ عنه كان مؤمنا اي مؤمن و قال النووي: معناه نتذاكر الخير واحكام الآخرة وامور الدين فان ذلك ايمان. (ارشاد الساري ص۸۵ ج ۱)

(۴۶) قال السندي رحمه الله تعالیٰ: ومعنى الحديث اذا مررتم بمجالس الذكر فادخلوا

فیما لتنالوا الاجر العظیم والفوز بجنات النعیم، ففیہ الحث علی الذکر ومشارکۃ اھلہ فیہ، واطلاق الذکر ھنا یشمل کل ما یذکر باللہ عز وجل من قراءۃ قرآن و مدارسۃ علم وتسبیح وتھلیل ونحو ذلک، ولا سیما وقد فسرت ریاض الجنۃ فی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بمجالس العلم رواہ الطبرانی، و فسرت فی حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالمساجد رواہ الترمذی، وفسرت فی حدیث الباب بحلق الذکر، ولا مانع من ارادۃ الکل وانہ انما ذکر فی کل حدیث بعضھا، لانہ خرج جوابا عن سؤال معین، فرأی ان الاولی بحال السائل ھنا حلق الذکر، وبغیرہ مجالس العلم وھکذا، واللہ اعلم۔ (بلوغ الامانی ص ۲۱۲ ج ۱۴)

(۴۷) اخراج ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رافعی اصواتھم فی المسجد وقولہ لھم ما اراکم الا مبتدعین۔

والجواب عنہ بوجوہ:

احدھا ان ھذا الاثر مع ان ذکرہ جمع من الفقھاء لکن لم یوجد لہ اثر فی کتب الحدیث بل الثابت عنہ خلافہ قال السیوطی فی نتیجۃ الفکر ھذا الاثر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یحتاج الی بیان سندہ ومن اخرجہ من الحفاظ فی کتبھم ورأیت ما یقتضی انکار ذلک عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھو ما رواہ احمد بن حنبل فی کتاب الزھد حدثنا حسین بن محمد بسندہ عن ابی وائل قال ھؤلاء الذین یزعمون ان عبد اللہ کان ینھی عن الذکر ما جالست عبد اللہ مجلسا قط الا ذکر اللہ فیہ انتہی کلامہ۔

وثانیھا انہ علی تقدیر ثبوتہ معارض بالاحادیث الصحیحۃ الصریحۃ فی جواز الجھر الغیر المفرط وھی مقدمۃ علیہ عند التعارض۔

وثالثھا ما ذکرہ البزازی فی فتاواہ علی ما مر ذکرہ (رسائل ص ۴۳۵)

(۴۸) وفی تعالیق الانوار حاشیۃ الدر المختار (قولہ ورفع صوت بذکر الخ) لما روی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ رای قوما یھللون برفع الصوت فی المسجد فقال ما اراکم الا مبتدعین وامر باخراجھم لکن قال العلامۃ الحنفی فی رسالۃ فضل التسبیح والتھلیل ما نقل عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ غیر ثابت

بدلیل ما فی کتاب الزھد بالسند الی ابی وائل انہ قال ھؤلاء الذین یزعمون ان عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان ینھی عن الذکر ما جالسته مجلسا الا ذکر اللہ ای جھرا (رسائل ص۴۲)

(۷۹) وفی الفتاویٰ البزازیۃ فی فتاوی القاضی رفع الصوت بالذکر حرام، وقد صح عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ سمع قوما اجتمعوا فی المسجد یھللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جھرا فخرج الیھم فقال ما عھدنا ذلک علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما اراکم الا مبتدعین فما زال یذکر ذلک حتی اخرجھم من المسجد،

فان قلت المذکور فی الفتاویٰ ان الذکر بالجھر لو فی المسجد لا یمنع احترازا عن الدخول تحت قولہ تعالیٰ "ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ" وصنع ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخلافہ۔

قلت الاخراج من المسجد لو نسب الیہ بطریق الحقیقۃ لجاز ان یکون ذلک لاعتقادھم العبادۃ فیہ وتعلیم الناس انہ بدعۃ والفعل الجائز یجوز ان یکون غیر جائز لغرض یلحقہ (رسائل ص۴۲)

(۸۰) حدثنا علی بن عبد العزیز حدثنا ابو نعیم ثنا سفیان عن سلمۃ بن کھیل عن ابی الزعراء، قال جاء المسیب بن نجبۃ الی عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال انی ترکت قوما بالمسجد یقولون من سبح کذا وکذا فلہ کذا وکذا، قال قم یا علقمۃ، فلما راھم قال یا علقمۃ اشغل عنی ابصار القوم، فلما سمعھم وما یقولون، قال انکم لتمسکون بذنب ضلالۃ او انکم لاھدی من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم (طبرانی ص۱۳۵ ج۹)

حدثنا اسحٰق بن ابراھیم الدبری عن عبد الرزاق عن ابن عیینۃ عن بیان عن قیس بن ابی حازم قال ذکر لابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قاص یجلس باللیل ویقول للناس قولوا کذا وقولوا کذا، فقال اذا رأیتموہ فاخبرونی قال فاخبروہ، فجاء عبد اللہ متقنعا فقال: من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا عبد اللہ بن مسعود تعلمون انکم لاھدی من محمد صلی اللہ علیہ وسلم

واصحابه وانکم لمتعلقون بذنب ضلالة (طبرانی ص۱۳۳ ج۹)

(۸۱) حدثنا اسحٰق بن ابراهیم الدبری عن عبد الرزاق عن جعفر بن سلیمان انا عطاء بن السائب لا اعلمه الا عن ابی البختری قال بلغ عبد الله ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه ان قوما یقعدون من المغرب الی العشاء یسبحون یقولون قولوا کذا وقولوا کذا قال عبد الله ان قعدوا فآذنونی، فلما جلسوا آتوه، فانطلق فدخل معهم، فجلس وعلیه برنس، فاخذوا فی تسبیحهم، فحسر عبد الله عن رأسه البرنس، وقال انا عبد الله بن مسعود، فسکت القوم، فقال: لقد جئتم ببدعة وظلماء، او لقد فضلتم اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم علما، فقال رجل من بنی تمیم ما جئنا ببدعة ظلماء ولا فضلنا اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم علما، فقال عمرو بن عتبة بن فرقد استغفر الله یا ابن مسعود واتوب الیه، فامرهم ان یتفرقوا. قال ورأی ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه حلقتین فی مسجد الکوفة فقام بینهما، فقال ایتکما کانت قبل صاحبتها؟ قالت احداهما نحن، فقال للاخری قوموا الیها فجعلها واحدة (طبرانی ص۱۳۳ ج۹)

(۸۲) حدثنا علی بن عبد العزیز ثنا ابو نعیم ثنا عبد السلام بن حرب عن عطاء بن السائب عن ابی البختری وربما قال ناس دخل المسجد فاذا هو بحلقتین، فقال للغلام انطلق وانظر اهؤلاء جلوس قبل ام هؤلاء فجاء فقال هؤلاء، فقال انما یکفی المسجد حدث واحد، فانما هلک من کان قبلکم بالتشاغی (طبرانی ص۱۳۳ ج۹)

(۸۳) حدثنا عثمان بن عمر الضبی ثنا عبد الله بن رجاء انا زائدة عن عطاء ابن السائب عن ابی البختری قال ذکر لعبد الله رضی الله عنه ان رجلا یجتمع الیه وذکر حدیث ابی نعیم (طبرانی ص۱۳۴ ج۹)

(۸۴) حدثنا ابو مسلم الکشی قال ثنا ابو عمر الضریر انا حماد بن سلمة ان عطاء بن السائب اخبرهم عن ابی عبد الرحمٰن السلمی قال کان عمرو بن عتبة بن فرقد السلمی ومعضد فی اناس من اصحابهما اتخذوا مسجدا

يسبحون فيه بين المغرب والعشاء كذا ويحمدون كذا ويسبحون كذا، فاخبر بذلك عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه، فقال للذي اخبره اذا جلسوا فأذني، فلما جلسوا اذنه، فجاء عبد الله عليه برنس حتى دخل عليهم فكشف البرنس عن رأسه ثم قال انا ابن ام عبد والله لقد جئتم ببدعة ظلماء، او قد فضلتم اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم علما، فقال معضد وكان رجلا مفوها والله ما جئنا ببدعة ظلماء، ولا فضلنا اصحاب محمد صلى الله عليه وعلى آله وسلم، فقال عبد الله لئن اتبعتم القوم، لقد سبقوكم سبقا مبينا، ولئن جرتم يمينا و شمالا لقد ضللتم ضلالا مبينا (طبرانی ص۱۲۵ ج ۹)

⑤⑧ حدثنا علي بن عبد العزيز ثنا ابو النعمان عارم ثنا حماد بن زيد عن مجالد بن سعيد عن عمرو بن سلمة قال كنا قعودا على باب ابن مسعود رضي الله تعالى عنه بين المغرب والعشاء، فاتى ابو موسى، فقال اخرج اليكم ابو عبد الرحمن؟ قال فخرج ابن مسعود رضي الله تعالى عنه فقال ابو موسى ما جاء بك هذه الساعة؟ قال لا والله الا اني رأيت امرا ذعرني وانه لخير، ولقد ذعرني وانه لخير، قوم جلوس في المسجد ورجل يقول لهم سبحوا كذا وكذا، احمدوا كذا وكذا، قال فانطلق عبد الله رضي الله تعالى عنه فانطلقنا معه حتى اتاهم، فقال ما اسرع ما ضللتم واصحاب محمد صلى الله عليه وسلم احياء وازواجه شواب وثيابه وآنيته لم تغير احصوا سيئاتكم فانا اضمن على الله ان يحصي حسناتكم،
(طبرانی ص۱۲۶ ج ۹)

الاحکام المستفادۃ

- ذکر خفی بلا شبہہ افضل ہے (۱ تا ۸، ۲۳، ۲۵)
- روایات جہر کو حضرت امام مالک و دیگر بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے "ما ورد بہ الشرع" کے ساتھ مختص قرار دیا ہے، دوسرے حالات میں جہر حرام ہے، (۱ تا ۳، ۵، ۹، ۲۲ تا ۳۲، ۷۷ تا ۷۹)
- ائمۂ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ سے "مواضع معہودہ فی الشرع" کے سوا جہر کی حرمت و جواز دونوں قول ہیں۔ اکثر نے "ما ورد بہ الشرع" پر قیاس کرکے جواز کا قول فرمایا ہے، معہذا بعض حالات میں حرام اور بعض میں مستحب قرار دیا ہے، یعنی جواز جہر لعینہ ہے اور بعض حالات میں حرمت یا استحباب لغیرہ ہے (۲، ۳، ۵، ۲۳، ۲۵ تا ۳۷، ۶۹، ۷۰، ۷۸ تا ۸۵)

عوارض استحباب جہر:

1. ذاکر کا "اواہ" ہونا (۳۴ تا ۳۶)
2. قلب کا جمود و خمود (۲۳، ۳۷)
3. غلبۂ نوم (۲۳، ۳۷)
4. وساوس و خواطر ردیئہ (۲۳، ۳۷)

- **حلق ذکر:**
- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے "ریاض الجنۃ" کی چار تفسیریں منقول ہیں:
  ۱ مساجد ۲ حلق ذکر ۳ مجالس ذکر ۴ مجالس علم (۴۷، ۴۸، ۵۲، ۵۷، ۶۷، ۶۹)
- رئیس المحدثین والفقہاء حضرت عطاء و بعض دیگر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے حلق ذکر و مجالس ذکر کو بھی "مجالس علم" پر محمول فرمایا ہے، (۴۷، ۴۸)

لفظ "حلق" سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، بصورت حلقہ بیٹھنے کی ضرورت مجالس علم ہی میں ہوتی ہے، تسبیح و تہلیل جیسے اذکار میں اولاً تو اجتماع ہی کی ضرورت نہیں ثانیاً اتفاقاً اجتماع ہو بھی گیا تو حلقہ بنانے کی کیا ضرورت؟ اور نفس اجتماع کی "حلقہ" سے تعبیر غیر معقول نہ کتب لغت میں منقول۔

○ اکثر شراح حدیث فرماتے ہیں کہ "حلق ذکر" عام ہے، مجالس علم و مجالس تسبیح وغیرہ سب کو شامل ہے۔

مگر بدون مجلس علم ذکر بصورت حلقہ کا نہ کوئی قول نظر سے گزرا اور نہ ہی نفس اجتماع بدون صورت حلقہ کو "حلقہ" کہنے کی کوئی وجہ۔

○ بدون تداعی اجتماعی ذکر جائز بغیرہ ہے،

○ عوارض جیسے وہی ہیں جو "عوارض استحباب جہر" کے تحت لکھے گئے ہیں۔

○ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام عموماً مجالس ذکر میں شرکت نہ فرماتے تھے (۹)

○ حضرات محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے جن حضرات نے مجالس ذکر کی روایات نقل فرمائی ہیں انھوں نے اپنے ہاں مجالس ذکر قائم نہیں فرمائیں بلکہ صوفیہ کی مجالس ذکر میں بھی شریک نہیں ہوئے، اس معمول کو صرف صوفیہ کی طرف منسوب فرمایا ہے (۲۳، ۲۵، ۳۲)

○ بقول بعض محدثین مجالس ذکر کی روایات صدر اول کے بعد پیدا ہونے والے لوگوں کے بارے میں ہیں (۳۲)

○ اجتماعی ذکر کے جواز کے لئے بدعات سے اجتناب شرط ہے، کوئی بدعت شامل ہو جائے تو حرام ہے (۲۶، ۲۸، ۶۸، ۸۰ تا ۸۵)

○ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں مجالس ذکر میں بدعات شامل ہو گئی تھیں۔ (۲۶)

اس سے دور حاضر کی مجالس ذکر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

○ **اثر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:**

○ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہیئت اجتماعیہ جہراً ذکر کرنے والوں کو مبتدعین قرار دے کر ڈانٹ کر مسجد سے نکال دیا تھا (۷۷ تا ۸۵)

○ مجالس ذکر کے مجوزین نے اس کے تین جوابات دیے ہیں:

(۱) اس اثر کا کتب حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

(۲) یہ جواز جہر سے متعلقہ احادیث صحیحہ صریحہ کے خلاف ہے۔

(۳) ان لوگوں نے کوئی بدعت شامل کر لی ہوگی، مثلاً: اجتماع بالتداعی، امام و منتظم باہم کوئی اور ارتباط، جہر مفرط وغیرہ (۷۷ تا ۷۹)

○ پہلا جواب اسلئے صحیح نہیں کہ طبرانی نے متعدد اسانید سے اسکی تخریج فرمائی ہے (۵۸، ۵۸)
علاوہ ازیں اکثر فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے "وقد صح عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ" سے اس کی تصحیح و توثیق فرمائی ہے تنافی رقم (۵۹)

○ دوسرے جواب میں رد "بلا سبب" ہے، اس لئے تیسرا جواب ہی متعین ہے۔

○ البدع والحوادث :

(۱) جہر کو مستحب لعینہ سمجھنا (۲) جہر کو بدون عوارض ذکر خفی سے افضل سمجھنا۔

(۳) مجالس ذکر کو جائز لعینہا سمجھنا (۴) فی معتقد کو خفا مستحبہ بدعۃ بالاولیٰ۔

(۵) باہم امام اور مقتدیوں جیسا تعلق رکھنا یعنی کوئی شخص مقتدی بن کر ذکر کرنے والے دوسرے اس کی اقتدا کریں۔

(۶) ذاکرین میں باہم کسی بھی قسم کا ربط (۷) بذریعہ تداعی دو تین افراد سے زیادہ کو جمع کرنا، نوافل کی جماعت میں دو تین سے زیادہ کا نفس اجتماع ہی بحکم تداعی ہے، مگر حلق ذکر میں یہ صورت بحکم تداعی نہیں۔

قول معاذ و عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۸) فرائض اور واجبات کی طرح التزام، یا اس کے تارک کو ملامت کرنا یا اس کی طرف غفلت کی نسبت کرنا یا اس کو طریق افضل کا تارک سمجھنا۔

(۹) دوسری تقییدات و تخصیصات۔

(۱۰) یہ اعتقاد کہ مجلس ذکر بدون ترک معاصی اصلاح قلب و نجات کے لئے کافی ہے۔

(۱۱) حاجات دنیویہ کے لئے اس اعتقاد سے مجالس ذکر منعقد کرنا کہ ارتکاب کبائر کے باوجود اس سے کام بن جائے گا۔

○ قول معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ "اجلس بنا نؤمن ساعۃ" (صحیح بخاری ص۱)

○ اس قسم کے الفاظ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں (۴۱، ۴۲)
اس سے ذکر کے لئے تداعی پر استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ اس سے مجلس علم مراد ہے (۴۳ تا ۴۶)

○ اگر مجلس ذکر تسلیم کر لی جائے تو دعوۃ الواحد ہے تداعی نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء
المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن (القرآن)

هداية المرتاب
في
فرضية الحجاب

پردۂ شرعی
قرآن، حدیث، فقہ اور عقلِ سلیم
کی
روشنی میں

کتبہ فاروقی

هدایۃ المرتاب
فی
فرضیۃ الحجاب

پردۂ شرعی

مختلف اوقات میں تحریر کردہ چند فتاویٰ کا مجموعہ
اپنے موضوع میں منفردہ تحریرات:

- قرآن کریم کی آیات بینات
- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات
- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تشریحات
- حضرت فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات
- خوف فتنہ کو پردہ کی علت قرار دینا الحاد ہے
- چہرے کے پردہ کی تحقیق انیق
- "زینت ظاہرہ" کی تدقیق عمیق
- وجوب حجاب کو امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی خصوصیت قرار دینا سراسر جہالت اور قرآن و حدیث کی مخالفت ہے۔

✱ ✱ ✱ ✱ ✱

کتبہ نور زروق

پردہ کی فرضیت

سوال : زید اس امر کا قائل ہے کہ پردہ کا حکم فرض نہیں استحبابی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ تک پردہ کا اس قدر اہتمام نہ تھا جو آج کل کے علماء رکھتے ہیں۔ اس لئے بستیوں میں جو لوگوں کا طریقہ ہے کہ عورتیں کام کاج کے لئے جاتی ہیں اور لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں آتے جاتے ہیں یہ سنت کے خلاف نہیں۔

آپ تحریر فرمائیں کہ قرآن و حدیث میں پردہ کی کس قدر اہمیت ہے اور زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا بالبرهان توجروا عند الرحمٰن

الجواب ومنه الصدق والصواب

پردہ کے ثبوت میں اس وقت چند امور بالاختصار بیان کئے جاتے ہیں :

(۱) عورت کو بلا ضرورت برقع میں بھی باہر نکلنا حرام ہے۔

(۲) کسی اہم ضرورت کے لئے پردہ میں باہر نکلنا جائز ہے۔ بشرطیکہ برقع وغیرہ مزین نہ ہو۔ کسی قسم کی خوشبو نہ لگائی ہو۔ کلام اور چال دلکش نہ ہو۔ فتنہ کا احتمال نہ ہو۔

(۳) بلا پردہ باہر نکلنا اور غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنا بلا ضرورت شدیدہ حرام ہے۔

اب ان امور ثلاثہ کے دلائل تحریر کئے جاتے ہیں۔

امر اوّل : بلا ضرورت برقع میں بھی باہر نکلنا حرام ہے۔

(۱) وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى (۳۳-۳۳)

اس آیت میں خطاب اگرچہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو ہے مگر حکم عام ہے۔

عموم پر چند قرائن ہیں :

(۱) آیت کے ماقبل اور مابعد میں مذکورہ احکام یعنی لَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ، قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا، أَقِمْنَ الصَّلٰوةَ، آتِيْنَ الزَّكٰوةَ وغیرہ عام ہیں، ملا کوئی نطاب ان میں بھی خاص ہے۔

(۲) قَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ کی تاکید کے لئے اس کے مقابل یعنی تبرج جاہلیت سے روکا

گیا جب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اظہار جاہلیت یعنی رسوم کفر و شرک کی اجازت کسی بھی مسلمہ عورت کو نہیں۔ جب لَا تَبَرَّجْنَ کا عموم مسلّم ہے تو اس کے مقابل قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ کا عموم بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔

(۴) عورت کو گھر میں مستور رکھنے کی حکمت خود قرآن میں مذکور ہے۔ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ ۔

اس سے ثابت ہوا کہ پردہ کی حکمت احتمال فتنہ ہے۔ اور فتنہ کا احتمال ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی بنسبت دوسری عورتوں میں زیادہ ہے جس کے اسباب یہ ہیں:

(۱) ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن رجال امت پر محرمات مؤبدہ ہیں۔
قال اللہ تعالیٰ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ــــ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ۔
محرمہ مؤبدہ کی طرف طبعاً میل نفس نہیں ہوتا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی رجال امت کے لئے وقوع فی الفتنہ سے مانع ہے۔

(۳) عورت کی طرف سے بھی میلان موہوم ہو تو فتنہ کا احتمال زیادہ قوی ہوتا ہے۔
قوت احتمال کا یہ سبب امت کی عورتوں میں موجود ہے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے خیالات پاکیزہ اور نفوس قدسیہ تھے، ان کی تطہیر کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔
لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۔

غرضیکہ جب حکمت پردہ غیر ازواج میں اتم ہے تو ثابت ہوا کہ قرار فی البیوت کا حکم بھی امت کی عورتوں کے لئے بطریق اولیٰ وآکد ہے۔ اس زمانہ میں تو وجود فتنہ متیقن ہے۔

(۲) وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ (۳۳-۵۳)

اس آیت میں بھی خطاب خاص اور حکم عام ہے کیونکہ حکمت حکم ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ عام ہے۔ بلکہ غیر ازواج میں احتمال فتنہ زیادہ ہے کما مر مفصلاً۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سوال وجواب کی ضرورت کے باوجود بھی عورت برقع وغیرہ میں لپٹ کر سامنے نہ جائے بلکہ وراء حجاب رہ کر ضرورت پوری کی جائے۔

(۳) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت اومت امرأۃ من وراء ستر بیدھا

کتاب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. رواہ ابوداؤد والنسائی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی عورتیں بغیر کسی مجبوری کے برقع وغیرہ میں بھی نہ آتی تھیں، بلکہ حتی الامکان وراء ستر رہ کر اپنی حاجات پیش کرتی تھیں۔

(۴) عن انس رضی اللہ تعالی عنہ فی قصۃ تزوج زینب رضی اللہ تعالی عنھا من الحدیث الطویل قال فرجعت فاذا ھم قد قاموا فضرب بینی وبینہ الستر ونزل اٰیۃ الحجاب، رواہ مسلم۔

اگر برقع وغیرہ میں بلا ضرورت سامنے ہونا جائز ہوتا تو ضرب ستر کی ضرورت نہ تھی، بلکہ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر لے جاتے اور ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنھن کو کپڑے سے چہرہ ڈھانکنے کا حکم فرما دیتے۔

(۵) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالی عنہ فی قصۃ الفتی حدیث العہد بعرس فاذا امرأتہ بین البابین قائمۃ فاھوی الیھا بالرمح لیطعنھا بہ واصابتہ غیرۃ، رواہ مسلم۔

(۶) واقعہ افک میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے ہودج سے معلوم ہوا کہ حتی الامکان حجاب اشخاص ضروری ہے، بلا ضرورت برقع وغیرہ میں لپٹ کر ظاہر ہونا بھی جائز نہیں۔ اگر برقع میں ظاہر ہونا معیوب نہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے لئے ضرورت سفر کے باوجود ہودج پر نقاب کیوں بنایا گیا؟ حالانکہ ہودج پر بلا حجاب صرف برقع وغیرہ میں لپٹ کر بیٹھنا بھی ممکن تھا۔

(۷) عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالی عنہا انھا کانت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومیمونۃ رضی اللہ تعالی عنہا اذ اقبل ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالی عنہ فدخل علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلت یا رسول اللہ الیس ھو اعمٰی لا یبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ، رواہ احمد والترمذی وابوداؤد۔

برقع وغیرہ میں لپٹ کر باہر نکلنے میں عورت مردوں کو دیکھتی ہے، لہٰذا بلا ضرورت ناجائز ہے۔ حدیث میں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنھن کو ایک متقی نابینا صحابی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا گیا ہے حالانکہ ازواج مطہرات اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی فضیلت ملائکہ کے لئے بھی قابلِ رشک ہے۔ ان ارواحِ قدسیہ کی پاکبازی پر قسم اٹھائی جا سکتی ہے تو فسق و فجور کے اس دور میں برقع وغیرہ میں لپٹ کر باہر نکلنا بلا ضرورت کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

(۸) عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفها الشیطان۔ رواہ الترمذی۔

(۹) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس للنساء نصیب فی الخروج الا مضطرۃ، الحدیث، رواہ الطبرانی فی الکبیر۔

(۱۰) عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ای شئ خیر للمرأۃ فسکتوا فلما رجعت قلت لفاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ای شئ خیر للنساء قالت لا یرین الرجال ولا یرونهن فذکرت ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال فاطمۃ بضعۃ منی، رواہ البزار والدارقطنی فی الافراد۔

برقع وغیرہ میں لپٹ کر باہر نکلنے سے عورتیں مردوں کو دیکھتی ہیں، لہٰذا بلا ضرورت ناجائز ہے۔

(۱۱) عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المرأۃ تقبل فی صورۃ شیطان وتدبر فی صورۃ شیطان، رواہ مسلم۔

مندرجہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت برقع وغیرہ میں لپٹ کر بھی باہر نکلنا جائز نہیں۔

امر دوم :

بوقتِ ضرورت برقع وغیرہ میں لپٹ کر باہر نکلنا جائز ہے۔

(۱) یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ (۳۳-۵۹)

(۲) عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت خرجت سودۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد ما ضرب الحجاب لحاجتها (الی قولها) فقالت یا رسول اللہ انی خرجت لبعض حاجتی فقال لی عمر کذا وکذا قالت فاوحی اللہ الیہ فقال انہ قد اذن لکن ان تخرجن لحاجتکن، رواہ البخاری۔

(۳) قالت امرأۃ یا رسول اللہ احدانا ما لیس لها جلباب قال لتلبسها صاحبتها

من جلابیبها، رواہ الشیخان۔

(۴) عن ام عطیة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت امرنا ان نخرج الحیض یوم العیدین وذوات الخدور، رواہ الشیخان۔

لفظ ذوات الخدور سے معلوم ہوا کہ صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بوقت ضرورت چادر میں لپٹ کر نکلتی تھیں۔

(۵) عن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جاءت امرأة الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقال لها ام خلاد وهی منتقبة، الحدیث، رواہ ابوداؤد۔

مندرجہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ مستورہ بہ ضرورت کے وقت برقع وغیرہ میں لپٹ کر نکلنا جائز ہے۔

مگر مزین برقع پہننا اور دلکش رفتار وگفتار اختیار کرنا اور خوشبو لگا کر نکلنا جائز نہیں۔

(۱) عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس فی المسجد اذ دخلت امرأة من مزینة ترفل فی زینة لها فی المسجد فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایها الناس انهوا نساءکم عن لبس الزینة والتبختر فی المسجد فان بنی اسرائیل لم یلعنوا حتی لبس نساءهم الزینة وتبختروا فی المساجد، رواہ ابن ماجة۔

(۲) عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرأة استعطرت فمرت علی قوم لیجدوا ریحها فهی زانیة وکل عین زانیة، رواہ النسائی وابن خزیمة وابن حبان والحاکم (الترغیب والترهیب)

(۳) ولیخرجن وهن تفلات، رواہ ابوداؤد۔

امر سوم:

بلا برقع وغیرہ کے باہر نکلنا اور غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنا حرام ہے۔

(۱) وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (الیٰ قولہ) وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ (۲۴-۳۱)

الا ما ظهر کی تفسیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: الا الثیاب والجلباب (درمنثور)

ہدایۃ المرتاب ــــــــــــــــ ۷

حضرات مفسرین وفقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر الا الوجہ والکفین کی تین توجیہات بیان فرمائی ہیں :

(۱) ضرورت شدیدہ پر محمول ہے، لئلا یتعارض بالنصوص والروایات الناصفیۃ ویدل علیہ سیاق ھذہ الآیۃ ایضا وفی الآیۃ الآتیۃ دلالۃ واضحۃ علی ذلک۔

(۲) اس سے مراد ابداء عند الرجال نہیں، بلکہ ابداء فی نفسہ مراد ہے۔

(۳) اس میں اظہار کی اجازت نہیں بلکہ ضرورت ظہور بلا اختیار کا بیان ہے۔

لم نکتب تفصیلہ مع کونہ مہما مخافۃ الاطناب ومن شاء فلیرجع الی القاء السکینۃ فی تحقیق ابداء الزینۃ لحکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ

(۲) وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ (۲۴ - ۶۰)

اس سے ثابت ہوا کہ شواب کو چہرہ کھولنا جائز نہیں۔

(۳) عن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرسلا قال بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ، رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(۴) عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل یا رسول اللہ ارأیت الحمو قال الحمو الموت، متفق علیہ۔

(۵) عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یخلون رجل بامرأۃ الا کان ثالثہما الشیطان، رواہ الترمذی۔

(۶) عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین ذکر الازار فالمرأۃ یا رسول اللہ قال ترخی شبرا فقالت اذا تنکشف اقدامہن قال فیرخین ذراعا، رواہ ابوداؤد۔

جب پاؤں کھولنا جائز نہیں تو چہرہ کھولنا بطریق اولیٰ حرام ہوگا۔

(۷) عن جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نظر الفجاءۃ فامرنی ان اصرف بصری، رواہ مسلم۔

(۸) عن عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفعہ ثلاثۃ لا یدخلون الجنۃ ابدا الدیوث والرجلۃ من النساء والمدمن الخمر قالوا اما المدمن الخمر فقد عرفناہ فما الدیوث قال الذی لا یبالی من

دخل علی اهله، رواه الطبرانی فی الکبیر۔

(۹) عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال نهی النبی صلی الله علیه وسلم ان یمشی الرجل بین امرأتین، رواه ابو داؤد۔

(۱۰) عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حدیث طویل الید زناها البطش، رواه مسلم۔

(۱۱) عن معقل بن یسار رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لان یطعن فی رأس احدکم بمخیط من حدید خیر له من ان یمس امرأة لا تحل له، رواه البیهقی والطبرانی۔

جب عورتوں کو باہر نکلنے کی اجازت دی جائے گی تو ظاہر ہے کہ اختلاط مع الرجال اور غیر محارم سے مس ید وغیرہ بھی واقع ہوگا جس پر سخت وعید کا بیان حدیث بالا میں گزرا۔

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ عورت کو غیر محارم کے سامنے چہرہ کھولنا حرام ہے۔ یہ مسئلہ بہت وضاحت کے ساتھ فقہ حنفی کی جملہ کتب میں بھی موجود ہے۔

قال فی شرح التنویر وتمنع الشابة وجوبا من کشف الوجه بین الرجال لا لانه عورة بل لخوف الفتنة۔

عورت کے لئے آزادانہ باہر نکلنے کی اجازت تو درکنار شریعت میں عورت کے بارے میں اس قدر احتیاط کا حکم ہے کہ بعض مواضع میں محرم کے ساتھ خلوت سے بھی منع کیا گیا ہے۔

(۱) عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها فی قصة طویلة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم هو لک یا عبد بن زمعة الولد للفراش وللعاهر الحجر ثم قال لسودة رضی الله تعالیٰ عنها احتجبی منه لما رأی من شبهه بعتبة فما رآها حتی لقی الله، رواه الشیخان۔

حالانکہ یہ شخص شرعی قانون کے مطابق حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا محرم تھا۔ پھر بھی اس سے پردہ کا حکم فرمایا۔

(۲) فی الترغیب عن عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل من الانصار افرأیت الحمو قال الحمو الموت، رواه البخاری ومسلم والترمذی۔

ثم قال ومعنی کراهة الدخول علی النساء علی نحو ما روی عن النبی صلی الله علیه وسلم

عورت اپنے محرم کی اقتدا میں نماز پڑھ رہی ہو تو سہو امام کی صورت میں عورت کو زبان سے لقمہ دینا جائز نہیں بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر امام کو متنبہ کرے۔
پانی یا آئینے میں عورت کا عکس دیکھنا جائز نہیں۔
عورت کا سؤر اجنبی مرد کے لئے اور مرد کا سؤر غیر محرم عورت کے لئے مکروہ ہے۔
عورت کے بالوں اور ناخنوں کو دیکھنا جائز نہیں اگرچہ بدن سے جدا ہو چکے ہوں۔
غیر محرم عورت کو یاد کر کے لذت حاصل کرنا حرام ہے۔
وغیر ذلک من الجزئیات الواردۃ فی کتب الفقہ۔

اجماع ائمہ اربعہ:

مذاہب ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں تو شروع ہی سے مطلقاً ہر حالت میں چہرے کا پردہ فرض ہے، حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے متقدمین نے شہوت سے مکمل طور پر امن کی صورت میں گنجائش دی تھی مگر متأخرین نے فساد زمان کی وجہ سے مطلقاً حرمت کا فتویٰ دیا ہے،

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: فان خاف الشہوۃ او شک امتنع النظر الی وجہہا فحل النظر مقید بعدم الشہوۃ والا فحرام وہذا فی زمانہم واما فی زماننا فمنع من الشابۃ قہستانی وغیرہ، الا النظر لا المس لحاجۃ کقاض وشاہد یحکم ویشہد علیہا (رد المحتار ص ۲۳۶ ج ۵)

متقدمین حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے گنجائش بھی صرف کام کرنے والی عورتوں کے لئے ضرورت کی بناء پر تھی، بہرحال اس زمانہ میں دوسرے ائمہ کی طرح احناف کے ہاں بھی کوئی گنجائش نہیں۔

غرضیکہ زید کا یہ کہنا:

"عورتوں کو آزادانہ باہر آنا جانا جائز ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ایسا ہی تھا پردہ کا اہتمام نہ تھا"

قرآن کی نصوص قطعیہ، احادیث متواترۃ المعنی اور تصریحات فقہیہ کے بالکل خلاف ہے، بلکہ اس قول میں نصوص قطعیہ کا انکار اور نقض اجماع ہونے کی وجہ سے کفر کا اندیشہ ہے، زید کو لازم ہے کہ توبہ کرے اور اپنی رقبہ سے ربقہ اسلام نکالنے کی کوشش نہ کرے۔
وما علینا الا البلاغ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۲ھ

ہدایۃ المرتاب ——— ۱۱

خوف فتنہ کو پردہ کی علت قرار دینا الحاد ہے :

سوال : ایک عالم دین فرماتے ہیں کہ عورتوں کے لئے پردہ کا حکم خوف فتنہ کی وجہ سے ہے، جہاں فتنہ کا اندیشہ موجود یا ہو، پردہ کا حکم نہیں، کیا ان کا یہ خیال صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسا شخص عالم دین ہرگز نہیں ہوسکتا، کوئی عالم قرآن و حدیث کی نصوص صحیحہ و صریحہ کے خلاف ایسا بیہودہ اور ملحدانہ خیال ہرگز ظاہر نہیں کرسکتا۔ یہ خیال بوجوہ ذیل باطل، مردود اور الحاد ہے :

(۱) قرآن و حدیث کی نصوص میں حکم حجاب مطلق ہے، جس میں "خوف فتنہ" کی قید نہیں۔

نماز میں عورت پر چہرہ ڈھانکنا فرض نہیں، اس کی توجیہ میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عورت کا چہرہ ستر میں داخل نہیں، معہٰذا غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنا خوف فتنہ کی وجہ سے حرام ہے۔ اس توجیہ میں بیان حکمت مقصود ہے نہ کہ بذریعہ تعلیل قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ میں اپنی طرف سے تقیید و پیوند کاری جیسا: ملحد، شخاقنا اللہ تعالیٰ منہ،

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے حرمۃ الجمع بین الاختین کی حکمت "خوف فتنہ" کو کوئی ملحد علت قرار دے کر عدم خوف کی صورت میں حکم حلت دینے لگے۔ ایسا ملحد شرعاً واجب القتل ہے، حتی کہ گرفتاری کے بعد اس کی توبہ بھی قبول نہیں۔

(۲) اگر بفرض محال "خوف فتنہ" کو علت تسلیم بھی کرلیا جائے تو قانون یہ ہے کہ جہاں علت کا وجود و عدم مخفی ہو وہاں سبب کو علت کے قائم مقام قرار دیکر اسی کو مدار حکم قرار دیدیا جاتا ہے، مثلاً :

(۱) نوم میں نقض وضوء کی اصل علت تو انفلات ریح ہے مگر اس کا علم حاصل کرنا متعسر ہے لہٰذا نفس نوم ہی کو علت قرار دیکر اس پر ناقض وضوء ہونے کا حکم لگادیا گیا۔

(۲) سفر میں قصر و افطار کی اصل علت تو مشقت ہے مگر اس کے خفاء

کی وجہ سے نفسِ سفر ہی کو علت کے قائم مقام قرار دیکر اس پر احکام مرتب کردیے گئے۔

"خوفِ فتنہ" بھی اسی قسم میں داخل ہے، اس کا وجود و عدم مخفی ہے، لہٰذا شریعت نے سبب "کشفِ الوجہ" کو علت یعنی "خوفِ فتنہ" کے قائم مقام قرار دیکر مطلقاً "کشفِ الوجہ" پر حکم حرمت لگا دیا، اس زمانہ میں فتنہ یقیناً متحقق ہے۔

(۳) امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لیے بھی حکمِ حجاب میں یہی حکمت تھی،

قال تعالیٰ: فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض، وقلن قولا معروفا۔

وقال: واذا سألتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب ذلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن ط

وقال صلی اللہ علیہ وسلم لام سلمۃ ومیمونۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما لما دخل عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ: احتجبا منہ۔ ۔ ۔ ۔ افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ۔

نصوصِ مذکورہ کے پیشِ نظر اس دورِ فتن میں کوئی فتنہ سے مامون ہونے کا دعویٰ کس منہ سے کرسکتا ہے؟

(۴) اس قسم کے ملحد لوگ عدمِ خوفِ فتنہ کی آڑ میں نفس پرستی کا بازار خوب گرم رکھتے ہیں، یہ اپنے بارے میں عدمِ خوفِ فتنہ اور اپنے نفس پر اعتماد کے مدعی ہیں اور حقیقت یہ ہے جو شخص اپنی پاکدامنی اور نفس پر اعتماد کا دعوے کرتا ہے وہ یقیناً گناہ میں مبتلا ہو کر رہتا ہے، جو اس کے عجب واعتمادِ نفس اور حکمِ شرع کے استخفاف پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وبال وعذاب ہوتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام تو اعتمادِ نفس کی جڑیں کاٹ رہے ہیں، وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ط اور یہ اعتمادِ نفس کے دعوے کررہے ہیں اور تقویٰ میں حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی اعلیٰ مقام کے مدعی ہیں، کیا ایسے لوگ بھی اس گستاخی کے وبال سے بچ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اس گناہ میں مبتلا کرکے دنیا میں بھی ذلیل کرتے ہیں، ولعذاب الآخرۃ اکبر۔

چشمِ عبرت کے سامنے دنیا میں اس عزیز ذوانتقام کے انتقام کی مثالیں کچھ کم نہیں۔ ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار۔

(۵) خوفِ فتنہ نہ ہونے کا بہانہ عموماً اقارب واحباب کے حق میں تراشا جاتا ہے

حالانکہ اجانب کی بنسبت ان سے بہت زیادہ خطرہ ہے، اجانب کو اولاً تو تعلقات پیدا کرنے کے مواقع بمشکل ہی ملتے ہیں، پھر وہ بدنامی کے خطرہ سے تعلقات بڑھانے سے خود ہی ڈرتے ہیں، پھر دوسری جانب سے ان کی ذراسی حرکت پر بھی شدید ردّ عمل اور سخت احتساب ہوتا ہے جو انکے اجتماع سے مانع ہے، اس کے برعکس اقارب و احباب کے لئے کوئی مانع نہیں بلکہ ہر قسم کے محرکات موجود ہیں، بے خطر آمد و رفت، بے حجابانہ اختلاط، ہنسی مذاق اور اس پر جانب مقابل کی طرف سے کسی قسم کے احتساب و ناگواری کی بجائے آفرین وتحسین۔ چنانچہ انہی وجوہ کی بناء پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "الحمو الموت" ارشاد فرما کر اقارب سے زیادہ سخت پردہ کی تاکید فرمائی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اقارب سے زیادہ خطرہ بیان فرماتے ہیں اور یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشاد کے مقابلہ میں اقارب سے عدم خوف کا دعوی کر رہے ہیں، ذرا اپنے ایمان کی خبر لیں، نفس پرستی کا انجام یہی ہوتا ہے کہ انکار و کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے، ثم كان عاقبة الذين اساؤا السوأى ان كذبوا بآيات الله وكانوا بها يستهزءون

(۶) اس طرز منطق کے تحت ہر فاسق سے فاسق شخص عدم خوف فتنہ کے بہانے سے گھوڑے دوڑا رہا ہے، آپ کسی بھی بڑے سے بڑے فاسق فاجر کو خوف فتنہ کی نصیحت کریں تو وہ اسے قبول کرنے کی بجائے آپ کو برا بھلا کہے گا۔

(۷) اگر کوئی مریض عجب و اسیر کید نفس اپنے اندر عدم خوف فتنہ کا مدعی ہے تو اسے دوسری جانب میں خوف فتنہ نہ ہونے کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟

(۸) فتنہ صرف یہی نہیں کہ زنا تک نوبت پہنچ جائے بلکہ نظر یا کلام سے استلذاذ اور شہوۃ تب بھی گناہ اور فتنہ ہے، شہوۃ قلب اگرچہ غیر اختیاری ہے مگر اس کا سبب "کشف وجہ اور اختلاط" اختیاری ہے، لہٰذا اس پر بھی گرفت ہے۔

(۹) عدم خوف فتنہ کی بناء پر پردہ نہ کرنے کا لازمی اثر ہوگا کہ عوام ایسے لوگوں کے عمل کو دیکھ کر اس قید سے قطع نظر مطلقاً بے پردگی کو جائز سمجھنے لگیں گے اور حجاب کے حکم قطعی کا انکار کر کے کفر تک جا پہنچیں گے جس کا وبال ان لوگوں پر ہوگا جو "خوف فتنہ" سے تعلیل کا فتنۂ اباحیت و الحاد پھیلا رہے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ رمضان [illegible]ھ

ہدایۃ المرتاب ——— ۱۲

چہرے کے پردے کی فرضیت قرآن و حدیث سے :

سوال : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا کی تفسیر الوجہ والکفین منقول ہے، اس سے کئی ملحد اور بے دین لوگ استدلال کرکے عورت کے لئے غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنے کو جائز بتلاتے ہیں حالانکہ ہر فتنہ اور بدکاری کی جڑ اور بنیاد یہی ہے۔

اس لئے گزارش ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس تفسیر کے بارے میں مفصل و مدلل تحریر زیر قلم لاکر امت مسلمہ کی رہبری فرمائیں، امت کو دنیا و آخرت دونوں میں رسوائی اور مہلک فتنوں کی یورش سے بچانے کی سعی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ جناب کی سعی کو مشکور فرمائیں

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول تفسیر کی حقیقت تحریر کرنے سے قبل چہرے کے حجاب کی فرضیت پر قرآن و حدیث کی نصوص پیش کی جاتی ہیں تاکہ اس تفسیر کی تصحیح نقل یا تعیین مفہوم میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقابل تاویل قطعی احکام کی مخالفت کا عذاب پیش نظر رہے۔

(۱) ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن (الی) اوالطفل الذین لم یظھروا علیٰ عورات النساء (۲۴-۳۱)

(۲) ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن (۲۴-۳۱)

جب پاؤں کے زیور کی آواز کو غیر محرم پر ظاہر کرنا حرام ہے تو چہرے کا اظہار بطریق اولیٰ حرام ہوا، اس لئے کہ اس میں زیور کی آواز سننے سے بدرجہا زیادہ فتنے ہیں۔

(۳) والقواعد من النساء التی لا یرجون نکاحا فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن غیر متبرجٰت بزینۃ وان یستعففن خیر لھن، واللّٰہ سمیع علیم (۲۴-۶۰)

ظاہر ہے کہ یہاں ثیاب سے ثیاب البدن مراد نہیں اس لئے کہ بوڑھی عورتوں کو بھی ثیاب البدن اتار کر بالکل برہنہ باہر نکلنا جائز نہیں، لہٰذا ثیاب سے برقع یا چادر وغیرہ مراد ہے جس میں پورا جسم چھپ جائے۔

مطلب یہ کہ اتنی بوڑھی عورت جس کی طرف رغبت کا کوئی احتمال نہ رہے بلا برقع وغیرہ باہر نکل سکتی ہے، یعنی غیر محرم کے سامنے چہرہ کھول سکتی ہے، مگر اس کے لئے بھی بہتر یہی کہ چہرہ نہ کھولے۔

(۴) فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولا معروفا۔ (۳۳-۳۲)

یہاں امور ذیل خصوصی توجہ کے طالب ہیں:

(۱) حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے بارے میں یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ وہ عمداً آواز میں لچک، نرمی پیدا کرتی ہونگی یا اس قسم کا ان سے کوئی احتمال تھا جس سے منع کیا جارہا ہے، لہذا مطلب یہ ہے کہ عورت کی آواز میں طبعی طور پر جو نرمی اور نزاکت ہے غیر محرم سے بضرورت بات کرتے وقت اسے بتکلف خشونت وسختی سے تبدیل کریں۔

(۲) یہ حکم ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لئے ہے جن کی تطہیر کا خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اعلان فرمایا ہے:

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ (۳۳-۳۳)

(۳) ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن امت کی مائیں ہیں، قال اللہ تعالیٰ: وازواجه امهاتهم۔ (۳۳-۶)

(۴) ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن امت پر محرمات مؤبدہ ہیں، قال اللہ تعالیٰ: ولا ان تنکحوا ازواجه من بعدہ ابدا۔ (۳۳-۵۳) اور محرمہ مؤبدہ کی طرف طبعاً بری رغبت نہیں ہوتی۔

(۵) ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے بضرورت بات کرنے والے کون تھے؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ جن کا تقدس ملائکہ کے لئے باعث رشک ہے، جن کے مقبول ومغفور ہونے کی اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہے:

وکلا وعد اللہ الحسنیٰ (۴-۹۵) رضی اللہ عنھم ورضوا عنه (۹-۱۰۰)

(۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی فتنہ سے مانع تھی۔

جس کے دماغ میں ذرا سی بھی عقل ہو اور جس کے دل میں ذرہ برابر بھی فکر آخرت ہو وہ امور مذکورہ کے پیش نظر اس فیصلہ میں کوئی ادنیٰ سا بھی تامل نہیں ہوسکتا کہ جب ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بضرورت بات

کرتے وقت زنانہ آواز کی طبعی نرمی کو بتکلف خشونت سے بدلنے کا حکم دیا جا رہا ہے تو:

(۱) بوقت ضرورت گفتگو میں بھی طبعی نرمی جائز نہیں۔

(۲) بلا ضرورت بات کرنا بطریق اولیٰ ناجائز۔

(۳) چہرہ کھولنا اس سے بھی بڑھ کر ممنوع۔ اس لئے کہ چہرہ کا فتنہ آواز کے فتنہ سے بہت زیادہ ہے۔

(۴) غیر ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا غیر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے چہرہ کھولنا ان سب سے بڑا گناہ اور حرام ہے۔

(۵) وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولیٰ (۳۳-۳۳)
بلا ضرورت گھر سے نکلنا جائز نہیں تو غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

ملحدین کہتے ہیں کہ یہ حکم ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی عظمت کی وجہ سے ان کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان کا یہ خیال بوجوہ ذیل سراسر باطل، صریح الحاد اور قرآن کریم میں کھلی تحریف ہے:

(۱) اوپر آیت نمبر ۴ کے تحت متعدد وجوہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حکم حجاب ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی بنسبت دوسری عورتوں کے لئے بدرجہا زیادہ مؤکد ہے۔

(۲) آیت نمبر ۴ میں خود اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لئے حکم حجاب بوجہ عظمت نہیں بلکہ بوجہ خوف فتنہ ہے۔

(۳) آیندہ آیت نمبر ۶ میں بھی اسی کی تصریح ہے۔

(۴) نمبر ۱۲ میں حدیث ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

(۵) حکم حجاب کا عموم قرآن و حدیث کی دوسری نصوص صریحہ سے ثابت ہے۔

(۶) خود آیت زیر بحث کے سباق و سیاق میں خطاب خاص ہونے کے باوجود حکم عام ہے:

(۱) لا تخضعن بالقول۔

(۲) قلن قولا معروفا۔

(۳) لا تبرجن تبرج الجاهلية الاولىٰ۔

(۴) اقمن الصلوٰۃ۔

(۵) اٰتین الزکوٰۃ ۔

(٦) اطعن اللّٰہ ورسولہ ۔

(٦) واذا سألتموھن متاعا فسئلوھن من وراء حجاب ذٰلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن (۳۳ - ۵۳)

(٧) لاجناح علیھن فی اٰبآئھن (الی) ولا ما ملکت ایمانھن (۳۳-۵۳)

اس آیت میں غیر محارم سے پردے کا حکم ہے مگر اس کی تفصیل نہیں کہ کتنا پردہ ہے، لہذا اسے سورۂ نور میں مذکور تفصیل کے مطابق سمجھا جائے گا، یعنی غیر محارم کے سامنے ابدائے زینت حرام ہے، اور چہرے سے بڑھ کر کوئی زینت نہیں ۔

(٨) یاایھا النبی قل لازواجک وبنٰتک ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن (۳۳ - ۵۹)

یہ نص صریح ہے کہ حجاب الوجہ کا حکم سب عورتوں کے لئے عام ہے ۔

(٩) عن عائشۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا قالت اومت امرأۃ من وراء ستر بیدھا کتاب الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم، رواہ ابوداؤد والنسائی ۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن ایسا پردہ کرتی تھیں کہ بلا ضرورت چہرہ پہ نقاب ڈال کر بھی سامنے نہ آتی تھیں، بلکہ پس پردہ رہ کر بات کرتی تھیں۔ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تقوی میں سب سے بلند مقام رکھنے کے علاوہ امت کے لئے بمنزلۂ والد بھی ہیں ۔

(١٠) عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ فی قصۃ تزویج زینب رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا من الحدیث الطویل قال فرجعت فاذا ھم قد قاموا فضرب بینی وبینہ الستر وانزل اٰیۃ الحجاب، رواہ مسلم ۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ بلا ضرورت نقاب کے ساتھ بھی غیر محرم کے سامنے آنا جائز نہیں۔ ورنہ درمیان میں پردہ لٹکانے کی ضرورت نہ تھی ۔

(١١) عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ فی قصۃ الفتی حدیث العھد بعرس فاذا امرأتہ بین البابین قائمۃ فاھوی الیھا بالرمح لیطعنھا بہ واصابتہ غیرۃ ۔ رواہ مسلم ۔

(۱۲) عن عائشة رضي الله تعالى عنها في حديث الافك واقبل الرهط الذين كانوا يرحلون بي فاحتملوا هودجي فرحلوه على بعيري الذي كنت اركب عليه وهم يحسبون اني فيه وكان النساء اذ ذاك خفافا لم يهبلن ولم يغشهن اللحم انما يأكلن العلقة من الطعام فلم يستنكر القوم خفة الهودج حين رفعوه وحملوه وكنت جارية حديثة السن (الى) وكان صفوان بن المعطل السلمي ثم الذكواني من وراء الجيش فاصبح عند منزلي فرأى سواد انسان نائم فعرفني حين رآني وكان رآني قبل الحجاب فاستيقظت باسترجاعه حين عرفني فخمرت وجهي بجلبابي ووالله ما تكلمنا بكلمة ولا سمعت منه كلمة غير استرجاعه. رواه البخاري ومسلم۔

اس قصہ سے ثابت ہوا کہ ضرورت سفر میں بھی حتی الامکان حجاب الاشخاص کا اہتمام کیا جاتا تھا، جب اسکا کوئی امکان نہ رہا تو حجاب الوجہ اختیار کیا گیا اور ایسی ہولناک حالت میں بھی کلام سے احتراز کیا گیا۔

(۱۳) عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها انها كانت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وميمونة رضي الله تعالى عنها اذ اقبل ابن ام مكتوم رضي الله تعالى عنه فدخل عليه فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم احتجبا منه فقلت يا رسول الله أليس هو اعمى لا يبصرنا فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أفعمياوان انتما ألستما تبصرانه. رواه احمد وابوداود والترمذي۔

(۱۴) عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان. رواه الترمذي۔

(۱۵) عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ليس للنساء نصيب في الخروج الا مضطرة. رواه الطبراني في الكبير۔

(۱۶) عن علي رضي الله تعالى عنه انه كان عند النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال اي شيء خير للمرأة فسكتوا فلما رجعت قلت لفاطمة اي شيء خير للنساء قالت لا يرين الرجال ولا يرونهن فذكرت ذلك للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال فاطمة بضعة مني. رواه البزار والدارقطني في الافراد۔

(۱۷) عن جابر رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ان

المرأۃ تقبل فی صورۃ شیطان وتدبر فی صورۃ شیطان، رواہ مسلم۔

(۱۸) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت خرجت سودۃ بعد ما ضرب الحجاب لحاجتہا (الی قولہا) فقالت یا رسول اللہ انی خرجت لبعض حاجتی فقال لی عمر کذا وکذا قالت فاوحی اللہ الیہ فقال انہ قد اذن لکن ان تخرجن لحاجتکن، رواہ البخاری۔

(۱۹) قالت امرأۃ یا رسول اللہ احدانا لیس لہا جلباب قال لتلبسہا صاحبتہا من جلبابہا، رواہ البخاری ومسلم۔

(۲۰) عن ام عطیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت امرنا ان نخرج الحیض یوم العیدین وذوات الخدور، رواہ البخاری ومسلم۔

(۲۱) عن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جاءت امرأۃ الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقال لہا ام خلاد وہی متنقبۃ، رواہ ابوداؤد۔

(۲۲) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت بینما رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جالس فی المسجد اذ دخلت امرأۃ من مزینۃ ترفل فی زینۃ لہا فی المسجد فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یایہا الناس انہوا نساءکم عن لبس الزینۃ والتبختر فی المسجد فان بنی اسرائیل لم یلعنوا حتی لبس نساءہم الزینۃ وتبختروا فی المساجد، رواہ ابن ماجۃ۔

چہرے کی زینت لباس کی زینت سے بدرجہا زیادہ خطرناک ہے۔

(۲۳) عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایما امرأۃ استعطرت فمرت علی قوم لیجدوا ریحہا فہی زانیۃ وکل عین زانیۃ، رواہ النسائی وابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم (ترغیب ترہیب)

عطر کی خوشبو سے چہرے کی جھلک میں کئی گنا زیادہ کشش ہے۔

(۲۴) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولکن لیخرجن وہن تفلات، رواہ ابوداؤد والترمذی۔

نماز کے لئے مسجد میں حاضری کے وقت بھی صاف ستھرا لباس پہن کر نکلنے سے ممانعت ہے تو چہرہ کھولنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

(۲۵) عن الحسن رضی اللہ تعالی عنہ مرسلا قال ان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قال لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ، رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(۲۶) عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل یا رسول اللہ أرأیت الحمو قال الحمو الموت، رواہ البخاری ومسلم۔

(۲۷) عن عمر رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قال لا یخلون رجل بامرأۃ الا کان ثالثهما الشیطان، رواہ الترمذی۔

(۲۸) عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالی عنہا قالت لرسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حین ذکر الازار فالمرأۃ یا رسول اللہ قال ترخی شبرا فقالت اذا تنکشف اقدامهن قال فیرخینہ ذراعا، رواہ ابوداؤد۔

پاؤں ظاہر کرنا جائز نہیں تو چہرہ کے ستر کا حکم کس قدر مؤکد ہوگا۔

(۲۹) عن عمار بن یاسر رضی اللہ تعالی عنہ رفعہ ثلاثۃ لا یدخلون الجنۃ ابدا الدیوث والرجلۃ من النساء ومدمن الخمر قالوا فما الدیوث قال الذی لا یبالی من دخل علی اهلہ، رواہ الطبرانی فی الکبیر۔

(۳۰) عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنهما قال نهی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان یمشی الرجل بین المرأتین، رواہ ابوداؤد۔

(۳۱) عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا فی قصۃ طویلۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم هو لک یا عبد بن زمعۃ الولد للفراش وللعاهر الحجر ثم قال لسودۃ رضی اللہ تعالی عنہا احتجبی منہ لما رأی من شبهہ بعتبۃ فما رآها حتی لقی اللہ، رواہ البخاری ومسلم۔

یہ شخص قانون شرع کے مطابق حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہا کا محرم تھا اسکے باوجود اس سے پردہ کا حکم فرمایا۔

(۳۲) عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالی عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اذا کان لاحداکن مکاتب وکان عندہ ما یؤدی فلتحتجب منہ، رواہ الخمسۃ الا النسائی وصححہ الترمذی۔

(۳۳) عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا تنتقب المرأۃ المحرمۃ ولا تلبس القفازین، رواہ البخاری۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں عام حالات میں چہرہ پر نقاب ڈالا کرتی تھیں، احرام میں نقاب سے منع فرمایا گیا تو سر سے چادر لٹکا کر غیر محارم سے چہرہ چھپاتی تھیں، کما فی الاحادیث الآتیۃ۔

(۳۴) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان الرکبان یمرون بنا ونحن محرمات مع الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاذا حاذونا سدلت احدانا جلبابہا علی وجہہا من رأسہا، فاذا جاوزونا کشفناہ، رواہ احمد وابو داؤد وابن ماجۃ۔

(۳۵) عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قالت کنا نغطی وجوہنا من الرجال وکنا نمتشط قبل ذلک فی الاحرام، ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ، رواہ الحاکم۔

اس سے ثابت ہوا کہ ضرورت احرام سے بھی غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنا جائز نہیں۔

(۳۶) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ کتب علی ابن آدم حظہ من الزنا ادرک ذلک لا محالۃ فزنا العین النظر، الحدیث، رواہ البخاری ومسلم۔

جب دیکھنا حرام ہے تو چہرہ کھولنا بھی حرام ہوا، لان المفضی الی الحرام حرام۔

(۳۷) عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نظر الفجاءۃ فامرنی ان اصرف بصری، رواہ مسلم۔

(۳۸) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنت عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتاہ رجل فاخبرہ انہ تزوج امرأۃ من الانصار فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انظرت الیہا قال لا قال فاذہب فانظر الیہا فان فی اعین الانصار شیئا، رواہ مسلم۔

قال العلامۃ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ قال الجمہور لا بأس ان ینظر الخاطب الی المخطوبۃ قالوا ولا ینظر الی غیر وجہہا وکفیہا (فتح الباری ص ۱۵۷ ج ۹)

اس سے ثابت ہوا کہ غیر خاطب کے لئے چہرہ اور ہتھیلی دیکھنا جائز نہیں۔

قرآن و حدیث کی نصوص مذکورہ کے باوجود جس شخص کو وجوب حجاب میں ادنیٰ سا بھی تأمل ہو اس کے قلب میں ذرّہ برابر بھی فکرِ آخرت نہیں ہو سکتی۔

دلائل ملحدین:

دلیل اوّل:

اخرج الامام البیہقی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما قال ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا قال ما فی الکف والوجہ (السنن الکبریٰ ص ۲۲۵ ج ۲، ص ۹۴ ج ۷)

جواب:

یہ تفسیر حضرات صحابۂ کرام رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم میں سے حضرت ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ حضرت ابن عمر، حضرت انس، حضرت عائشہ اور حضرت مسور ابن مخرمہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اس تفسیر کا ظاہر قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ کے خلاف ہونے کے علاوہ خلافِ عقل بھی ہے کیونکہ سب سے بڑی زینت اور سب سے زیادہ جاذبِ نظر و محلِ فتنہ چہرہ ہی ہے۔ اس لئے اس تفسیر کے مختلف محمل بیان کئے گئے ہیں:

محمل اوّل:

اس تفسیر کی تعبیر تین طرح منقول ہے:

(۱) اس کا تعلق لا یبدین زینتھن سے ہونا مصرح ہے۔ یعنی یہاں اس زینت کی تفسیر مقصود ہے جس کا ابداء جائز نہیں۔

(۲) لا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا کے بعد یہ تفسیر ذکر کی گئی ہے، اس کا تعلق لا یبدین سے بھی ہو سکتا ہے اور ما ظھر سے بھی، لہٰذا اس میں دونوں احتمال ہیں کہ وہ زینت مراد ہے جس کا ابداء ناجائز ہے یا وہ جس کا اظہار جائز ہے۔

(۳) زینت ظاہرہ سے تعلق کی تصریح۔

ان اقسامِ ثلاثہ سے متعلق روایات یہ ہیں:

روایت قسم اوّل:

حدثنا زیاد بن الربیع عن صالح الدھان عن جابر بن زید عن ابن

عباس رضی اللہ تعالی عنہما ولا یبدین زینتھن، قال الکف ورقعۃ الوجہ (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۸۳ ج ۴)

روایات قسم ثالث :

(۱) حفص عن عبد اللہ بن مسلم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما ولا یبدین زینتھن الا ما ظہر منہا، قال، وجہہا وکفہا (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۸۳ ج ۴)

(۲) حدثنا ابو کریب قال ثنا مروان قال ثنا مسلم الملائی عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما ولا یبدین زینتھن الا ما ظہر منہا قال الکحل والخاتم (جامع البیان ص ۹۳ ج ۱۸)

(۳) قال الاعمش عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما ولا یبدین زینتھن الا ما ظہر منہا، قال وجہہا وکفیہا والخاتم (تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۳ ج ۳)

(۴) وروی عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نحو ذلک (تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۳ ج ۳)

(۵) اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ وابو سعید بن ابی عمرو قالا ثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ثنا احمد بن عبد الجبار ثنا حفص بن غیاث عن عبد اللہ بن مسلم بن ہرمز عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما قال ولا یبدین زینتھن الا ما ظہر منہا قال ما فی الکف والوجہ، (البیہقی ص ۲۲۵ ج ۲)

(۶) اخبرنا ابو عبد اللہ وابو سعید قالا ثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ثنا محمد بن اسحاق انبأنا جعفر بن عون انبأنا مسلم الملائی عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فی قولہ ولا یبدین زینتھن الا ما ظہر منہا قال الکحل والخاتم (البیہقی ص ۲۲۵ ج ۲)

(۷) اخبرنا ابو طاہر الفقیہ انبأنا ابو بکر القطان ثنا ابو الازہر ثنا روح ثنا ابن جریج عن ابن ابی صغیرۃ انبأنا خصیف عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فی قولہ ولا یبدین زینتھن الا ما ظہر منہا قال الکحل والخاتم (البیہقی ص ۲۲۵ ج ۲)

(۸) وروینا عن انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ مثل ہذا (البیہقی ص ۲۲۵ ج ۲)

ہدایۃ المرتاب ——— ۲۳

(۹) اخبرنا ابو زکریا بن ابی اسحاق انبأنا ابو عبد الله محمد بن یعقوب ثنا ابو احمد محمد بن عبد الوهاب انبأ جعفر بن عون انبأ مسلم الملائی عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها قال الکحل والخاتم (البیهقی ص ۸۵ ج ۷)

(۱۰) اخرج ابن المنذر عن انس رضی الله تعالی عنه فی قوله ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها قال الکحل والخاتم (الدر المنثور ص ۴۱ ج ۵)

روایات قسم ثالث :

(۱) حدثنا ابن حمید قال ثنا هارون عن ابی عبد الله نهشل عن الضحاک عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما قال الظاهر منها الکحل والخدان (جامع البیان ص ۹۲ ج ۱۸)

(۲) حدثنی علی قال ثنا عبد الله قال ثنا معاویة عن علی عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما قوله ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها قال والزینة الظاهرة الوجه وکحل العین وخضاب الکف والخاتم فهذه تظهر فی بیتها لمن دخل من الناس علیها (جامع البیان ص ۹۳ ج ۱۸)

(۳) اخبرنا ابو زکریا یحیی بن ابراهیم بن محمد بن یحیی المزکی انبأنا ابو الحسن احمد بن محمد بن عبدوس ثنا عثمان بن سعید الدارمی ثنا عبد الله بن صالح عن معاویة بن صالح عن علی بن ابی طلحة عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما فی قوله جل ثناؤه (ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها) والزینة الظاهرة الوجه وکحل العین وخضاب الکف والخاتم فهذه تظهر فی بیتها لمن دخل علیها (البیهقی ص ۹۴ ج ۷)

(۴) ضبابة بن سوار قال نا هشام بن الغاز قال نا نافع قال ابن عمر رضی الله تعالی عنهما الزینة الظاهرة الوجه والکفان (مصنف ابن ابی شیبة ص ۲۸۴ ج ۴)

(۵) اخبرنا ابو عبد الله انبأنا عبد الرحمن بن الحسن القاضی ثنا ابراهیم بن الحسین ثنا آدم بن ابی ایاس ثنا عقبة بن الاصم عن عطاء بن ابی رباح عن عائشة رضی الله تعالی عنها قالت ما ظهر منها الوجه والکفان (البیهقی ص ۲۲۶ ج ۲)

(۶) حدثنا الحسن قال اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن الزهری

عن ابن جریج عن المسور بن مخرمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قولہ الا ما ظہر منہا قال القلبین والخاتم والکحل (جامع البیان ص ۹۳ ج ۱۸)

قرآن و حدیث کی نصوص اور دلائل عقلیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قسم اول کی روایت اصل ہے اور قسم ثانی و ثالث کی روایات تصرف رواۃ ہے، قال الامام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ وقال الاعمش عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا) قال وجہہا وکفیہا والخاتم، وروی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعطاء وعکرمۃ وسعید بن جبیر وابی الشعثاء والضحاک وابراہیم النخعی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نحو ذلک، وہذا یحتمل ان یکون تفسیرا للزینۃ التی نہین عن ابدائہا کما قال ابو اسحاق السبیعی عن ابی الاحوص عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال (ولا یبدین زینتہن) الزینۃ القرط والدملج والخلخال والقلادۃ، وفی روایۃ عنہ بہذا الاسناد قال الزینۃ زینتان فزینۃ لا یراہا الا الزوج الخاتم والسوار وزینۃ یراہا الاجانب وہی الظاہر من الثیاب، وقال الزہری لا یبدو لہؤلاء الذین سمی اللہ ممن لا تحل لہ الا الاسورۃ والاخمرۃ والاقرطۃ من غیر حسر واما عامۃ الناس فلا یبدو منہا الا الخواتم، وقال مالک عن الزہری (الا ما ظہر منہا) الخاتم والخلخال (تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۳ ج ۳)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحقیق مذکور میں قسم ثالث کی روایت کو بھی قسم اول پر محمول فرمایا ہے حالانکہ اس میں ما ظہر منہا کی تصریح ہے، تو قسم ثانی جس میں عدم ابداء اور ظہور دونوں مذکور ہیں بطریق اولیٰ قسم اول پر محمول ہوگی، یعنی اس تفسیر کا ما ظہر منہا کے ساتھ جوڑ لگانا تصرف رواۃ ہے جو غلط فہمی پر مبنی ہے، اختلاط رواۃ کی چند واضح مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) قال الامام السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ اخرج سعید بن منصور وابن جریر وعبد بن حمید وابن المنذر والبیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا قال الکحل والخاتم والقرط والقلادۃ (الدر المنثور ص ۴۱ ج ۵)

اس میں القرط والقلادۃ کو بھی ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا کی تفسیر

میں ذکر کر دیا ہے حالانکہ ابن جریر و بیہقی رحمہ اللہ تعالی نے قسم دوم دلالۃ کو ولا یبدین زینتہن الا لبعولتہن الآیۃ کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے۔

(۲) وقال رحمہ اللہ تعالی اخرج ابن ابی شیبۃ وعبد بن حمید وابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فی قولہ تعالی الا ما ظہر منہا قال وجہہا وکفہا والخاتم (الدر المنثور ص ۴۱ ج ۵)

اس میں قسم ثالث کے الفاظ ہیں، حالانکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں اس روایت میں قسم ثانی کے الفاظ مذکور ہیں۔ روایات قسم ثانی کے تحت ملاحظہ ہو۔

(۳) وقال رحمہ اللہ تعالی اخرج ابن ابی شیبۃ وعبد بن حمید وابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فی قولہ تعالی الا ما ظہر منہا قال رقعۃ الوجہ وباطن الکف (الدر المنثور ص ۴۱ ج ۵)

اس میں بھی قسم ثالث کے الفاظ ہیں، جبکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں اس روایت میں قسم اول کے الفاظ منقول ہیں۔ روایت قسم اول کے تحت مصنف ابن ابی شیبہ کی پوری روایت لکھی جا چکی۔

ان تینوں روایات میں جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے ان میں سے مصنف ابن ابی شیبہ، تفسیر ابن جریر اور بیہقی کے مراجعہ سے اختلاط منکشف ہوا، بقیہ کتابیں موجود نہیں، واللہ تعالی اعلم۔

محمل ثالث:

اس تفسیر میں اباحت اظہار کا بیان نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ظہور بلا قصد پر مؤاخذہ نہیں، یعنی کسی وقت بلا قصد ظہور ہو گیا تو گناہ نہیں۔ یہ مطلب خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے ثابت ہے، چنانچہ روایات قسم ثالث کے نمبر ۲ اور نمبر ۳ میں یہ وضاحت ہے: فہذا تظہرہ فی بیتہا لمن دخل علیہا۔ نیز گھر سے باہر نکلنے کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے کہ راستہ دیکھنے کی ضرورت سے صرف ایک آنکھ کھولنے کی اجازت ہے، وسنذکر ہذہ الروایۃ ان شاء اللہ تعالی۔

لفظ تظہرہ سے اگرچہ بظاہر اظہار بالقصد کی اجازت معلوم ہوتی ہے مگر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے ظہور بلا قصد مراد ہے، اس لئے کہ گھر اور باہر میں ہونے

اس کے اور کوئی فرق معقول نہیں کہ گھر میں کام کاج کی ضرورت ہوتی ہے، اس حالت میں ظہور بلا قصد سے احتراز بہت مشکل ہے اس لئے اس کی اجازت دیدی۔ اس حقیقت کے پیش نظر تظاہر کے معنی یہ ہوئے کہ اہتمام اخفاء میں بہت زیادہ کاوش نہ کرے۔

تقریر مذکور کے سوا گھر اور باہر میں فرق کی کوئی اور توجیہ ہو ہی نہیں سکتی، بلکہ شرعاً، عقلاً، تجربۃً ہر لحاظ سے بیرونی نسبت گھر میں آنے والوں سے زیادہ پردہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ قرب، اختلاط اور نظر کے ادامہ و تکرار میں سہولت کی وجہ سے ان سے زیادہ خطرہ ہے۔

محمل ثالث:

یہ تفسیر قبل نزول الحجاب ہے: قال الامام ابن تیمیۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ولکن یا بأہ ما فی آخر ھٰذہ الآیۃ من قولہ تعالیٰ ولا یضربن بأرجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن۔

محمل رابع:

اس سے یہ مقصد نہیں کہ غیر کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ نظر غیر سے قطع نظر فی نفسہ چہرے اور ہاتھوں کے سوا عورت کا پورا بدن ستر میں داخل ہے، اسی لئے نماز میں چہرے اور ہاتھوں کے سوا پورا بدن ڈھانکنا فرض ہے۔

ابطال زعم ملحدین:

تفسیر زیر بحث کے بارے میں ملحدین کا خیال بوجوہ ذیل باطل ہے:

(۱) نصوص قرآن و حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر کے خلاف ہے، آپ کی تفسیر متعدد اسانید قویہ سے مروی ہے جو درج ذیل ہیں:

(۱) اخبرنی عبد اللہ بن محمد الصیدلانی ثنا اسمٰعیل بن قتیبۃ ثنا ابوبکر ابن ابی شیبۃ ثنا شریک عن ابی اسحٰق عن ابی الاحوص عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولا یبدین زینتھن قال لاخلخال ولا شنف ولا قرط ولا قلادۃ الا ما ظھر منھا: قال الثیاب، ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم

یخرجاه (المستدرک مع التلخیص ص ۳۹۷ ج ۲)

(۲) حدثنا وکیع عن سفیان عن ابی اسحٰق عن ابی الاحوص عن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ولا یبدین زینتھن الا ما ظهر منها، قال الثیاب (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۸۳ ج ۴)

(۳) ابو خالد الاحمر عن حجاج عن ابی اسحٰق عن ابی الاحوص عن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال الزینۃ زینتان زینۃ ظاهرۃ و زینۃ باطنۃ لا یراها الا الزوج، فاما الزینۃ الظاهرۃ فالثیاب واما الزینۃ الباطنۃ فالکحل والسوار والخاتم۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۸۴ ج ۴)

(۴) حدثنا ابن حمید قال ثنا هارون بن المغیرۃ عن الحجاج عن ابی اسحٰق عن ابی الاحوص عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال الزینۃ زینتان فالظاهرۃ منها الثیاب وما خفی الخلخالان والقرطان والسواران (جامع البیان ص ۹۲ ج ۱۸)

(۵) اخرج السیوطی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ مثلہ عن ابن المنذر ایضاً (الدر المنثور ص ۴۱ ج ۵)

(۶) حدثنی یونس قال اخبرنا ابن وهب قال اخبرنی الثوری عن ابی اسحٰق الهمدانی عن ابی الاحوص عن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ انہ قال ولا یبدین زینتھن الا ما ظهر منها قال هی الثیاب (جامع البیان ص ۹۲ ج ۱۸)

(۷) حدثنا ابن المثنی قال ثنا محمد بن جعفر قال ثنا شعبۃ عن ابی اسحٰق عن ابی الاحوص عن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال ولا یبدین زینتھن الا ما ظهر منها قال الثیاب (جامع البیان ص ۹۲ ج ۱۸)

(۸) حدثنا ابن بشار قال ثنا عبد الرحمٰن قال ثنا سفیان عن ابی اسحٰق عن ابی الاحوص عن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ مثلہ (جامع البیان ص ۹۲ ج ۱۸)

(۹) حدثنا سفیان عن الاعمش عن مالک بن الحارث عن عبد الرحمٰن بن یزید عن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ مثلہ (جامع البیان ص ۹۲ ج ۱۸)

(۱۰) حدثنا الحسن قال اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن ابی اسحٰق عن ابی الاحوص عن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ الا ما ظهر منها قال الثیاب

قال ابو اسحٰق الا ترى انه قال خذوا زينتكم عند كل مسجد (جامع البيان ص۹۳ ج۱۸)

(۱۱) حدثنا القاسم قال ثنا الحسين قال ثنا حجاج قال ثنا محمد بن الفضل عن الاعمش عن مالك بن الحارث عن عبد الرحمٰن بن زيد عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه الا ما ظهر منها قال هو الرداء (جامع البيان ص۹۳ ج۱۸)

(۱۲) اخرج عبد الرزاق والفريابي وسعيد بن منصور وابن ابي شيبة وعبد بن حميد وابن جرير وابن المنذر وابن ابي حاتم والطبراني والحاكم وصححه وابن مردويه عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه في قوله تعالى ولا يبدين زينتهن قال الزينة السوار والدملج والخلخال والقرط والقلادة، الا ما ظهر منها قال الثياب والجلباب (الدر المنثور ص۴۱ ج۵)

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تفسیر کے خلاف ہے، جس کی متعدد اسانید یہ درج ذیل ہیں:

(۱) وكيع عن حماد بن سلمة عن ام شبيب عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت القلب والفتخة (مصنف ابن ابي شيبة ص۲۸۳ ج۴)

(۲) حدثنا القاسم قال ثنا الحسين قال ثني حجاج عن ابن جريج قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قوله ولا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها قال الخاتم والمسكة، قال ابن جريج وقالت عائشة رضي الله تعالى عنها القلب والفتخة (جامع البيان ص۹۳ ج۱۸)

(۳) اخرج السيوطي رحمه الله تعالى مثله عن ابن سعيد ايضا (الدر المنثور ص۴۲ ج۵)

(۴) اخبرنا ابو طاهر الفقيه انبأ ابو بكر القطان انبأنا ابو الازهر ثنا روح ثنا حماد حدثتنا ام شبيب قالت سألت عائشة رضي الله تعالى عنها عن الزينة الظاهرة فقالت القلب والفتخة وضمت طرف كمها (البيهقي ص۸۶ ج۷)

(۵) اخرج السيوطي رحمه الله تعالى مثله عن عبد بن حميد وابن المنذر ايضا (الدر المنثور ص۴۱ ج۵)

(۴) خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس تفسیر کے خلاف ہے جو سورۂ احزاب کی آیت يايها النبي قل لازواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين

علیہن من جلابیبہن کے تحت مندرجۂ ذیل متعدد اسانید سے مروی ہے:

(۱) حدثنی علی قال ثنا ابو صالح قال ثنی معاویۃ عن علی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قولہ یاایہا النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیہن من جلابیبہن امر اللہ نساء المؤمنین اذا خرجن من بیوتہن فی حاجۃ ان یغطین وجوہہن من فوق رؤوسہن بالجلابیب ویبدین عینا واحدۃ (جامع البیان ص ۳۳ ج ۲۲)

(۲) اخرج السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ مثلہ عن ابن ابی حاتم وابن مردویہ ایضا (الدر المنثور ص ۲۲۱ ج ۵)

(۵) اسی آیت زیر بحث ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا کے تحت خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک تفسیر کے خلاف ہے جو مندرجہ ذیل متعدد اسانید سے مروی ہے:

(۱) حدثنا القاسم قال ثنا الحسین قال ثنی حجاج عن ابن جریج قال قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قولہ ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا قال الخاتم والمسکۃ (جامع البیان ص ۹۳ ج ۱۸)

(۲) وفی روایۃ اخری عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعطاء باطن الکف (البیہقی ص ۸۵ ج ۷)

(۳) اخرج عبد الرزاق وعبد بن حمید عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی قولہ الا ما ظہر منہا قال ہو خضاب الکف والخاتم (الدر المنثور ص ۴۱ ج ۵)

دلیل ثانی:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان اسماء بنت ابی بکر دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہا ثیاب رقاق فاعرض عنہا وقال یا اسماء ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لم یصلح ان یری منہا الا ہذا وہذا واشار الی وجہہ وکفیہ۔ رواہ ابوداؤد۔

جوابات:

(۱) یہ حدیث منقطع ہے، کما قال ابوداؤد نفسہ ہذا مرسل خالد بن دریک

لم یدرک عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (ابوداؤد ص ۲۱۵ ج ۲)

وقال الامام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ قال ابوداؤد وابوحاتم الرازی هو مرسل خالد بن دریک لم یسمع من عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۳ ج ۳)

وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ انہ لم یدرک عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (تهذیب التهذیب ص ۸۷ ج ۳)

(۲) اس کی سند میں سعید بن بشیر ہے جو بہت ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ راجع میزان الاعتدال والکامل لابن عدی و دیوان الضعفاء والمتروکین للامام الذہبی وکتاب الضعفاء للعقیلی وکتاب الضعفاء لابن الجوزی وکتاب المجروحین لابن حبان وکتاب الضعفاء للنسائی والتاریخ الکبیر للامام البخاری و الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم الرازی وغیرها من کتب الرجال۔

(۳) اس کی سند میں اضطراب ہے۔ وذکر الحافظ ابوبکر احمد الجرجانی هذا الحدیث وقال لا اعلم رواہ عن قتادۃ غیر سعید بن بشیر وقال مرۃ فیہ عن خالد بن دریک عن ام سلمۃ بدل عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (عون المعبود ص ۱۶۲ ج ۱)

(۴) معلول ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں، اس لئے کہ بوقت ہجرت حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ستائیس سال تھی، اس عمر میں ان کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسے باریک لباس میں آنا کہ چہرے کے علاوہ دوسرے اعضاء بھی نظر آ رہے ہوں کسی طرح بھی معقول نہیں۔

(۵) اسے قبل الحجاب پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

دلیل ثالث:

قالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دخلت علی ابنۃ اخی لامی عبد اللہ بن الطفیل مزینۃ فدخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعرض عنہا فقالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا رسول اللہ انہا ابنۃ اخی وجاریۃ فقال اذا عرکت المرأۃ لم یحل لہا ان تظہر الا وجہہا والا ما دون هذا وقبض علی ذراع نفسہ فترک بین قبضتہ وبین الکف مثل قبضۃ اخری (تفسیر ابن جریر ص ۹۳ ج ۱۸)

جوابات :

(۱) منقطع ہے، کیونکہ عبدالملک بن جریج نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا زمانہ نہیں پایا۔ (تہذیب التہذیب، رجاع تفصیل)

(۲) عبدالملک بن جریج مدلس ہے، تدلیس بھی ایسی کرتا ہے جو تدلیس کی سب اقسام سے بدترین ہے، قال الامام الدارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ تجنب تدلیس ابن جریج فانہ قبیح التدلیس لا یدلس الا فیما سمعہ من مجروح (تہذیب التہذیب)

(۳) اس حدیث کی سند میں الحسین بن داؤد ضعیف ہے (تقریب التہذیب، میزان الاعتدال)

(۴) حجاج بن محمد الاعور بھی ضعیف ہے (تقریب التہذیب، میزان الاعتدال)

(۵) قبل الحجاب پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

دلیل رابع :

عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کان الفضل ردیف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاءت امرأۃ من خثعم فجعل الفضل ینظر الیہا وتنظر الیہ فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصرف وجہ الفضل الی الشق الآخر الحدیث، رواہ البخاری ومسلم۔

جوابات :

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زبان سے منع کرنے کی بجائے ہاتھ سے چہرے کو دوسری جانب پھیرنا وجوب حجاب الوجہ پر واضح دلیل ہے، اس قدر شدت فرمانے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس عورت کو بھی حجاب الوجہ کا حکم فرمایا ہوگا، عدم نقل الامر عدم الامر کو مستلزم نہیں۔

بالفرض مستقلاً عدم الامر تسلیم بھی کر لیا جائے تو صرف وجہ الفضل میں ضمناً امر حجاب الوجہ کی اس قدر تاکید ثابت ہو رہی ہے کہ اس کے بعد مستقلاً امر کی حاجت نہیں رہتی۔ فالحدیث دلیل علی الملحدین لا لہم، وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

(۲) بعض نے جواب دیا ہے کہ یہ عورت محرمہ تھی۔

یہ اس لئے صحیح نہیں کہ محرمہ کے لئے بھی غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنا جائز نہیں، کما قدمنا من الاحادیث الصحیحۃ الصریحۃ۔

(۴) بعض کا خیال ہے کہ یہ نظر الی الخطیب کے قبیل سے ہے، لروایۃ اخرجہا الحافظ رحمہ اللہ تعالی عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما قال کنت ردف النبی صلی اللہ علیہ وسلم واعرابی معہ بنت لہ حسناء فجعل الاعرابی یعرضہا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجاء ان یتزوجہا وجعلت التفت الیہا ویاخذ النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم برأسی فیلویہ فکان یلبی حتی رمی جمرۃ العقبۃ فعلی ھذا قول الشابۃ ان ابی لعلہا ارادت بہ جدھا لان اباھا کان معہا وکانہ امرھا ان تسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیسمع کلامہا ویراھا رجاء ان یتزوجہا (فتح الباری ص ۵۰ ج ۴)

یہ جواب بوجوہ ذیل صحیح نہیں:

(۱) خاطب کے لئے نظر اس صورت میں جائز ہے کہ جانبین خطبہ کی طرف مائل ہو چکے ہوں، یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان نہیں تھا۔

(۲) صرف خاطب کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے، حضرت فضل رضی اللہ عنہ خاطب نہ تھے۔

دلیل خامس:

عن جابر رضی اللہ تعالی عنہ قال شہدت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم العید فبدأ بالصلوۃ قبل الخطبۃ (الی ان قال) ثم مضی الی النساء ومعہ بلال فامرھن بتقوی اللہ تعالی وحمد اللہ واثنی علیہ ووعظہن وحثہن علی طاعتہ ثم قال صلی اللہ علیہ وسلم تصدقن فان اکثرکن حطب جہنم فقالت امرأۃ من سفلۃ النساء سفعاء الخدین لم یا رسول اللہ، الحدیث۔ رواہ مسلم والنسائی واحمد والدارمی وابن ابی شیبۃ وفی روایۃ لابن ابی شیبۃ لیست من علیۃ النساء۔ سفعاء الخدین سے کشف الوجہ پر استدلال کیا جاتا ہے۔

جوابات:

(۱) سفعاء الخدین سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عورت القواعد من النساء میں سے تھی جن کے لئے کشف الوجہ جائز ہے، قال الامام ابن الاثیر رحمہ اللہ تعالی السفعۃ نوع من السواد لیس بالکثیر وقیل ھو سواد مع لون آخر اراد انہا بذلت نفسہا وترکت الزینۃ والترفہ حتی شحب لونہا واسود اقامۃ علی ولدھا بعد وفاۃ زوجہا (النہایۃ ص۳۷۴ ج ۲)

(۲) ممکن ہے کہ یہ عورت لونڈی ہو جیسا کہ من سفلۃ النساء سے معلوم ہوتا ہے۔

(۳) قبل الحجاب پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

بعض حضرات نے ادلۃ الملحدین کے جواب میں مندرجہ ذیل کلیات بھی بیان فرمائے ہیں۔

(۱) ادلۃ المنع قوی ہیں، ادلۃ الجواز ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

(۲) بوقت تعارض محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۳) ادلۃ الجواز اصل کے مطابق ہیں، اور ادلۃ المنع اصل کے خلاف ہیں، اصولاً خلاف اصل کو ترجیح ہے۔ لکونہ مبنیا علی العلم بخلاف الاوّل۔

حقیقت:

یہ کلیات ترجیح اس صورت میں استعمال کئے جاتے ہیں جب ادلۂ جانبین میں بظاہر تعارض نظر آ رہا ہو، مسئلۂ زیر بحث میں ملحدین کے پاس کوئی ایک دلیل بھی ایسی نہیں جو نصوص قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کوئی وزن رکھتی ہو، لہٰذا یہاں رفع تعارض کے کلیات بیان کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ واللہ الهادی الی سبیل الرشاد۔
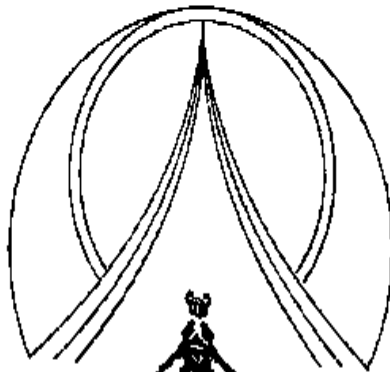
۱۵ ذوالحجہ سنہ ۱۴۰۱ ہجری

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ

وَأَقِمْنَ الصَّلَوٰةَ وَآتِينَ الزَّكَوٰةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (الاحزاب ۳۳)

اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو

اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو۔

المقالۃ البیضاء

في

العمامۃ السوداء

سیاہ عمامہ باندھنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل کی تحقیق۔

اور

حضرات محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی توجیہات و تحقیقات
کی تفصیل اور اقوال مختلفہ میں ترجیح و تطبیق۔

المقالة البیضاء
فی
العمامة السوداء
○ احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
○ آثار الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
○ توجیہات المحدثین رحمہم اللہ تعالیٰ۔
○ اقوال الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ۔
○ اقوال مختلفہ میں صورت ترجیح وتطبیق۔

حکم العمامة السوداء

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ عمامہ سوداء باندھنا سنت ہے، کیا ان کا یہ خیال صحیح ہے؟ اگر سنت ہے تو اس زمانے کے علماء و مشائخ اور صلحاء نے اس سنت کو بالکلیہ کیوں ترک کر دیا ہے؟ جواب محقق عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم:

① عن عمرو بن حریث عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب الناس وعلیہ عمامة سوداء (صحیح مسلم ص ج ۱، شمائل الترمذی ص ۸، ابن ماجہ ص، مصنف ابن ابی شیبہ ص ج ۸، مسند ابی یعلی ص ج ۳)

② عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل یوم فتح مکة وعلیہ عمامة سوداء (صحیح مسلم ص ج ۱، شمائل الترمذی ص، ابن ماجہ ص، مصنف ابن ابی شیبہ ص ج ۸، شعب الایمان ص ج ۵)

③ عن مساور الوراق قال حدثنی وفی حدیث الحلوانی سمعت جعفر بن عمرو بن حریث عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کأنی انظر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر وعلیہ عمامة سوداء قد ارخی طرفیہا بین کتفیہ ولم یقل ابو بکر علی المنبر۔
(صحیح مسلم ص ج ۱، شعب الایمان ص ج ۵)

④ عن عمرو بن حریث قال رأیت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمامة سوداء۔
(شمائل الترمذی ص ۸)

⑤ عن سفیان بن ابی الفضل عن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کانت عمامة النبی صلی اللہ علیہ وسلم سوداء (مصنف ابن ابی شیبہ ص ج ۸)
وکذا اخرجہ ابن سعد (الحاوی للفتاوی ص ج ۱)

⑥ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کانت عمامة رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سوداء يوم ثنية الحنظل وثلاث يوم الخندق (شعب الایمان صـــ ج ۸)

(۷) عن مساور الوراق رضي الله تعالى عنه قال وكأني انظر الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه عمامة سوداء قد ارخى طرفيها بين كتفيه (ایضا)

(۸) رواه ابو معمر الهذلي عن ابي اسامة رضي الله تعالى عنه فقال وعليه عمامة سوداء حرقانية قد ارخى عليه طرفيها بين كتفيه وقال يوم فتح مكة (ایضا)

(۹) قال ابن وهب اخبرني عثمان بن عطاء الخراساني عن ابيه ان رجلا اتى ابن عمر رضي الله تعالى عنهما وهو في مسجد منى فسأله عن ارخاء طرف العمامة فقال له عبد الله رضي الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث سرية وامر عليهم عبد الرحمن ابن عوف رضي الله تعالى عنه وعقد لواء فذكر الحديث الى ان قال وعلى عبد الرحمن بن عوف رضي الله تعالى عنه عمامة من كرابيس مصبوغة بالسواد فدعاه رسول الله صلى الله عليه وسلم فحل عمامته ثم عممه بيده وافضل من عمامته موضع اربع اصابع او نحو ذلك فقال هكذا فاعتم فانه احسن واجمل (شعب الایمان صـــ ج ۵)

(۱۰) عن عبد الله بن بسر رضي الله تعالى عنه قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم علي بن ابي طالب رضي الله تعالى عنه الى خيبر فعممه بعمامة سوداء ثم ارسلها من ورائه او قال على كتفه اليسرى، رواه الطبراني- (مجمع الزوائد صـــ ج ۵)

(۱۱) عن سفيان عمن سمع الحسن رضي الله تعالى عنه يقول كانت راية رسول الله صلى الله عليه وسلم سوداء تسمى العقاب وعمامته سوداء، رواه ابن سعد (الحاوی للفتاوی صـــ ج ۱)

(۱۲) عن جابر رضي الله تعالى عنه قال كان للنبي صلى الله عليه وسلم عمامة سوداء يلبسها في العيدين ويرخيها خلفه، رواه ابن عدي (ایضا)

(۱۳) عن انس رضي الله تعالى عنه انه رأى النبي صلى الله عليه وسلم يعتم بعمامة سوداء، رواه ابن عدي (ایضا)

(۱۴) عن ابي موسى رضي الله تعالى عنه ان جبريل عليه السلام نزل على النبي صلى الله عليه وسلم وعليه عمامة سوداء قد ارخى ذوابته من ورائه، رواه الطبراني (ایضا)

آثار الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم:

(۱) عن ابي جعفر الانصاري قال رأيت على علي رضي الله تعالى عنه عمامة سوداء

یوم قتل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مصنف ابن ابی شیبۃ ص۲۴۲ ج ۸)

(۲) عن عمرو بن مروان عن ابیہ قال رأیت علیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمامۃ سوداء قد ارخی طرفہا من خلفہ (ایضاً)

(۳) عن سلمۃ بن وردان قال رأیت علی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمامۃ سوداء علیٰ غیر قلنسوۃ وقد ارخاھا من خلفہ نحواً من ذراع (ایضاً ص۲۴۳)

(۴) عن عثمان بن ابی ہند قال رأیت علی ابی عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمامۃ سوداء (ایضاً)

(۵) عن الحلبن بن ثروان قال رأیت علی عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمامۃ سوداء (ایضاً)

(۶) عن دینار بن عمرو قال رأیت علی الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمامۃ سوداء (ایضاً)

(۷) عن جابر قال اخبرنی من رأی علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد اعتم بعمامۃ سوداء قد ارخاھا من بین یدیہ ومن خلفہ (ایضاً)

(۸) عن ابی صخرۃ قال رأیت علی عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمامۃ سوداء (ایضاً ص۲۴۴)

(۹) عن عبد الواحد بن ایمن قال رأیت علی ابن الحنفیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمامۃ سوداء (ایضاً)

(۱۰) عن سالم قال رأیت علی ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمامۃ سوداء (ایضاً)

(۱۱) عن اسماعیل بن ابی خالد قال رأیت علی الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمامۃ سوداء (ایضاً)

(۱۲) عن حرب الخثعمی قال رأیت علی البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمامۃ سوداء۔ (ایضاً ص۲۴۵)

(۱۳) عن عطاء قال رأیت علی عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمامۃ سوداء (ایضاً)

(۱۴) عن حسین بن یونس قال رأیت علی عبد الرحمن بن عوف عمامۃ سوداء (ایضاً)

(۱۵) عن حسین بن یونس قال رأیت علی واثلۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمامۃ سوداء (ایضاً)

(۱۶) عن ابی رزین قال خطبنا الحسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما یوم الجمعۃ وعلیہ عمامۃ سوداء (ایضاً)

(۱۷) عن سلیمان بن المغیرۃ قال رأیت ابا نضرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعلیہ عمامۃ سوداء (ایضاً)

(۱۸) عن ابی لؤلؤۃ قال رأیت علی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عمامۃ سوداء، رواہ البیہقی۔ (الحاوی للفتاوی ص۴۵ ج ۱)

(۱۹) عن عثیم بن نسطاس قال رأیت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ یلبس فی الفطر

والاضحى عمامة سوداء ويلبس عليها برنسا، (رواه ابن سعد ايضا)

توجيهات المحدثين رحمهم الله تعالى:

قال العلامة النووي رحمه الله تعالى: (قوله وعليه عمامة سوداء) فيه جواز لباس الثياب السود وفي الرواية الاخرى خطب الناس وعليه عمامة سوداء فيه جواز لباس الاسود في الخطبة وان كان الابيض افضل منه كما ثبت في الحديث الصحيح خير ثيابكم البيض واما لباس الخطباء السواد في حال الخطبة فجائز ولكن الافضل البياض كما ذكرنا وانما لبس العمامة السوداء في هذا الحديث بيانا للجواز والله اعلم (شرح النووي على صحيح مسلم ص ۴۳۹ ج ۱)

قال العلامة العينى رحمه الله تعالى: (قوله بعصابة دسمة) وفي رواية دسماء ذكرها في اللباس وذكر صاحب المطالع دسمة بكسر السين وقال الدسماء السوداء وقيل هو على لون الدسم كالزيت وشبهه من غير ان يخالطها شيء من الدسم وقيل متغيرة اللون من الطيب والغالية وزعم الداؤدي انها على قدر ما من خرقة صلى الله عليه وسلم في المرض وقال ابن دريد الدسمة غبرة فيها سواد.

(عمدة القاري ص ۲۲۱ ج ۶)

قال العلامة الزرقاني رحمه الله تعالى: (وروى الترمذي) بقية اصحاب السنن وغيرهم (عن جابر رضي الله تعالى عنه قال دخل النبي صلى الله عليه وسلم مكة يوم الفتح وعليه عمامة سوداء) بغير احرام قال الحافظ العراقي اختلف لفظ حديث جابر رضي الله تعالى عنه هذا في المكان والزمان الذي لبس فيه العمامة السوداء فالمشهور انه يوم الفتح وفي رواية البيهقي يوم ثنية الحنظل وذلك يوم الحديبية ويجاب بان هذا ليس اضطرابا بل لبسها في الحديبية وفي الفتح معا اذ لا مانع من ذلك الا ان الاسناد واحد انتهى وزعم بعضهم ان سوادها لم يكن صبغا بل حكاية ما تحتها من المغفر وهو اسود او كانت متسخة متلوثة ويؤيده ما في بعض طرق الحديث اذ خطب وعليه عصابة دسماء ورد بانه خلاف الظاهر بلا دليل ولا معنى يعضده بل هو منابذ لما ابدوه من حكمة لبس السواد في ذلك اليوم (شرح الزرقاني ص ۱۰ ج ۵)

قال ملا علي القاري رحمه الله تعالى تحت حديث عمرو بن حريث: قال ابن حجر وما ذكره الشارح في السواد اخذه من قول الماوردي في الاحكام السلطانية ينبغي للامام ان يلبس السواد غير مسلم هذا لكن ضعفه النووي بان الذي واظب عليه النبي صلى الله عليه وسلم والخلفاء الراشدون انما هو البياض ثم قال الصحيح انه يلبس البياض دون السواد

الآن يغلب على ظن ترتب مفسدة عليه لذلك من جهة السلطان او غيره وفي الاحياء في موضع تبعا للقوت ابي طالب المكي يكره لبس السواد ووافق ابن عبد السلام بأن المواظبة على لبس السواد بدعة واول من احدث لبسه في الجمع والاعياد بنو العباس في خلافتهم محتجين بأن الراية التي عقدت لجدهم العباس يوم الفتح ولحنين كانت سوداء، قال ابن هبيرة ولانها ابعد الالوان من الزينة واقربها الى الزهد في الدنيا ولهذا يلبسه العباد والنساك (المرقاة ص[illegible] ج ۳)

وقال ايضا في شرح الشمائل تحت حديث جابر رضي الله تعالى عنه: قال ميرك وفي رواية مسلم بغير احرام واستدل بعض العلماء بهذا الحديث على جواز لبس السواد وان كان البياض افضل لما سبق من ان خير ثيابكم البيض وقال الجزري وفيه اشارة الى ان هذا الدين لا يتغير كالسواد بخلاف سائر الالوان وفي شرح الزيلعي من علامات الحنفية انه ليس لبس السواد لحديث فيه (جمع الوسائل ص[illegible] ج ۱)

وقال المحدث عبد الرؤف المناوي رحمه الله تعالى تحت حديث جابر رضي الله تعالى عنه: قال شارح ولم يكن سواد ها اصليا بل لحكايتها ما تحتها من المغفر وهو اسود وكانت متسخة متلونة وايده البعض بما سيجيء من قوله وعليه عمامة دسماء اهـ وانت تعلم انه لا يدفي المصير لما ذهب اليه من شاهد اذ هو خلاف الظاهر مع ان ما زواده انفا من بيان وجه الحكمة في ايثاره الاسود في ذلك اليوم واختياره على الابيض وغيره متكفل بدفع ما زعمه هذا الشارح وقد لبس السواد جمع منهم علي يوم قتل عثمان وغيره والحسن فقد كان يخطب في ثياب سود وعمامة سوداء وابن الزبير كان يخطب بعمامة سوداء وانس وعبد الله بن جرير وعمار وغيرهم رضي الله تعالى عنهم والخلفاء العباسيون يأتون على لبس السواد وكثير من الخطباء على المنابر ومستندهم ما سبق من دخول المصطفى صلى الله عليه وسلم مكة بعمامة سوداء ارخى طرفيها بين كتفيه وخطب بها فتداول الناس لذلك فانه فخر وعز وزعم بعض بني المعتصم ان تلك العمامة التي دخل بها مكة وهبها صلى الله عليه وسلم لعمه العباس وبقيت بين الخلفاء يتداولونها ويجعلونها على رأس من تقرر للخلافة وسأل الرشيد الاوزاعي عن لبس السواد فكرهه لانه لا يجلى فيه العروس ولا يلبي فيه محرم ولا يكفن فيه ميت والظاهر ان مراده غير العمامة قال القرطبي وفي هذا الحديث دليل للمسودة غير انه صلى الله عليه وسلم لم يكن يلبس ذلك مداوما ولا في كل لباسه بل في العمامة خاصة لكن اذا امر امام بلبس ذلك وجب وفي شرح الزيلعي يسن لبس الخرقة وكيف

المقالة البيضاء ـ ـــــ ے

ماکان الافضل فی لبسہا البیاض ، وصحۃ لبس المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم للسواد ونزول الملائکۃ یوم بدر بعمائم صفر لا یعارضہ لان لمقاصد ومصالح اقتضاھا خصوص ذلک المقام کما بینہ بعض العلماء الاعلام فلاینافی عموم الخبر الصحیح الامر بلبس الابیض والتخییر الالوان فی الحیاۃ والممات (شرح المناوی بہامش جمع الوسائل ص۱۱۵ ج ۱)

اقوال فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ :

قال العلامۃ محمد علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ : ویستحب الابیض وکذا الاسود لانہ شعار بنی العباس ودخل علیہ الصلوٰۃ والسلام مکۃ وعلی رأسہ عمامۃ سوداء ولبس الاخضر سنۃ کما فی الشرعۃ (الدر المنتقی بہامش مجمع الانہر ص۵۳۵ ج ۲)

وقال العلامۃ شیخ زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ : ویستحب الثوب الابیض والاسود لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان اللہ یحب الثیاب البیض وانہ خلق الجنۃ بیضاء وقد روی انہ علیہ السلام لبس الجبۃ السوداء والعمامۃ السوداء یوم فتح مکۃ ولاباس بالازرق وفی الشرعۃ ولبس الاخضر سنۃ ۔

(مجمع الانہر ص۵۳۳ ج ۲)

وقال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ : (قولہ ویندب لبس السواد) جبۃ او عمامۃ او رداء لحدیث بذلک علیہ ذکرہ فی السیر الکبیر والتقیید بالسواد للاحتراز عن لبس الاحمر فانہ مکروہ عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ علی الاصح حموی وتقدم الکلام علیہ فی الحظر واختلف فی لبس الاخضر فقیل لایلبس لانہ من لباس الشیطان وقال بعضہم یلبس لما روی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان احب الالوان الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخضرۃ وثیاب اھل الجنۃ خضر ولبس صلی اللہ علیہ وسلم البرد الاخضر وما قیل انہ من لباس الشیطان لم یصح ۔

(حاشیۃ الطحطاوی ص۲۷۲ ج ۲)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ : ولا باس بسائر الالوان وفی المجتبی والقہستانی وشرح النقایۃ لابی المکارم لاباس بلبس الثوب الاحمر اھ ومفادہ ان الکراھۃ تنزیہیۃ لکن صرح فی التحفۃ بالحرمۃ فافاد انہا تحریمیۃ وھی المحمل عند الاطلاق قالہ المصنف قلت وللشرنبلالی فیہ رسالۃ نقل فیہا ثمانیۃ اقوال منہا انہ مستحب ۔

وقال العلامۃ الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ : (قول المصنف ولاباس بسائر الالوان) قال الحموی من احکام یوم الجمعۃ فی جامع المضمرات والمشکلات عن فتاوی الحجۃ ویکرہ للرجال

لبس الثیاب الخضر واحب الثیاب الی اللہ تعالیٰ الثیاب البیض اھ۔ (التحریر المختار ص۲۷۳ ج۲)

عمامۂ سوداء سے متعلق روایات و آثار مذکورہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بارے میں حضرات محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال مختلف ہیں:

① بدعت ہے یعنی اس کو سنت سمجھنا یا اس پر مداومت کرنا بدعت ہے۔

② بلا تسنن و بدون مواظبت مکروہ ہے، اسی لئے اس کو شادی اور احرام اور کفن میں استعمال نہیں کیا جاتا۔

ان حضرات نے روایات سواد کی مندرجہ ذیل توجیہات فرمائی ہیں:

① غزوات میں عمامہ کی سواد اصلی نہ تھی بلکہ اثر خود تھا، نیچے سے خود کا رنگ نظر آ رہا تھا یا اوپر سے خود کا رنگ۔

② سفر اور غزوات میں گرد و غبار اور پسینے کے اثر سے سیاہی نظر آ رہی تھی۔

③ عام حالات میں خوشبو، تیل اور پسینے کی دسومت کو بعض ناظرین نے سواد سے تعبیر کیا۔

④ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات میں سواد کو تفاؤلاً اختیار فرمایا، اس لئے کہ اس پر کوئی دوسرا رنگ غالب نہیں آسکتا۔

⑤ سفر و غزوات میں اختیار سواد کی وجہ یہ بھی ہو کہ گرد و غبار اور پسینے سے عمامہ زیادہ میلا نظر آئے۔

③ بلا تسنن و بدون مواظبت بلا کراہت جائز ہے۔

ان حضرات نے روایات سواد کی مذکورہ توجیہات خمس کے علاوہ دو توجیہات مزید کی ہیں:

⑥ فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم احیانا لبیان الجواز۔

⑦ چونکہ سیاہ رنگ سب الوان سے عمدہ شمار ہوتا ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھار تواضعاً استعمال فرمایا ہے۔

④ مستحب ہے، اس میں تفصیل ذیل ہے:

① یہ استحباب صرف عمامہ، جبہ اور چادر کے ساتھ مختص ہے، عام لباس میں استحباب سواد کا کوئی ثبوت نہیں، الا ان یقاس علی العمامۃ والجبۃ والرداء۔

② یہ استحباب بیاض کے سوا دوسرے الوان کی نسبت سے ہے، بیاض بالاتفاق سواد سے افضل ہے۔

③ یہ استحباب شرعی نہیں، بلکہ طبعی تھا اور استحباب بیاض شرعی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی فضیلت و ترغیب منقول ہے۔

اخرج الامام الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بالبیاض من الثیاب لیلبسھا احیاؤکم وکفنوا فیھا موتاکم فانھا من خیار ثیابکم۔

وعن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البسوا البیاض فانھا اطھر واطیب وکفنوا فیھا موتاکم۔

(شمائل الترمذی ص۵)

④ سواد کے استحباب طبعی میں دو احتمال ہیں: لعینہ او للعوارض المذکورۃ، بظاہر یہی راجح معلوم ہوتا ہے۔

الحاصل:

عمامۂ سودا سنت شرعیہ یا مستحب شرعی نہیں، اس کو مستحب شرعی سمجھنا بدعت ہے، بیاض مستحب شرعی ہے اور بالاتفاق سب الوان سے افضل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامۂ سودا کبھی کبھار مخصوص حالات میں استعمال فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ استحباب طبعی بوجہ عوارض مذکورہ تھا، وھو الظاھر من اختیار الفحول التوجیھات المذکورۃ۔

وھو محمل ما روی عن بعض الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔

واما تعامل الخلفاء العباسیین لاجتباء جبھم فمراد رأیۃ جدھم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لزعمھم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھب عمامۃ السوداء التی لبسھا یوم فتح مکۃ فجعلوا اصحۃ عند زعمھم باطل ما کانوا یعملون وتسننھم بذلک بدعۃ احدثوھا فی الدین کما مر عن المرقاۃ۔

قول شامی میں کراہت سے کراہت تنزیہیہ مراد ہے، اگر اس کو غیر عمامہ وجبہ وردا پر محمول کیا جائے تو بھی خلاف راجح معلوم ہوتا ہے، ولعلہ اراد بالکراھۃ الطبعیۃ او العرفیۃ وھی تختلف باختلاف الاشخاص والازمان والامکنۃ والاوطان۔

بقیہ ثلاثہ میں سے ہر ایک کا موقع ومحل الگ ہے، لہذا ان میں کوئی تعارض نہیں، صورت تطبیق کی تفصیل اس طرح ہوگی:

① تسنن یا مواظبت ہو تو بدعت۔

② بدون تسنن ومواظبت جائز۔

③ اختیار سواد کا کوئی داعیہ ہو تو مستحب۔

داعیہ طبعیہ ہو تو مستحب طبعی، پھر داعیہ طبعیہ رغبت طبع ہو تو مستحب طبعی لعینہ اور عارضی خارجی

المقالۃ البیضاء ——— ۱۰

ہو تو مستحب طبعی لغیرہ۔
اگر بھی کوئی داعیہ شرعیہ پیش آجائے تو مستحب شرعی لغیرہ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔
۱۳ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ

دارالافتاء
والارشاد
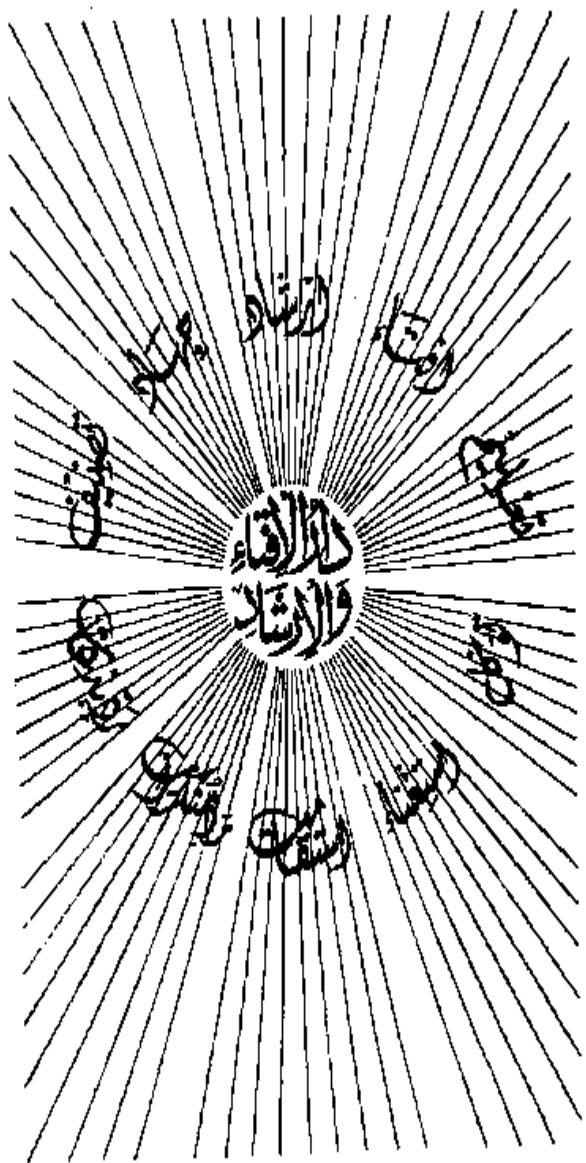
کتاب الوصیۃ والفرائض

منکوحہ بلا خلوۃ صحیحہ وارث ہوگی:

سوال: ایک عورت سے کسی نے نکاح کیا مگر خلوۃ صحیحہ سے پہلے فوت ہوگیا تو یہ عورت اس کی وارث ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

وراثت کے لئے خلوۃ صحیحہ شرط نہیں، لہذا یہ عورت وارث ہوگی۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالی: ویستحق الارث برحم ونکاح صحیح وولاء۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ ونکاح صحیح) بلا وطء ولا خلوۃ اجماعا درمنتقی (رد المحتار ص ۵۴۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۰ ذی الحجہ ۸۷ھ

منکوحہ بنکاح فاسد وارث نہ ہوگی:

سوال: ایک شخص نے معتدۃ الغیر سے نکاح کیا اور فوت ہوگیا تو زوجہ اس زوج ثانی سے حصہ ترکہ لے سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

نکاح معتدۃ الغیر فاسد ہے اور نکاح فاسد وباطل میں وراثت نہیں، لہذا یہ عورت وارث نہ ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: ویستحق الارث برحم ونکاح صحیح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعا (رد المحتار ص ۵۴۲ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۵ ربیع الآخر ۸۹ھ

استقاط وارث سے اس کا حق ساقط نہیں ہوتا:

سوال: عبارات ذیل میں تعارض ہے، رفع کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

فی الشامیۃ: اوصی لرجل بثلث مالہ ومات الموصی فصالح الوارث الموصی لہ من الثلث بالسدس جاز الصلح وذکر الامام المعروف بخواهر زادہ ان حق الموصی لہ وحق الوارث قبل القسمۃ غیر متأکد یحتمل السقوط بالاسقاط اھ فقد علم ان حق الغانم قبل القسمۃ وحق حبس الرهن وحق المسیل المجرد وحق الموصی لہ بالسکنی وحق الموصی لہ بالثلث قبل القسمۃ وحق الوارث قبل القسمۃ یسقط بالاسقاط وتمامہ فی الاشباہ فیما یقبل الاسقاط ومالا یقبل، کذا فی الهامش۔

(رد المحتار کتاب الصلح فصل فی التخارج جلد ۴)

وفی الاشباہ والنظائر: ولو قال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقہ اذ الملک لا یبطل بالترک۔

وفی شرحہ للحموی: اعلم ان للاعراض عن الملک ضابطۃ انہ ان کان ملکا لازما لم یبطل بذلک کما لومات عن ابنین فقال احدهما ترکت نصیبی عن المیراث لم یبطل لانہ لازم لا یترک بالترک بل ان کان عینا فلا بد من التملیک وان کان دینا فلا بد من الابراء۔

بظاہر ان دونوں عبارتوں میں تعارض ہے اور تعجب یہ کہ شامیہ نے بھی اشباہ کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ اشباہ میں اس کے خلاف ہے۔ تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟

بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مندرجہ سوال جزئیات میں تطبیق وترجیح دونوں صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔

صورت تطبیق حضرت حکیم الامۃ قدس اللہ تعالی سرہ نے امداد الفتاوی میں ان الفاظ بیان فرمائی ہے:

"لم یبطل الخ اس صورت میں ہے جبکہ بالکلیہ دست بردار ہوجائے، جیسے ہندی بہنیں اپنا حق بھائیوں سے نہیں لیتیں اور یحتمل السقوط اس صورت میں ہے کہ جب اپنے حق سے کم پر صلح کرے، چنانچہ جاز الصلح کی دلیل میں بیان کرنا اس کا قرینہ ہے

اور حاجت بیان یہ ہے کہ اپنے حق سے کم پر صلح کرنے کا جواز مخصوص معلوم ہوتا ہے دین کے ساتھ اور یہاں یہ صلح عن العین ہے، پس محتمل تھا عدم جواز کو، اس لئے تصریح کردی۔ اب تدافع نہ رہا۔"
(امداد الفتاویٰ کتاب الهبۃ ج ۳)

صورۃ الترجیح :

قال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ : (قولہ جاز الصلح) ھذا غیر المشھور فی کتب المذھب وان عزاہ فی الاشباہ للاصحاب (التحریر المختار ص۲۳۱ ج ۲)

قلت لم أر فی کتب المذھب روایۃ تخالفہ علی ان الصلح لہ حکم المبایعۃ وھو یقتضی الجواز مطلقا فالتوفیق راجح من الترجیح۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳ جمادی الاولیٰ ۸۲ھ

سوال مثل بالا :

سوال : آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ وارث کا حق ساقط نہیں ہوتا، حالانکہ امداد المفتین حصہ ششم میں تحت عنوان "اقامۃ العرف فی مقام الثبوت فی سقوط ابعض الحق بالسکوت" لکھا ہے کہ حق وارث ساقط ہو جاتا ہے۔ آنجناب اس مضمون کا مطالعہ فرما کر اپنی رائے عالی سے مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

ترک حصہ کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ اگر حق دین میں ہے جس میں مہر بھی داخل ہے تو ابراء صراحۃً یا دلالۃً سے حق ساقط ہو جاتا ہے اور اگر حق عین میں ہے تو ابراء صحیح نہیں بلکہ ہبہ ضروری ہے، لہٰذا اس میں ہبہ کی شرائط کا وجود ضروری ہے۔

رسالہ "اقامۃ العرف مقام الثبوت" میں مہر سے متعلق تحقیق صحیح ہے، مگر حصہ اخوات وابن الابن سے متعلق تحقیق اصول کے خلاف ہے۔ ان دونوں مسائل پر جو دلائل رسالہ مذکورہ میں تحریر کئے گئے ہیں ان پر بالاختصار معروضات درج ذیل ہیں :

① حصہ اخوات سے متعلق ص۱۲۲ سطر ۱۵ یحتمل السقوط بالاسقاط۔

اقول : قدمنا جوابہ بصورۃ التطبیق والترجیح۔

② صفحہ ۱۲۳ سطر ۱۵ محمول بر رضا بالعوض الخ

اقول : فھو بیع بثمن مجھول وھو فاسد۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر قرض شہادتِ شرعیہ یا سب ورثہ کے اقرار سے ثابت ہو تو وصی اور وارث کو کل ترکہ سے وصول کرنے کا حق ہے، ورنہ صرف ان ورثہ کے حصہ سے وصول کیا جائے گا جو قرض کا اقرار کرتے ہوں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وکذا الوصی اذا اشتری کسوۃ للصغیر او اشتری ما ینفق علیہ من مال نفسہ (الی قولہ) او قضی دین المیت الثابت شرعا او کفنہ او ادی خراج الیتیم او عشرہ من مال نفسہ او اشتری الوارث الکبیر طعاما او کسوۃ للصغیر او کفن الوارث المیت او قضی دینہ من مال نفسہ فانہ یرجع ولا یکون متطوعا۔

وقال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالی: (قولہ او قضی دینہ من مال نفسہ) لیس علی اطلاقہ ولاعلی ظاہرہ لان البعض لیس لہ ولایۃ علی البعض والدین لم یبین کونہ ثابتا بالاقرار او الحجۃ وہو مفترق لما فی العادیۃ فان ثبت الدین بالبینۃ وقضی بہ فادی احد الورثۃ من مال نفسہ لہ ان یأخذ من الترکۃ ولو دفع من الترکۃ ـــــ ـــــ من غیر قضاء القاضی کان للغائب ان لا یجیز ویسترد بقدر حصتہ ولو دفع من مال نفسہ لا یرجع علی الغائب لانہ لم تثبت الدین بحجۃ شرعیۃ وکذا الوصی لا یؤدی ودیعۃ لمدعیہا ولا دینا علی المیت الا ان یثبت عند الحاکم (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ص۳۳۳ ج۴)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ او قضی دین المیت) قال فی ادب الاوصیاء وفی الخانیۃ اشتراط الاشہاد اذا قضاہ بلا امر الوارث ولم یشترطہ فی النوازل وقال وہو المختار فانہ ذکران الوصی اذا انفذ الوصیۃ من مال نفسہ یرجع فی مال المیت وہو المختار فتکون الروایۃ فی الوصیۃ روایۃ فی الدین لانہ مقدم علیہا ووجوب ضمانہ اکد من لزوم انفاذہا اھ وہو الموافق لما مر عن المنح والدرر من قولہ فکان کقضاء الدین۔

(رد المحتار ص۴۳۳ ج۵)

وقال ایضا: (قولہ او قضی دینہ) ای الثابت شرعا والا فلا یرجع علی الغائب وان دفع من الترکۃ فللغائب ان یسترد قدر حصتہ لانہ لم یثبت شرعا وکذا الوصی فی الدین او الودیعۃ (رد المحتار ص۴۳۳ ج۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔ ۱۳ / محرم ۱۳۹۷ھ

(۳) حصۂ ابن الابن سے متعلق صفحہ ۲۳۱ سطر ۱۱ پس جواب این است الخ

اقول ان ھذہ القاعدۃ فی الطفل الصغیر لا الکبیر علی انہ لا تصح ھبۃ المجھول، فالصواب فی الجواب ان یقال انھا وصیۃ من المورث فلا حظ بشرائطھا

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۵ رجب سنہ ۱۳۸۷ھ

بہن کا بھائیوں سے حصۂ میراث نہ لینا :

سوال : اگر بہن اپنا حصۂ میراث معاف کردے یا بھائیوں کو ہبہ کردے تو بھائی بری الذمہ ہوں گے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملھم الصواب

عفو و ابراء دین سے ہوتا ہے، عین سے عفو و ابراء صحیح نہیں، البتہ اگر بھائیوں نے ترکہ میں کوئی ایسا تصرف کر لیا جس سے بہن کا حق عین سے منتقل ہو کر بھائیوں کے ذمہ دین بن گیا تو عفو و ابراء صحیح ہے، بہن کے معاف کرنے سے معاف ہو جائے گا۔

ورثہ کے تصرف سے قبل اگر بہن ہبہ کردے تو یہ ہبۃ المشاع ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں، البتہ اگر بہن کا حق قبل التصرف علیحدہ کر دیا جائے، اس کے بعد وہ کسی قسم کی مروت یا دباؤ کے بغیر مکمل رضا اور شرح صدر و طیب خاطر سے بھائیوں میں اس طرح تقسیم کرے کہ ہر بھائی کا حصہ الگ کر کے اسے ہبہ کر دے تو صحیح ہے۔ جہاں بھائیوں سے حصہ نہ لینے کا دستور ہو وہاں طیب خاطر کا یقین نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، بلکہ طیب خاطر کا یقین ہونے کی صورت میں بھی چونکہ اس سے رسم جاہلیت اور ظلم عظیم کی تائید ہوتی ہے اس لئے جائز نہیں، دین سے ابراء کا بھی یہی حکم ہے کہ وجہ مذکور کی وجہ سے جائز نہیں۔

قال الامام الزیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ : وان اخرجت الورثۃ احدھم عن عرض او عقار بمال او عن ذھب بفضۃ او بالعکس ای عن فضۃ بذھب صح قل او کثر یعنی قل ما اعطوہ او کثر لانہ یحمل علی المبادلۃ لانہ صلح عن عین، ولا یمکن حملہ علی الابراء اذ لا دین علیھم ولا یتصور الابراء من العین۔

(تبیین الحقائق صفحہ ۵ ج ۵)

وقال العلامۃ الشلبی رحمہ اللہ تعالیٰ : (قولہ ولا یتصور الابراء) ای

لان الابراء عن الاعیان غیر المضمونۃ لا یصح (حاشیۃ الشلبی بہامش التبیین ص۴۴ ج۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالٰی: لا تتم بالقبض فیما یقسم ولو وھبہ لشریکہ او لاجنبی لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامۃ الکتب فکان ھو المذھب وفی الصیرفیۃ عن العتابی وقیل یجوز لشریکہ وھو المختار.

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالٰی: (قولہ فی عامۃ الکتب) وصرح بہ الزیلعی وصاحب البحر منح (قولہ وھو المذھب) راجع لمسألۃ الشریک، کما فی المنح (قولہ وھو المختار) قال الرملی وجد بخط الحق اف یعنی صاحب المنح بازاء ھذا ما صورتہ ولا یخفی علیک انہ خلاف المشہور

(رد المحتار ص۵۱۱ ج۴)

واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم

۲۴ ربیع الثانی ۹۰ھ

عوض لے کر حصۂ میراث چھوڑنا:

سوال: زید کا انتقال ہو گیا، اس کے ورثہ میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، ترکہ میں کچھ نقدی ہے اور کچھ دوسرا سامان۔ بھائی چاہتے ہیں کہ بہنیں کچھ عوض لے کر اپنے حصۂ میراث سے دست بردار ہو جائیں۔ کیا شریعت مطہرہ کی روشنی میں ایسا کرنا جائز ہے؟ اور ایسا کرنے سے بہنوں کا حق ساقط ہو جائے گا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، لیکن اگر بھائی بہنوں کو نقدی کی صورت میں عوض دینا چاہتے ہیں تو جتنا حصہ بہنوں کا میت کی نقدی میں بنتا ہے عوض اس سے زائد ہونا چاہئے تاکہ نقدی میں حصۂ میراث کی بقدر عوض اس کے مقابلے میں آجائے اور زائد دوسرے سامان کے مقابلے میں۔ نیز نقدی میں حصۂ میراث کی بقدر عوض پر مجلس عقد میں قبضہ ضروری ہے، اس لئے کہ یہ بیع صرف ہے جس میں تساوی اور تقابض فی المجلس ضروری ہے، عوض دوسرے اموال ربویہ کی صورت میں ہو تو تعیین فی المجلس ضروری ہے۔

اور اگر عوض ایسے سامان کی صورت میں ہو جو اموال ربویہ میں سے نہ ہو تو تساوی، تقابض وتعیین فی المجلس کچھ بھی ضروری نہیں۔

تنبیہ: جہاں بھائیوں سے حصہ نہ لینے کا دستور ہو وہاں طیب خاطر کا یقین نہ ہونے کی وجہ سے عوض دے کر حصہ میراث روکنا جائز نہیں، بلکہ طیب خاطر کا یقین ہونے کی صورت میں بھی چونکہ اس میں رسم جاہلیت اور ظلم عظیم کی تائید ہوتی ہے اس لئے جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: اخرجت الورثۃ احدھم عن الترکۃ وھی عرض او ھی عقار بمال اعطوہ لہ او اخرجوہ عن ترکۃ ھی ذھب بفضۃ دفعوھا لہ او علی العکس او عن نقدین بھما صح فی الکل صرفا للجنس بخلاف جنسہ قل ما اعطوہ او کثر لکن بشرط التقابض فیما ھو صرف وفی اخراجہ عن نقدین وغیرھما باحد النقدین لا یصح الا ان یکون ما اعطی لہ اکثر من حصتہ من ذلک الجنس تحرزا عن الربا ولا بد من حضور النقدین عند الصلح وعلمہ بقدر نصیبہ شرنبلالیۃ وجلالیۃ ولو بعرض جاز مطلقا لعدم الربا (رد المحتار ص[illegible] ج ۴)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ والمعتبر تعیین الربوی فی غیر الصرف) لان غیر الصرف یتعین بالتعیین ویتمکن من التصرف فیہ فلا یشترط قبضہ کالثیاب ای اذا بیع ثوب بثوب بخلاف الصرف لان القبض شرط فیہ للتعیین فانہ لا یتعین بدون القبض کذا فی الاختیار وحاصلہ ان الصرف وھو ما وقع علی جنس الاثمان ذھبا وفضۃ بجنسہ او بخلافہ لا یحصل فیہ التعیین الا بالقبض فان الاثمان لا تتعین مملوکۃ الا بہ ولذا کان لکل من العاقدین تبدیلھا بخلاف غیر الصرف فانہ یتعین بمجرد التعیین قبل القبض اھ (رد المحتار ص[illegible] ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۶ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ

پاک و ہند کے مسلمانوں کے درمیان توارث ہوگا:

سوال: مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ اس کے متعلق آپ کی تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مودودی صاحب کا یہ خیال باطل، مذاہب اربعہ کے خلاف ہے، ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمان تباین دارین کے باوجود ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔

مودودی صاحب نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُوا، اس سے عدم توارث پر استدلال غلط ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ کے دو قول ہیں، بعض نے ولایت کی تفسیر موالاۃ سے کی ہے، ولایت بمعنی وراثت نہیں لیا۔ ان مفسرین کے نزدیک اس آیت کا میراث وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس میں موالاۃ اور ترک موالاۃ کا بیان ہے، جس میں کافر محارب وغیر محارب، مستامن وغیر مستامن کا فرق ہوگا۔ اس مسئلہ کی تفصیل سورۂ ممتحنہ میں لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ کے تحت بیان کی گئی ہے۔ مذکورہ آیات کی تفسیر اور دار الاسلام اور دار الکفر کی رعایا کے باہمی تعلقات و بین الاقوامی معاملات پر شرح السیر الکبیر للامام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ میں نہایت عمدہ بحث ہے، جس کا مطالعہ ضروری ہے، مبسوط میں بھی ایسے مباحث ہیں۔

غرضیکہ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا الخ میں مسئلہ موالاۃ کا بیان ہے اور یہ اس وقت کا حکم ہے جبکہ ہجرت فرض تھی اور قبول اسلام کے لئے شرط تھی اور حدیث انا بری من کل مسلم بین ظہرانی المشرکین بھی اسی وقت سے متعلق ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما و دیگر مفسرین نے ولایت کی تفسیر وراثت سے کی ہے مگر اس کے ساتھ اس آیت کو اس وقت کے ساتھ مختص کر دیا ہے جبکہ مہاجرین و انصار اخوت اسلامیہ کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوا کرتے تھے جس کا ذکر اس آیت کے ساتھ ہی یوں ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ۔ بعد میں جب مہاجرین و انصار کے باہمی توارث کو وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ نے ختم کر دیا تو یہ حکم بھی باقی نہ رہا کہ مسلم مہاجر مسلم غیر مہاجر کا وارث نہ ہو، بلکہ آیات مواریث کے عموم کے مطابق توارث ہونے لگا۔

حاصل یہ کہ بعض مفسرین نے تو آیت مذکورہ سے مراد صرف موالاۃ لی ہے اور میراث کو اس میں داخل ہی نہیں کیا، اور بعض نے میراث کو داخل تو کیا ہے مگر سورۂ انفال کی آیت: وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ سے منسوخ کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔

مودودی صاحب کہتے ہیں کہ اختلافِ دارین سے ولایت منقطع ہوجاتی ہے، انہیں یہ معلوم نہیں کہ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنْفَقُوا کے نزول تک کافر عورتیں مسلمین کے نکاح میں تھیں۔ آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر ودیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے طلاق دی، یہ عورتیں مکہ میں تھیں جو دار الحرب تھا اور وہاں کے رہنے والے سب حربی تھے، اگر اختلافِ دارین سے ولایت منقطع ہوجاتی تو مدینہ کے رہنے والے اصحاب کا نکاح مکہ میں بسنے والی کافر عورتوں سے کیسے باقی رہا؟ نکاح بھی تو ولایت کا ایک فرد ہے، کافر عورتوں سے ابتداءً نکاح تو آیتِ بقرہ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۔ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا سے بہت پہلے ممنوع ہوچکا تھا، البتہ بقاءِ نکاح جائز تھا، جس کی ممانعت وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ سے کی گئی۔

غرضیکہ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ کے نزول تک جب کافرہ کے ساتھ مسلم کا تعلق باوجود اختلافِ دارین کے باقی رہا تو مسلم کی ولایت علی المسلم کے لئے اختلافِ دارین کیوں قاطع ہوگا۔

مودودی صاحب کو براہ راست قرآن کریم سے استنباطِ مسائل کا شوق ہے، حالانکہ اس کے لئے چودہ علوم میں مہارت شرط ہے جن سے مودودی صاحب واقف نہیں، لہٰذا ان کے لئے قرآن کریم سے استنباطِ مسائل جائز نہیں، اگر انہیں یہ کام کرنا ہی ہے تو ہم یہ مشورہ ضرور دیں گے کہ استنباط من القرآن کے ساتھ فقہاءِ امت رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال بھی ضرور ملاحظہ کرلیے جائیں تاکہ خلافِ اجماع سے محفوظ رہ سکیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۹ شعبان سنہ ۸۵ھ

ایک شخص کی موت کے چھ ماہ بعد اس کی والدہ کو بچہ پیدا ہوا جو ڈیڑھ سال سے مطلقہ رجعیہ تھی تو یہ بچہ وارث ہوگا:

سوال: ایک شخص فوت ہوا، سات آٹھ ماہ کا عرصہ گزرنے پر اس کا بھائی پیدا ہوا حالانکہ ان کے باپ نے ان کی والدہ کو تقریباً ڈیڑھ سال سے طلاق رجعیہ دی ہوئی ہے، یہ بھائی شرعاً وارث ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر ان کی والدہ نے عدت گزرنے کا اقرار نہیں کیا تو یہی سمجھا جائے گا کہ اس ولد کا علوق موت

مورث کے وقت موجود تھا، کیونکہ وقتِ موت سے دو برس کے عرصہ تک بچہ پیدا ہونے سے ظاہر یہی ہے کہ زوج نے رجوع نہیں کیا اور یہ علوق قبل از طلاق ہے، لہٰذا یہ بھائی وارث ہوگا۔

قال الامام المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ: بخلاف ما اذا اعتقت المعتدۃ عن موت او طلاق فجاءت بولد لاقل من سنتین من وقت الموت او الطلاق حیث یکون الولد مولی لموالی الام وان اعتق الاب لتعذر اضافۃ العلوق الی ما بعد الموت والطلاق البائن لحرمۃ الوطء وبعد الطلاق الرجعی لما انہ یصیر مراجعا بالشک فاستند الی حالۃ النکاح فکان الولد موجودا عند الاعتاق فعتق مقصودا (ھدایہ کتاب الولاء ص۳۴۲ ج ۳)

وفی بحث الحمل من الشامیۃ: وان کان من غیرہ فانما یرث لو ولد لستۃ اشھر او اقل الا اذا کانت معتدۃ ولم تقر بانقضائھا الخ

اور اگر ان کی والدہ نے عدت گزرنے کا اقرار کیا ہو تو یہ بھائی اس شرط سے وارث ہوگا کہ وقتِ اقرار سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہو، والا فلا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ رجب ۵۵ھ

حملِ غیرِ مورث کی وراثت کے لئے موتِ مورث سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہونا شرط ہے:

سوال: حملِ غیرِ مورث کا ہو تو اس کے وارث ہونے کی شرط ولادت لاقل من ستۃ اشھر ہے یا کہ لتمام ستۃ اشھر؟ شامیہ میں "لستۃ اشھر او اقل" اور بحر میں صرف "لاقل من ستۃ اشھر" لکھا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شامی نے سراجیہ کی موافقت کی ہے اور بحر میں مبسوط کی موافقت ہے لیکن مبسوط میں دیگر بعض مسائل میں ستۃ اشھر کو اقل کے ساتھ لاحق کیا ہے اور طحطاوی میں اسی مسئلہ میں ستۃ اشھر کا اکثر کے ساتھ لاحق ہونا مصرح ہے۔

وان جاءت بہ لستۃ اشھر او اکثر فانہ لا یرث اھ

بظاہر یہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ خود شامیہ میں مسئلہ ذیل میں ستۃ اشھر کو اکثر کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

والمتوفی عنھا اذا ادعت انقضاءھا ثم جاءت بولد لتمام ستۃ اشھر لا یثبت نسبہ، ولاقل یثبت اھ (رد المحتار ص۶۳۲ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳ رجب ۵۵ھ

حمل غیر مورث موت مورث سے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا مگر ورثہ بوقت موت وجود حمل کے مقر ہیں تو یہ حمل وارث ہوگا:

سوال: شامیہ بحث الحمل میں ہے: وان کان من غیرہ فانما یرث لو ولد لستة اشهر او اقل اذا کانت معتدة ولم تقر بانقضائها او اقر الورثة بوجوده۔ اس میں کل ورثہ کا اقرار ضروری ہے یا بعض کا کافی ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

چونکہ اقرار حجت قاصرہ ہے اس لئے صرف مقرین کے حق میں ان کا اقرار معتبر ہوگا، البتہ اگر موت مورث کے وقت ظہور حمل عام طور پر معلوم ہو یا اس کے ظہور پر شاہد موجود ہوں تو جملہ وارثوں کے حق میں اس کا ارث جاری ہوگا۔ ظہور حمل کا اعتبار جزئیہ ذیل سے ثابت ہے:

یثبت نسب ولد المعتدة بموت او طلاق ان جحدت ولادتها بحجة تامة او حبل ظاهر الخ (رد المحتار ص ۶۲۲ ج ۲)

حمل کی ولادت سے قبل اس کے لئے سہم موقوف رکھنا بھی ظہور حمل کے اعتبار کی دلیل ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴/ رجب [illegible]

ترکہ سے ایک وارث منافع لیتا رہا:

سوال: ایک شخص کے فوت ہونے کے بعد ترکہ پر صرف ایک وارث متصرف رہا، اس نے اس پر بہت مدت دراز تک منافع لئے اور کافی جائداد بنالی، اب دوسرے ورثہ تقسیم ترکہ کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس حالت میں صرف اصل ترکہ تقسیم ہوگا یا اس سے حاصل کردہ منافع اور اس سے خرید کردہ جائداد بھی تقسیم ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

صرف اصل ترکہ تقسیم ہوگا اور منافع کا مالک وہی ہے جو متصرف رہا، مگر اس کا تصرف اگر بلا رضائے دیگر ورثہ ہے تو یہ ارباح فاسدہ ہیں جن کا حکم یہ ہے کہ مالک پر رد کئے جائیں، اگر مالک کا علم نہ ہوسکے تو تصدق علی الفقراء کیا جائے، حاصل یہ کہ دیانۃً جمیع ورثہ کو دینا واجب ہوگا قضاءً نہیں، البتہ اگر ورثہ میں کوئی نابالغ ہے اور کسی وارث کا تصرف کسی ایسی چیز میں رہا جو پیداوار دینے والی ہے مثلاً زرعی زمین تو ایسی حالت میں قضاءً بھی نابالغ کو منافع دلائے جائیں گے

قال فی الخانیة: لو تصرف احد الورثة فی الترکة المشترکة وربح فالربح للمتصرف وحده.

وفی الذخیرة: رجل مات وترک الورثة فتصرف احد الورثة فی المال بالتجارة فتزاید المال فالقاضی یقسم اصل المال علی فرائض الله تعالی لا غیره.

وفی التتارخانیة: مات رجل وترک اولادا صغارا وکبارا فالکبار زرعوا فی ارض مشترکة او فی ارض الغیر فان زرعوا من بذر انفسهم او بذر مشترک بلا اذن فالغلة للمزارعین عـه

وفی تنقیح الحامدیة: وفی فتاوی المؤلف عن الفتاوی الرحیمیة سئل عن مال مشترک بین ایتام وام واستربح الوصی للایتام هل تستحق الام ربح نصیبها اولا اجاب لا تستحق الام شیئا مما استربحه الوصی بحصتها لغیرها کاحد الشریکین اذا استربح من مال مشترک لنفسه فقط ویکون ربح نصیبها کسبا خبیثا ومثله سبیله التصدق علی الفقراء اھ اقول ایضا ویظهر من هذا ومما قبله حکم ما لو کان المباشر للعمل والسعی بعض الورثة بلا وصیة او وکالة من الباقین (تنقیح الحامدیة ص۹۳ ج۲)

وفی الخیریة: سئل فی دار معدة للاستغلال بین بالغ ویتیم وامرأة سکنها الشریک البالغ بلا استیجار حصة الیتیم سنة هل یلزم البالغ اجرة مثل حصة الیتیم ام لا اجاب قد افتی کثیر من المتأخرین بوجوب اجرة المثل فی ذلک صیانة لمال الیتیم، والله اعلم. (الفتاوی الخیریة ج۱)

قال الامام المرغینانی رحمه الله تعالی: فیکون سبیله التصدق فی روایة ویرده علیه فی روایة لان الخبث لحقه وهذا اصح. (هدایة کتاب الکفالة ج۳)

قال الحافظ العینی رحمه الله تعالی: یرده علیه ای علی الاصیل فی روایة اخری عن ابی حنیفة رحمه الله تعالی، فان رده علی الاصیل فان کان الاصیل فقیرا طاب له وان کان غنیا ففیه روایتان فی کتاب الغصب، قال فخر الاسلام فی شرح الجامع الصغیر والاشبه ان یطیب له، لانه انما یرده علیه علی انه حقه لان الخبث لحقه

عـه سیأتی عن الخیریة وجوب رد الغلة علی الصغار فی هذه الصورة ۱۲ منه

ای لاحق الاصیل لا لحق الشرع وھٰذا اصح ای الرد لان یرد علی المکفول عنہ اصح من القول بالتصدق لکنہ استحباب ای لکن الرد علیہ مستحب، لان الملک للکفیل الاجبر لان الحق لہ ای لا یجبر علی دفعہ الا انہ لما تمکن الخبث یستحب الدفع الیہ بخلاف الربح فی الغصب حیث یجبر الغاصب علی الدفع لانہ لاحق للغاصب فی الربح .

(البنایۃ ص۴۴۴ ج ۷)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم .

۱۰ ذی القعدہ ۹۶ھ

عرصہ دراز گزر جانے سے حق وراثت ساقط نہیں ہوتا :

سوال : ایک شخص کا انتقال ہوگیا، چند دن بعد اس کی ایک لڑکی پیدا ہوئی، میت کے چچازاد بھائی نے زمین پر قبضہ کرلیا، لڑکی کو کچھ نہیں دیا، حتی کہ لڑکی کی شادی ہوگئی، اس کی اولاد جوان ہوئی تو انہوں نے اصرار کرکے اس سے کچھ زمین لے لی لیکن وہ بہت کم تھی جس پر لڑکی راضی نہیں تھی، کچھ عرصہ بعد میت کے نواسوں نے پھر اپنی والدہ کا حق وصول کرنے کی کوشش کی تو چچازاد کے ایک لڑکے نے کہا کہ اس وقت والد صاحب بیمار ہیں، ہوسکتا ہے کہ زمین نہیں دینے کی وجہ سے ان کی بیماری شدت اختیار کرجائے، اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں والد صاحب کے انتقال کے بعد فلاں زمین آپ کے حوالے کردوں گا، کچھ عرصہ بعد اس کے والد کا انتقال ہوگیا، اب وہ زمین دینے سے انکار کر رہا ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے :

① میت کی بیٹی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے حصہ کا مطالبہ کرے یا نہیں ؟

② کیا شریعت میں اس کی کوئی تحدید ہے کہ اتنے سال تک حق کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے اس کے بعد نہیں ؟

③ بیٹی کو کتنا حصہ ملے گا جبکہ میت کی بیوی بھی وفات پاچکی ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

چچازاد بھائی کا میت کی بیٹی کے حصہ پر قبضہ کرنا ناجائز اور حرام تھا، بیٹی اپنے حصہ کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہے خواہ کتنا ہی عرصہ گزر گیا ہو۔

میت کے چچازاد بھائی کی اولاد پر فرض ہے کہ میت یعنی والد اور والدہ کی کل جائیداد کا نصف لڑکی کو دیں، اس جائیداد میں سے لڑکی کے حصہ کی اگر آمدن ہوتی رہی ہے تو وہ بھی ادا کریں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ باع عقارًا : وفی جامع الفتاوی وقال المتأخرون من اهل الفتوی لاتسمع الدعوی بعد ست و ثلاثین سنۃ الا ان یکون المدعی غائبا او صبیا او مجنونا لیس لہما ولی او المدعی علیہ امیرا جائرا یخاف منہ، کذا فی الفتاوی العتابیۃ اھ والظاھر ان عدم سماعہا بعد ھذہ المدۃ اعم من کونہ مع الاطلاع علی التصرف او بدونہ لان عدم سماعہا مع الاطلاع علی التصرف لم یقیدوہ ھنا بمدۃ فلا منافاۃ بین کلامہم تأمل۔ ثم اعلم ان عدم سماعہا لیس مبنیا علی بطلان الحق حتی یرد ان ھذا قول مہجور لانہ لیس ذلک حکم ببطلان الحق وانما ھو امتناع من القضاۃ عن سماعہا خوفا من التزویر ولدلالۃ الحال کما دل علیہ التعلیل والا فقد قالوا ان الحق لا یسقط بالتقادم کما فی قضاء الاشباہ فلا تسمع الدعوی فی ھذہ المسائل مع بقاء الحق للاٰخرۃ ولذا لو اقر بہ الخصم یلزمہ کما فی مسألۃ عدم سماع الدعوی بعد مضی خمس عشرۃ سنۃ اذا نہی السلطان عن سماعہا کما تقدم قبیل باب التحکیم فاغتنم ھذا التحریر المفرد (ردالمحتار ص۴۴۳ ج ۵)

وقال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتاب الکفالۃ تحت قولہ فیکون سبیلہ التصدق فی روایۃ ویردہ علیہ فی روایۃ لان الخبث لحقہ وھذا اصح : بخلاف الربح فی الغصب حیث یجبر الغاصب علی الدفع (ای الدفع الی المالک) لانہ لاحق للغاصب فی الربح (البنایۃ ص۷۵۰ ج ۷) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۶ محرم ۱۳۹۱ھ

بیٹی کی موجودگی میں خیفی بہن محروم ہے :

سوال : جب ورثہ میں میت کی لڑکی اور خیفی بہن دونوں موجود ہوں تو خیفی بہن محروم ہوگی یا حصہ پائے گی ؟

مجموعۃ الفتاوی میں اس صورت میں خیفی بہن کو سدس دیا گیا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

خیفی بہن بیٹی کی وجہ سے محروم ہوجاتی ہے۔ مجموعۃ الفتاوی میں تسامح ہوگیا ہے۔

قال فی التنویر : ویسقط بنو الاخیاف بالولد وولد الابن (ردالمحتار ص۷۷۴ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ ذی القعدہ ۱۳۹۰ھ

مرتد کے لئے وصیت باطل ہے:

سوال: ایک شخص کی جائداد ہندوستان میں ہے، اس کی بہن بھی اس جائیداد میں اس کی شریک ہے، یہ جائیداد ان کو اپنے والد کے ترکہ میں ملی تھی، ابھی تک انہوں نے اسے تقسیم نہیں کیا تھا کہ بہن مرتدہ ہوگئی یعنی اس نے شیعہ مذہب اختیار کرلیا اور کچھ عرصہ بعد اسی حالت میں اس کا انتقال ہوگیا، جب بھائی کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے اپنی اولاد کو یہ وصیت کی کہ تم اس جائیداد سے اپنی پھوپھی زاد اولاد کو بھی حصہ دینا ورنہ آخرت میں مؤاخذہ ہوگا، اب اس کی اولاد اپنے والد کی وصیت نافذ کرسکتی ہے یا نہیں؟ عدم تعمیل کی صورت میں کیا اولاد سے اس کا مؤاخذہ ہوگا؟ جبکہ جن کے حق میں وصیت کی ہے وہ سب شیعہ مرتدین ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مرتدہ بہن حالتِ ارتداد میں نہ کسی کی وارث ہوگی اور نہ اس کے کسب ارتداد کا کوئی وارث ہوگا، البتہ کسبِ اسلام کے وارث اس کے مسلم ورثہ ہوں گے، غیر مسلم وارث کا اس میں کوئی حصہ نہیں، لہذا ان کو حصہ دینے کی وصیت باطل ہے۔

عدم تعمیلِ وصیت پر اولاد ماخوذ نہ ہوگی۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ ولا ارث) فلا یرث احدا ولا یرثہ احد ما اکتسبہ فی ردتہ بخلاف کسب اسلامہ فانہ یرثہ ورثتہ کما مر ولاستنادہ الی ما قبلہا فہو ارث مسلم من مثلہ والکلام فی ارث المرتد فافہم (رد المحتار ص ... ج ۳)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳/ صفر سنہ ...ھ

سہم الدور ساقط کا مطلب:

سوال: تعلیم المتعلم فصل فی بدایۃ السبق وقدرہ وترتیبہ میں ہے:
"وسہم الدور ساقط" اس کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی فروع الہبۃ تحت باب الرجوع فی الہبۃ:

رأیت فی مجموعۃ منلا علی الصغیرۃ بخطہ عن جواہر الفتاوی کان ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ حاجا فوقعت مسألۃ الدور بالکوفۃ فتکلم کل فریق بشیء فذکروا لہ ذلک حین استقبلوہ

فقال من غير فكر ولا روية اسقطوا السهم الدائر تصح المسألة مثاله مريض وهب عبدا له من مريض وسلمه اليه ثم وهبه من الواهب الاول وسلمه اليه ثم ماتا جميعا ولا مال لهما غيره فانه وقع فيه الدور حتى (١) اذا رجع اليه شيء منه زاد في ماله واذا زاد في ماله زاد في ثلثه واذا زاد في ثلثه زاد فيما يرجع اليه واذا زاد فيما رجع اليه زاد في ثلثه ثم وثم الى كذلك فتحتاج الى تصحيح الحساب وطريقه ان تطلب حسابا له ثلث (وللثلث ثلث) واقله تسعة ثم تقول صحت الهبة في ثلاثة منها ورجع من الثلاثة سهم الى الواهب الاول فهذا السهم هو سهم الدور فاسقطه من الاصل بقي ثمانية ومنها تصح وهذا معنى قول ابي حنيفة رحمه الله تعالى اسقطوا السهم الدائر وتصح الهبة في ثلاثة من ثمانية والهبة الثانية في سهم فيحصل للواهب الاول ستة ضعف ما صححناه في هبته وصحت الهبة الثانية في ثلث ما اعطينا (الاول) فثبت ان تصحيحه باسقاط سهم الدور وقيل دع الدور يدور في الهواء اه ملخصا وفي حكاية عن محمد رحمه الله تعالى فليراجع (رد المحتار ص ... ج ٦) والله سبحانه وتعالى اعلم

١٧ جمادى الاولى سنة ٨٣ھ

حكم الوصية بالسكنى:

سوال: اگر کوئی شخص کسی مسکین کے لئے تاحیات وصیت بالسکنیٰ کر جائے تو وہ وصیت نافذ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

وصیت بالسکنیٰ صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ موصیٰ لہ متعین ہو، اگر مطلقاً سکنیٰ کی وصیت کی اور موصیٰ لہ کی تعیین نہیں کی تو وصیت صحیح نہ ہوگی البتہ ان لوگوں کے قول پر قیاس کرتے ہوئے جو وقف کو غیر معین کے لئے جائز قرار دیتے ہیں جواز کا قول کیا جا سکتا ہے، مگر ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے قیل سے تعبیر کرکے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے اور عدم صحت کے قول کو مدلل اور راجح قرار دیا ہے

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: صحت الوصية بخدمة عبده وسكنى داره مدة معلومة وابدا ويكون محبوسا على ملك الميت في حق المنفعة كما في الوقف.

١ه الكلمات التي بين القوسين لابد منها لتصحيح المعنى ولعلها فاتت في الاصل وتركت من الناسخين
منه عفا ١٢

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ صحت الوصیۃ بخدمۃ عبدہ وسکنیٰ دارہ) ای المعین قال المقدسی ولو اوصی بغلۃ دارہ او عبدہ فی المساکین جاز وسکنی والخدمۃ لا یجوز الا لمعلوم لان الغلۃ عین مال یتصدق بہ والخدمۃ والسکنی لا یتصدق بہا بل تفاد العین لاجلہا والاعارۃ لاتکون الا لمعلوم وقیل ینبغی ان یجوز علی قیاس من یجیز الوقف وتمام الفرق فی المبسوط اھ ساتحانی (قولہ مدۃ معلومۃ او ابدا) وان اطلق فعلی الابد وان اوصی لمساکین فعلی ثلث وکذا الوصیۃ بغلۃ العبد والدار اھ مسکین (رد المحتار ص ۶۶۴ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳ ذی القعدہ سنہ ۸۶ھ

قضاء نماز، روزہ کے فدیہ کی وصیت:

سوال: اگر کسی کے ذمہ کچھ نمازوں یا روزوں کی قضاء باقی ہو لیکن ان کی صحیح مقدار معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس پر مرتے وقت ان کے فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے یا نہیں؟ وصی پر اس وصیت کا ثلث مال میں جاری کرنا واجب ہے؟ اس کا صحیح مصرف کیا ہے؟ کیا ہاشمی اور مالدار کو دینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

وصیت کرنا واجب ہے مگر ظن غالب سے نمازوں کی تعداد معین کرکے وصیت کرے اگر بغیر تعیین کے وصیت کی تو ورثہ ظن غالب سے تعداد معین کرکے حساب لگائیں اگر ثلث مال مقدار فدیہ کے مساوی یا کم ہو تو وصیت نافذ کرنا واجب ہے اگر زیادہ ہو تو وصیت باطل ہے۔ اس کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے، ہاشمی اور صاحب نصاب کو دینا جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولو مات وعلیہ صلوات فائتۃ واوصی بالکفارۃ یعطی لکل صلوٰۃ نصف صاع من بر کالفطرۃ وکذا حکم الوتر والصوم وانما یعطی من ثلث مالہ

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وانما یعطی من ثلث مالہ) ای فلو زادت الوصیۃ علی الثلث لا یلزم الولی اخراج الزائد الا باجازۃ الورثۃ (وبعد سطر) اوصی بصلوات عمرہ وعمرہ لا یدری فالوصیۃ باطلۃ ثم رمز ان کان الثلث لا یفی بالصلوات جاز وان کان اکثر منہا لم یجز اھ والظاہر ان المراد لا یفی بغلبۃ

الظن لان المفروض ان عمره لا يدرى وذلك كان يفي الثلث بخمس وعشرين سنة مثلا وعمره نحو الثلاثين وجه. هذا القول الثاني ظاهر لان الثلث اذا كان لا يفي بصلوات عمره تكون الوصية بجميع الثلث يقينا ويلغو الزائد عليه بخلاف ما اذا كان يفي بها ويزيد عليها فان الوصية تبطل لجهالة قدرها بسبب جهالة قدر الصلوات فتدبر.

(ردالمحتار ص ۴۴۱ ج ۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳ محرم ۹۵ھ

وصیت میں ترکہ کی تہائی کا اعتبار ہے:

سوال: ایک صاحب جو کافی عمر تھے انہوں نے یہ خیال کرکے کہ میرے مرنے کے بعد وارث کوئی جھگڑا نہ کریں اپنی زندگی ہی میں میراث تقسیم کردی اور حسب حصص شرعیہ سب وارثوں کو دے دیا اور ایک تہائی جس میں ان کو وصیت کا حق تھا الگ کرکے رکھ دیا اور کہا کہ یہ رقم میرے نماز روزہ کے فدیہ کی ہے۔ اب ان کا انتقال ہوگیا اور وہ رقم فدیہ میں دینے کے لئے رکھی ہوئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ سب رقم فدیہ میں دی جائے گی یا اس کے دو تہائی ورثہ کو اور ایک تہائی میں وصیت جاری ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر وارثوں نے مورث کی زندگی میں اپنے حصوں پر قبضہ کر لیا ہو تو وہ زندگی ہی میں مورث کی ملک سے نکل گئے، کل ترکہ وہی ثلث رہا جو اس نے وصیت کے لئے رکھا تھا لہٰذا اس سے دو ثلث وارثوں میں بقدر حصص تقسیم ہوں گے اور ایک ثلث میں وصیت جاری ہوگی، البتہ اگر سب وارث عاقل بالغ ہوں اور وہ سب بخوشی بطیب خاطر وصیت پر خرچ کرنے پر راضی ہوں تو کل رقم وصیت کے مطابق خرچ کی جا سکتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۸ جمادی الآخرۃ ۹۵ھ

اقارب کے لئے وصیت:

اگر کوئی شخص اپنے اقارب کے لئے وصیت کرے تو اس میں کون کون داخل ہوں گے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں وہ ذی رحم محرم داخل ہوں گے جو بوقت موت موصی وارث نہ ہوں۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: وان اوصی لاقاربہ او لذی قرابتہ او لارحامہ او لانسابہ فہی للاقرب فالاقرب من کل ذی رحم محرم منہ ولا یدخل الوالدان والولد والوارث ویکون للاثنین فصاعدا. (ردالمحتار ص[illegible] ج ۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی بیان شرائط صحۃ الوصیۃ: وکونہ غیر وارث وقت الموت.

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وقت الموت) ای لا وقت الوصیۃ حتی لو اوصی لاخیہ وہو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ ولو اوصی لاخیہ ولہ ابن ثم مات الابن قبل موت الموصی بطلت الوصیۃ. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم.
(ردالمحتار ص[illegible] ج ۵)

۴/ذی الحجۃ ۹۹ھ

وصیت ایک ثلث تک ہو سکتی ہے:

سوال: ایک خاتون کا انتقال ہوا جو لاولد تھیں، اس کے ورثہ میں اس کا شوہر اور اس کا ایک بھائی ہے، مرنے سے پہلے اس نے پندرہ ہزار روپے ایک شخص کے پاس امانت رکھ دیئے کہ میری موت کے بعد ان کو کسی کار خیر میں لگا دینا، اس کے پاس اس رقم کے علاوہ اور بھی اثاثہ ہے تو کیا اس امانت کی وصیت شرعاً درست ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ رقم کل ترکہ کے ایک ثلث سے زائد نہیں تو اس کی وصیت صحیح ہے ورنہ ایک تہائی تک وصیت کے مطابق خرچ کیا جائے اور باقی وارثوں میں تقسیم کی جائے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵/صفر [illegible]ھ

پہلے کے بعد دوسرا وصی مقرر کیا تو دونوں اتفاق رائے سے کام کریں گے:

سوال: ایک شخص نے اپنے مال کی حفاظت و تقسیم کے لئے ایک شخص کو وصی مقرر کیا۔ کچھ عرصہ بعد پہلے کو معزول کئے بغیر دوسرے شخص کو وصی بنایا، دریافت طلب یہ ہے کہ پہلا وصی معزول سمجھا جائے گا یا یہ دونوں شخص وصی ہوں گے؟ اگر دونوں وصی ہوں تو دونوں میں سے ہر ایک انفراداً تصرف کرنے کا مجاز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دونوں شخص وصی سمجھے جائیں گے، البتہ ہر ایک انفراداً تصرف کرنے کا مجاز نہیں ہوگا، دونوں مل کر تصرف کریں گے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (ويبطل فعل احد الوصيين كالمتوليين) فانهما في الحكم كالوصيين اشباه وقف القنية ومفاده انه لو اجرا احدهما ارض الوقف لم تجز بلا رأى الآخر وقد صارت واقعة الفتوى (ولو وصيا) (كان الايصاء لكل منهما على الانفراد) وقيل ينفرد قال ابو الليث وهو الاصح وبه نأخذ لكن الاول صححه في المبسوط وجزم به في الدرر وفي القهستاني انه اقرب الى الصواب.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وقيل ينفرد) فانه ابو يوسف رحمه الله تعالى كما سيصرح به الشارح والاول قولهما ثم قيل الخلاف فيما لو اوصى اليهما متعاقبا فلو معا بعقد واحد لاينفرد احدهما بالتصرف بالاجماع وقيل الخلاف في العقد الواحد اما في العقدين فينفرد احدهما بالاجماع: قال ابو الليث وهو الاصح وبه نأخذ وقيل الخلاف في الفصلين جميعا قال في المبسوط وهو الاصح وبه جزم منلاخسرو متنا وشرحا وذكر مثله الزيلعي وغيره (قوله لكن الاول صححه في المبسوط الخ) اقول اوهم انه صحح القول بالانفراد مع انك علمت ان الكلام في محل الخلاف وان الذي صححه في المبسوط ان الخلاف في الموضعين، وليس فيه تصحيح القول بالانفراد ولا لعدمه نعم ما صححه ابو الليث يتضمن تصحيح الانفراد ولو بعقدين لانه ادعى فيه الاجماع فتنبه. ويمكن ان يقال ان ما في المبسوط متضمن ايضا لتصحيح عدم الانفراد فانه اذا صحح ان الخلاف في الفصلين اثبت ان قول ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى عدم الانفراد فيهما والعمل في الغالب على قول الامام وهو ظاهر اطلاق المتون وصريح عبارة المصنف تأمل

(قوله انه اقرب الى الصواب) لان وجوب الوصية عند الموت فثبت لهما معا بخلاف الوكالة المتعاقبة فاذن ثبت ان الخلاف فيهما زيلعي اي في صورتي الايصاء لهما معا او متعاقبا. (رد المحتار ص۴۴۲ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم

۲۵ شوال ۹۸ھ

وارث کے لئے وصیت جائز نہیں :

سوال : ایک شخص نے اپنی حیات میں ایک وصیت نامہ لکھا، جس میں اس نے اپنے دو بھائیوں کو اپنے ترکہ کی حفاظت اور تقسیم کے لئے وصی لکھا، پھر چند ماہ بعد ایک اور وصیت نامہ لکھا، جس میں اس نے اپنی بیوی اور بیٹی کو وصی لکھا، بھائیوں کے بارے میں کچھ نہیں لکھا، نیز اس نے پہلے وصیت نامہ میں اپنے ایک بھتیجے مسمی خداداد کے لئے لکھا کہ یہ سب بھائیوں کے ساتھ حصہ میں برابر ہے، لیکن دوسرے وصیت نامہ میں اس کے لئے کچھ نہیں لکھا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دوسرا وصیت نامہ پہلے کے لئے ناسخ شمار ہوگا یا نہیں؟ ترکہ کے وصی کون کون ہیں؟ یعنی دو بھائی، بیوی اور بیٹی سب وصی ہیں یا صرف بیوی اور بیٹی؟ نیز خداداد کو کچھ ملے گا یا نہیں؟ اگر ملے گا تو کتنا؟ اور تقسیم کا کیا طریقہ ہوگا؟

الجواب باسم ملہم الصواب

دوسرے وصیت نامہ میں پہلے وصیت نامہ کو منسوخ کرنے کا ذکر نہیں اس لئے دونوں وصیت نامے معتبر ہوں گے اور دونوں کی تحریر کے مطابق دو بھائی، بیوی اور بیٹی چاروں وصی ہوں گے۔

اگر موصی کی وفات تک کوئی بھائی زندہ رہا تو بھتیجے کو بھائی کے برابر حصہ ملے گا بشرطیکہ کل ترکہ کے ایک ثلث سے زائد نہ ہو، اگر ثلث سے زائد ہو تو بقدر ثلث دیا جائے گا باقی ورثہ میں تقسیم ہوگا۔

اور اگر دونوں بھائی موصی سے پہلے فوت ہو گئے تو اس صورت میں چونکہ بھتیجا وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں اس لئے اسے بطور وصیت کچھ نہ ملے گا۔

بطور وصیت بھتیجے کو حصہ ملنے کی صورت میں تقسیم کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے صرف ورثہ کے حصص کی تخریج کی جائے، پھر ایک بھائی کے حصہ کے برابر موصی لہ بھتیجے کا حصہ رکھا جائے۔ اس عمل سے رأس المال حصص سے کم ہو جائے گا۔ اس لئے بطریق عول ہر وارث کا حصہ علی التناسب کم کیا جائے گا۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی فی بیان شرائط صحۃ الوصیۃ : وکونہ غیر وارث وقت الموت۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی (قولہ وقت الموت) ای لا وقت الوصیۃ حتی لو اوصی لاخیہ وھو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ ولو اوصی لاخیہ ولہ ابن ثم مات الابن قبل موت الموصی بطلت الوصیۃ تاملی (رد المحتار ص [illegible] ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم ۲۵ شوال [illegible]

وصیت سے رجوع جائز ہے:

سوال: زید نے حالتِ مرض میں اپنا مکان مسجد کو دے دیا اور سرکاری کاغذات میں لکھوا بھی دیا کہ میں مسجد کو دے چکا ہوں لیکن ابھی مسجد کا قبضہ نہیں ہوا تو کیا زید شرعاً اس وصیت کو باطل کر سکتا ہے یا نہیں، باطل کرنے سے کوئی گناہ تو نہیں ہوگا؟

الجواب باسم ملہم الصواب

وصیت سے رجوع جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: وله ای للموصی الرجوع عنها بقول صریح او فعل یقطع حق المالک عن الغصب بأن یزیل اسمه واعظم منافعه کما عرف فی الغصب۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت قوله (وله الرجوع عنها) واعلم ان الرجوع فی الوصیۃ علی انواع ما یحتمل الفسخ بالقول والفعل کالوصیۃ بعین وما لا یحتمله الا بالقول کالوصیۃ بالثلث او الربع فانه لو باع او وهب لم تبطل وتنفذ الوصیۃ من ثلث الباقی وما لا یحتمله الا بالفعل کالتدبیر المقید طحطاوی مع لکن لو اشتراه عاد لحاله الاول وما لا یحتملهما کالتدبیر المطلق اھ ملخصاً من الولوالجیۃ والقهستانی (قوله او فعل الخ) هذا رجوع دلالۃ والاول صریح وقد یثبت ضرورۃ بأن یتغیر الموصی به ویتغیر اسمه (رد المحتار ص۴۲۲ ج۵)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۵ رجب سنہ ۹۹ھ

صحتِ وصیت کے لئے ورثہ کا بلوغ شرط نہیں:

سوال: ایک عورت کا انتقال ہو گیا اس کے ترکہ میں چھ تولہ سونا ہے۔ ورثہ میں باپ شوہر اور تین بچے رہے، مرتے وقت اس نے یہ وصیت کی کہ میرے ترکہ سے میری قضاء نمازوں کا فدیہ کسی عالم سے پوچھ کر ادا کر دینا۔ اس کے ذمہ تقریباً ۲۲ نمازیں ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کے ورثہ میں نابالغ بچے بھی شامل ہیں تو کیا اس کے زیور کو بیچ کر تمام نمازوں کا فدیہ اس سے ادا کیا جائے یا بعض کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کل ترکہ کی ایک تہائی سے فدیہ ادا کرنا واجب ہے، اگر اس میں اتنی گنجائش نہ ہو تو زائد

فدیہ ادا کرنا واجب نہیں، بالغ وارث چاہیں تو اپنے حصہ سے دے سکتے ہیں، نابالغ کے حصہ سے دینا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۳؍ ذی الحجہ ۹۱ھ

کرایہ کی وصیت:

سوال: ایک شخص کے انتقال کے وقت اس کے ترکہ میں صرف ایک دکان تھی اور ورثہ میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔ دکان کے کرایہ کے بارے میں اس نے یہ وصیت کی کہ میرے برادر زادگان کو دے دیا کرنا۔ کیا یہ وصیت از روئے شرع درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ وصیت صحیح ہے، کرایہ کی ایک تہائی برادر زادگان کی حیات تک ان پر برابر تقسیم ہوا کرے گی اور دو تہائی لڑکے اور لڑکی کو ملا کرے گی، برادر زادگان میں سے کسی کا بھی انتقال ہوگیا تو اس کو وصیت میں ملنے والا حصہ بھی لڑکے اور لڑکی کو ملنے لگے گا، اور اگر لڑکے کا انتقال برادر زادگان سے پہلے ہوگیا تو چونکہ اس صورت میں برادر زادگان وارث بن جائیں گے اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں اس لئے یہ وصیت باطل ہو جائے گی اور برادر زادگان کو وصیت کی بجائے بطور وراثت حصہ ملے گا۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله فلا تقسم) اى الدار نفسها اما الغلة فتقسم قال الاتقاني اذا اوصى بغلة عبده او داره سنة ولا مال له غيره فله ثلث غلة تلك السنة لانها عين مال تحتمل القسمة اه

(رد المحتار ص۴۲۲ ج۵)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى في بيان شرائط صحة الوصية: وكونه غير وارث وقت الموت۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وقت الموت) اى لا وقت الوصية حتى لو اوصى لاخيه وهو وارث ثم ولد له ابن صحت الوصية للاخ ولو اوصى لاخيه وله ابن ثم مات الابن قبل موت الموصي بطلت الوصية۔ زيلعي (رد المحتار ص۴۱۶ ج۵) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

غرہ جمادی الآخرۃ سنہ ۱۴۰۰ھ

ایک ظلم عظیم کی اصلاح

سوال : ایک متوفی نے بیوی اور چار بیٹے وارث چھوڑے۔ پانچویں بیٹے کا متوفی کی حیات میں انتقال ہوگیا تھا، متوفی نے اس بیٹے کے وارثوں کے لئے یوں وصیت کی کہ اس کے بیٹوں میں ہر بیٹے کو جتنا حصہ آئے اس کے برابر پہلے مرنے والے بیٹے کے وارثوں کو دیا جائے اس صورت میں ترکہ کی تقسیم شرعاً کس طرح ہوگی؟

الجواب باسم ملہم الصواب

اس قسم کی وصیت کے مواقع بہت کثرت سے پیش آتے ہیں، اس میں عوام وخواص یوں کرتے ہیں کہ پہلے مرنے والے کو زندہ فرض کرکے بیوی کا حصہ نکالنے کے بعد بقیہ ترکہ سب اولاد پر للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کردیتے ہیں۔

یہ طریق اس لئے غلط ہے کہ وصیت کی وجہ سے بیوی کا حصہ کم نہیں ہوتا، حالانکہ ثلث تک وصیت تقسیم ترکہ پر مقدم ہے، اس لئے وصیت کی وجہ سے دوسرے ورثہ کی طرح بیوی کا حصہ بھی کم ہونا چاہئے۔ اور اگر پہلے سب اولاد کے حصص کا حساب لگا کر موصی لہم کا حصہ نکال کر بقیہ سے بیوی کو دیں تو زندہ اولاد کا حصہ موصی لہم کے حصہ سے کم ہوجائے گا جو موصی کی مراد کے خلاف ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے صرف وارثوں کے حصص کی تخریج کی جائے پھر ایک لڑکے کے حصہ کے برابر موصی لہم کا حصہ لگایا جائے، اس عمل سے راس المال حصص سے کم ہوجائے گا، اس لئے بطریق عول ہر وارث کا حصہ بلحاظ تناسب کم کیا جائے گا۔

طریق مذکور کے مطابق صورت سوال میں حصص کی تفصیل بحساب فیصد یوں ہوگی:

بیوی کو ۱/۸ ۱۰، ہر لڑکے کو ۷/۴۰ ۱۴ اور موصی لہم کو ۷/۴۰ ۱۴ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۶ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۳ھ

مرض الموت میں وارث کے لئے ہبہ جائز نہیں:

سوال : ایک شخص کبھی صحت یاب ہوجاتا ہے، کبھی بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے، اس کی عمر ۶۳ سال ہے، اس کی دو لڑکیاں تھیں، ایک کا انتقال ہوچکا ہے، انتقال شدہ لڑکی کی دو لڑکیاں تھیں، ایک لڑکی زندہ ہے، اس کے دو لڑکے تھے جن کا انتقال ہوچکا ہے، البتہ اس کے دو لڑکوں کی اولاد زندہ ہے، والد نے اپنی جائیداد صرف ان لڑکوں کی مذکر اولاد کے

نام کر دی ہے۔ ان لڑکوں کی بہنوں کو اور اپنی صلبی لڑکی کو محروم رکھا ہے۔ کیا از روئے شرع یہ
جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو شرعاً تقسیم کیونکر ہوگی جبکہ یہ تقسیم صلبی لڑکی اور صلبی لڑکوں کے لڑکوں
اور لڑکیوں کے درمیان ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس شخص نے بحالت مرض پوتوں کے نام ہبہ کیا اور اسی مرض میں اس کا انتقال ہو گیا تو
یہ ہبہ ہوگا، بلکہ تمام ورثہ کو بقدر حصص میراث ملے گی، اس لئے کہ مرض الموت میں ہبہ بحکم وصیت
ہے اور وصیت وارث کے لئے جائز نہیں۔

البتہ اگر وہ درمیان میں کبھی صحت یاب ہو گیا یا تندرستی کی حالت میں ہبہ کیا اور قبضہ
بھی دے دیا تو یہ ہبہ صحیح ہو گیا، مگر بعض کو ہبہ کرنے میں اگر دوسرے ورثہ کا اضرار مقصود ہو تو یہ
مکروہ تحریمی ہے، اضرار مقصود نہ ہو اور کوئی وجہ ترجیح بھی نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، ذکور واناث
میں تسویہ بہتر ہے۔ دینداری، خدمت گزاری، خدمات دینیہ کا شغل وغیرہ کوئی وجہ ترجیح ہو تو مکروہ
تنزیہی بھی نہیں بلکہ تفضیل مستحب ہے۔ بے دین اولاد کو محروم کرنا اور زائد مال امور دینیہ میں صرف
کرنا مستحب ہے۔

ہبہ صحیح نہ ہونے کی صورت میں ترکہ یوں تقسیم ہوگا:

لڑکی کو نصف اور باقی پوتوں اور پوتیوں میں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ تقسیم ہوگا۔

تنبیہ: مسئلہ فی نفسہ تو ویسے ہی ہے جیسے اوپر تحریر کیا گیا، مگر زیادہ تر دستور یہ ہو گیا ہے
کہ بیٹیوں اور پوتیوں کو مورث کے مرنے کے بعد میراث سے اور زندگی میں ہبہ سے محروم رکھا جاتا
ہے، اور اس ظلم عظیم کے لئے عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ بیٹیاں اور پوتیاں اپنا حصہ چھوڑنے پر راضی
ہیں، حالانکہ وہ دستور جاہلیت کی بناء پر شرم کی وجہ سے خاموش رہتی ہیں، طیب خاطر سے اپنا حصہ نہیں
چھوڑتیں، اس لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔ بلکہ طیب خاطر کا یقین ہونے کی صورت میں بھی چونکہ اس سے رسم
جاہلیت اور ظلم عظیم کی تائید ہوتی ہے، اس لئے جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله مريض مديون الخ)
(فروع) وهب في مرضه ولم يسلم حتى مات بطلت الهبة لأنه وإن كان وصية حتى
اعتبر فيه الثلث فهو هبة حقيقة فيحتاج إلى القبض. (رد المحتار ص[illegible] ج ۴)
وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى في بيان شرائط صحة الوصية: وكونه

غیر وارث وقت الموت۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وقت الموت) ای لا وقت الوصیۃ حتی لو اوصی لاخیہ وھو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ ولو اوصی لاخیہ ولہ ابن ثم مات الابن قبل موت الموصی بطلت الوصیۃ زیلعی۔

(رد المحتار ص ۴۱۲ ج ۵)

وقال الامام طاھر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی الفتاوی رجل لہ ابن وبنت اراد ان یھب لھما شیئا فالافضل ان یجعل للذکر مثل حظ الانثیین عند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ بینھما سواء ھو المختار لورود الآثار ولو وھب جمیع مالہ لابنہ جاز فی القضاء وھو آثم نص عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ھکذا فی العیون، ولو اعطی بعض ولدہ شیئا دون البعض لزیادۃ رشدہ لا باس بہ وان کانا سواء لا ینبغی ان یفضل، ولو کان ولدہ فاسقا فاراد ان یصرف مالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ من المیراث ھذا خیر من ترکہ لان فیہ اعانۃ علی المعصیۃ ولو کان ولدہ فاسقا لا یعطی لہ اکثر من قوتہ (خلاصۃ الفتاوی ص ۴۰۰ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ ذی القعدہ سنہ ...

وضع حمل تک تقسیم ترکہ کو ملتوی رکھنا بہتر ہے:

سوال: اگر بیوی کے حاملہ ہونے کا احتمال ہو تو کیا وضع حمل تک انتظار کرکے بعد میں لڑکا یا لڑکی جو بھی بچہ پیدا ہو اس کو شریک ورثہ کرنا ہوگا یا اسی حال میں ترکہ تقسیم کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تقسیم ترکہ میں بہتر تو یہ ہے کہ حمل کی پیدائش کا انتظار کیا جائے تاکہ اس کا وارث یا غیر وارث اور مرد یا عورت ہونا معلوم ہو جائے، لیکن اگر انتظار نہ کریں اور پیدائش ہونے سے پہلے ترکہ تقسیم کرنا چاہیں تو حمل کے لئے بتقدیر ذکورۃ وانوثت جدا جدا دو حصے نکالیں، حمل کے سوا باقی ورثہ کو جس صورت میں کم ملے وہ ان کو دے دیں، مسئلہ حصے جو باقی بچے وہ حمل کے لئے امانت رکھیں، چونکہ ایک حمل سے زیادہ بچے ہونے کا بھی احتمال ہے اس لئے بہتر ہے کہ وارثوں سے ضامن لے لیا جائے، پیدائش کے بعد ترکہ کی امانت سے کچھ بچ جائے تو جنھیں ورثہ کو اس کی وجہ سے کم حصہ ملا تھا،

ان کا حصہ اس سے پورا کیا جائے گا۔

قال فی الھندیۃ عن الاختیار شرح المختار وان کان لا یعجبھم ولکن یشار کھم بان ترک بنین وبنات وحملا روی المتصاف رحمہ اللہ تعالیٰ عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وھو قولہ انہ یوقف نصیب ابن واحد وعلیہ الفتوی (عالمگیریہ ص ۴۵۶ ج ۶)

تخریج حصص کا طریقہ رسالہ "تسہیل المیراث" میں ہے، یہ رسالہ "احسن الفتاویٰ" کی اسی جلد کے آخر میں ہے۔ مرتب) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۰ صفر ۹۳ھ

پراویڈنٹ فنڈ میں وراثت جاری ہوگی:

سوال: پراویڈنٹ فنڈ میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پراویڈنٹ فنڈ دراصل تنخواہ ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے، لہٰذا اس میں بھی وراثت جاری ہوگی۔ پراویڈنٹ فنڈ کے احکام کی مکمل تفصیل رسالہ "پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا حکم" مندرجہ احسن الفتاوی ج ۷، باب الربا والقمار میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۹ جمادی الاولیٰ ۹۳ھ

پنشن کی رقم کا حکم:

ایک شخص نے وصیت لکھی یا حکومت کو لکھ کر دیا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی پنشن اس کی بیوی کو دی جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ ساری رقم بیوی کو ملے گی یا دوسرے ورثہ بھی اس میں شریک ہوں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پنشن تنخواہ کا جزء نہیں بلکہ حکومت کی طرف سے انعام وتبرع ہے، اس لئے اس میں یہ تفصیل ہے:

جو رقم اس شخص کی حیات میں اس کے قبضہ میں آگئی یا اس کے نام جمع کر دی گئی وہ اس کا مالک ہو گیا، لہٰذا اس میں وراثت جاری ہوگی اور سب ورثہ میں بقدر حصص تقسیم ہوگی، بیوی چونکہ وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں، اس لئے اس کے لئے کی گئی وصیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

جو رقم نہ اس کے قبضہ میں آئی نہ اس کے نام جمع ہوئی وہ اس کا مالک نہیں ہوا، لہٰذا اس میں وراثت

جاری نہیں ہوگی، بلکہ وہ حکومت کی صوابدید پر ہے جس کو چاہے دے، دوسرے ورثہ کا اس میں کوئی حق نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرائط صحۃ الوصیۃ: وکونہ غیر وارث وقت الموت۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وقت الموت) ای لا وقت الوصیۃ حتی لو اوصی لاخیہ وھو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ ولو اوصی لاخیہ ولہ ابن ثم مات الابن قبل موت الموصی بطلت الوصیۃ زیلعی۔

(رد المحتار ص۶۱۱ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ ۹ ذی الحجہ ۸۲ھ

بیوی کے نکاح ثانی سے اس کا حقِ وراثت ساقط نہیں ہوتا:

سوال: زید کا انتقال ہوگیا، اس کی زوجہ نے دوسرا نکاح بعد العدۃ کر لیا تو کیا عورت زید سے میراث پانے کی حقدار ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ عورت بھی زید کے دوسرے ورثہ کی طرح زید کی وارث ہوگی، دوسرے نکاح سے حق میراث ختم نہیں ہوتا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ رجب ۹۳ھ

زندگی میں بعض ورثہ کو حصہ وراثت دینا:

سوال: علم خان نے اپنی زندگی میں معتبر افراد قبیلہ کی موجودگی میں اپنے بیٹے محمد شریف کو اپنی زمین کا کچھ محدود حصہ دے دیا اور علم خان نے محمد شریف کو کہہ کر بھی دیا کہ یہ حصہ تمہارا ہے میں اس میں دخل اندازی نہیں کروں گا اور باقی حصہ میں تم مداخلت نہ کرنا، چند روز بعد علم خان کا انتقال ہوگیا اور اب محمد شریف باقی حصہ میں بھی مطالبہ کرتا ہے مگر اس کے دوسرے بھائیوں کا کہنا ہے کہ حصہ ہمارا ہے تمہیں اس میں سے کچھ نہ ملے گا، تمہارا حصہ وہی ہے جو کہ علم خان نے زندگی میں تمہیں دے دیا تھا، اب مندرجہ ذیل امور کا جواب مطلوب ہے:

① محمد شریف کے لئے باقی جائیداد میں کچھ حق ہے یا نہیں؟

② جو حصہ علم خان نے زندگی میں محمد شریف کو دے دیا تھا کیا محمد شریف اس کا مالک ہے

یا اسے تمام ورثہ میں تقسیم کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

① باقی جائیداد سے محمد شریف کو حصہ میراث پورا ملے گا۔

② علم خان نے اپنی زندگی میں محمد شریف کو جو حصہ دیا تھا اس کے بارے میں یہ تفصیل ہے:

اگر علم خان نے اپنی زندگی میں مرض الموت سے قبل محمد شریف کو اس زمین کا مالک بنا دیا ہو اور محمد شریف نے اس پر علم خان کی زندگی میں قبضہ بھی کر لیا ہو تو اس صورت میں علم خان کے انتقال کے بعد محمد شریف اس حصہ کا واحد مالک ہوگا، دوسرے بھائی اس میں شریک نہ ہوں گے۔

اگر محمد شریف نے علم خان کی زندگی میں اس پر قبضہ نہ کیا ہو تو یہ ہبہ صحیح نہیں ہوا، اگر علم خان نے مرض الموت میں ہبہ کیا ہو تو یہ بحکم وصیت ہے اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں، لہٰذا ان آخری دونوں صورتوں میں محمد شریف اکیلا مالک نہ ہوگا بلکہ تمام ورثہ شریک ہوں گے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وشرائط صحتہا فی الموہوب ان یکون مقبوضا غیر مشاع ممیزا غیر مشغول (رد المحتار ص۵۰۸ ج ۴)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ مریض مدیون الخ) (فروع) وہب فی مرضہ ولم یسلم حتی مات بطلت الہبۃ لانہ وان کان وصیۃ حتی اعتبر فیہ الثلث فہو ہبۃ حقیقۃ فیحتاج الی القبض (رد المحتار ص۵۱۶ ج ۴)

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرائط صحۃ الوصیۃ: وکونہ غیر وارث وقت الموت۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وقت الموت) ای لا وقت الوصیۃ حتی لو اوصی لاخیہ وھو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ ولو اوصی لاخیہ ولہ ابن ثم مات الابن قبل موت الموصی بطلت الوصیۃ، زیلعی۔

(رد المحتار ص۴۱۷ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ

لاوارث کی امانت کا حکم:

سوال: زید نے تین ہزار روپے بطور امانت بکر کے پاس رکھے، زید کا انتقال ہوگیا اس کا

کوئی شرعی وارث نہیں، اب اس رقم کو مسجد یا مدرسہ میں لگایا جائے یا کسی فقیر پر صدقہ کیا جائے شرعاً بہتر مصرف کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس رقم کا صحیح مصرف بیت المال ہے، اس زمانہ میں چونکہ بیت المال کا انتظام نہیں لہٰذا اس کا مصرف مساکین ہیں، مسجد یا مدرسہ میں لگانا جائز نہیں، مسکین کی ملک میں دینا لازم ہے، طلبہ و مجاہدین کو دینا زیادہ باعث اجر ہے۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: ثم المقر لہ بنسب لم یثبت ثم الموصی لہ بما زاد علی الثلث ثم فی بیت المال (رد المحتار ص ۵۳۲ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ ۸/ ذی القعدہ ۸۵ھ

اولاد کو محروم کرنا:

سوال: ایک شخص کے دو لڑکے اور ایک بیوی ہے، اس کی ملک میں کچھ جائیداد ہے، لڑکوں نے اپنے والد کو ناحق گھر سے نکال دیا ہے، والد اب یہ چاہتا ہے کہ اپنی جائیداد کو اس غرض سے فروخت کر دے کہ اپنے لڑکوں کو میراث سے کچھ نہ مل سکے، کیا اس کے لئے شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بے دین اولاد کو بقدر قوت سے زائد دینا خلاف اولیٰ ہے، لہٰذا اپنے مصارف کے لئے یا کسی کار خیر میں لگانے کی نیت سے جائیداد فروخت کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔

قال الامام طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ: ولو کان ولدہ فاسقاً فاراد ان یصرف مالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ لان فیہ اعانۃ علی المعصیۃ، ولو کان ولدہ فاسقاً لا یعطی لہ اکثر من قوتہ۔

(خلاصۃ الفتاوی ص ۴۰۰ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴/ ذی الحجۃ ۸۶ھ

نکاح فاسد و باطل میں وراثت:

سوال: زید نے ایک بیوہ عورت ہندہ سے اس کے ایام عدت میں نکاح کیا، اس نکاح

سے ایک لڑکی مریم پیدا ہوئی، کیا یہ نکاح جائز ہے؟ ہندہ اور مریم زید کے مال سے وراثت پائیں گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نکاح معتدۃ الغیر فاسد ہے اور نکاح فاسد میں بیوی وارث نہیں ہوتی۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویستحق الارث بوجود نکاح صحیح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعاً (رد المحتار ص ۵۳۱ ج ۵)

البتہ نکاح فاسد سے نسب ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا مریم وارث ہوگی۔

نکاح فاسد اور باطل میں فرق کی تفصیل رسالہ "القول الفاصل بین النکاح الفاسد والباطل" مندرجہ "احسن الفتاوی ص ۳۱ ج ۵" میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۴؍ ذی الحجہ ۹۱ھ

وقتِ نکاح سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہونے والی اولاد وارث نہیں:

سوال: عمرو نے ایک بیوہ عورت سے نکاح کیا، نکاح سے ایک ماہ بعد اس عورت کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی، پہلے شوہر کے انتقال کو تین سال گزر چکے ہیں، اب یہ لڑکی کس کی شمار ہوگی؟ بیوی اور بچی کو عمرو سے میراث ملے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

لڑکی وارث نہیں ہوگی، اس لئے کہ اقل مدتِ حمل چھ ماہ ہے اور اکثر مدت دو سال ہے لہٰذا یہ لڑکی نہ پہلے شخص کی ہے نہ دوسرے کی، البتہ عورت کو میراث ملے گی۔

قال فی الھندیۃ: الحمل یرث ویوقف نصیبہ باجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فان ولد الی سنتین حیا ورث وھذا اذا کان الحمل من المیت فاما اذا کان من غیر المیت کما اذا مات وامہ حامل من غیر ابیہ ومزوجہا حی فان جاءت بہ لاکثر من ستۃ اشھر لا یرث لاحتمال حدوثہ بعد الموت فلا یرث بالشک الا ان تقر الورثۃ بحملہا یوم الموت فان جاءت بہ لاقل من ستۃ اشھر فانہ یرث (عالمگیریہ ص ۴۵۶ ج ۶) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۶؍ ذی الحجہ سنہ ۹۱ھ

۲۰

عاق کرنے سے میراث سے محروم نہ ہوگا :

سوال : ایک شخص اپنے کسی بیٹے سے کہتا ہے کہ جا میں نے تجھے عاق کردیا، خصوصاً یہ رواج کراچی اور سرحد کے دیہاتی علاقوں میں ہے، پھر اس بیٹے کو وراثت سے کوئی حصہ نہیں دیتے۔ اگر والد اسی حالت میں مرجائے تو عاق بیٹا دوسرے بھائیوں سے حصہ میراث طلب کرتا ہے۔ بھائی کہتے ہیں کہ والد نے تجھے عاق کردیا تھا اس لئے ہمارے پاس تمہارا کوئی حصہ نہیں، کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے اور کیا وہ بیٹا میراث سے واقعۃً محروم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عاق دو معنی میں مستعمل ہے۔ ایک معنی شرعی دوسرے معنی عرفی، شرعی معنی تو یہ ہیں کہ اولاد والدین کی نافرمانی کرے، سو اس معنی کے تحقق میں والد کے عاق کرنے یا نہ کرنے کو کوئی دخل نہیں، جو بھی والدین کا نافرمان ہو وہ عند اللہ عاق ہوگا یعنی عاصی و مرتکب گناہ کبیرہ، حرمان میراث اس پر مرتب نہیں ہوتا۔

معنی عرفی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی اولاد کو نافرمانی کی وجہ سے محروم الارث کردے۔ شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس سے اولاد کا حق ارث باطل نہیں ہوسکتا، کیونکہ وراثت ملک اضطراری و حق شرعی ہے، اس کا ثبوت بلا قصد مورث و وارث ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

«يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ»

لام استحقاق کے لئے ہے، سو جب اللہ تعالیٰ نے حق وراثت مقرر فرمادیا تو اس کو کون باطل کرسکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خرید کر آزاد کرنے کا ارادہ فرمایا تو ان کے موالی نے شرط لگائی کہ ولاء ہماری رہے گی، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی شرط باطل ہے اور ولاء معتق کی ہے۔

ولاء حق ضعیف ہے، جیسا کہ حدیث الولاء لحمة كلحمة النسب میں کاف تشبیہ سے ظاہر ہے، جب حق ضعیف نفی کرنے سے منتفی نہیں ہوتا تو حق نسب جو اقوی ہے نفی کو کیسے قبول کرسکتا ہے؟

نیز فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے جو موانع ارث بیان فرمائے ہیں، ان میں عاق کرنے کا ذکر نہیں

البتہ اولاد میں سے کوئی واقعۃً بے دین اور والدین کا نافرمان ہو اور والدین اسے میراث سے محروم کرنا چاہتے ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ زندگی میں مرض الموت سے پہلے اپنی تمام جائیداد کسی کو ہبہ کرکے یا مصارف خیر میں وقف کرکے اپنی ملک سے خارج کردے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا انہا ارادت ان تشتری بریرۃ للعتق وانہم اشترطوا ولاءھا فذکرت ذلک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشتریھا واعتقیھا فان الولاء لمن اعتق (النسائی)

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ: وموانعہ الرق والقتل واختلاف الدارین حقیقۃ او حکما (رد المحتار ص ۶۸۸ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۳ محرم ۱۴۰۸ھ

ملازم کے انتقال کے بعد ملنے والی رقم:

سوال: زید سرکاری فوجی یا غیر فوجی ملازم ہے، جنگ میں یا ویسے دوران ملازمت وفات پا جاتا ہے تو زید کی جمع شدہ رقم یا فوری امداد یا بنام کفن دفن والد، والدہ یا بیوی، بیٹے کے نام حکومت کچھ رقم ارسال کرتی ہے، اس کے بعد زید کی بیوی، والد، ماں اور بیٹے کے نام مستقل امدادی فنڈ یا پنشن جاری کرتی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مجموعہ جمع شدہ رقم، فوری امدادی فنڈ، پنشن جس کے نام آئے اس میں سارے ورثہ بحیثیت میراث شریک ہیں یا صرف جس کے نام حکومت جاری کرے؟ یا جمع شدہ رقم اور فوری امداد میں سارے ورثہ مشترک ہیں اور امدادی فنڈ اور پنشن کا الگ حکم ہے کہ جس کے نام پر حکومت کی طرف سے جاری ہو جائے اسی کو ملے گی باقی ورثاء اس سے محروم ہیں؟ دلائل سے تشفی فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سوال میں تین قسم کی رقم تحریر ہے، تینوں کا حکم جدا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

① زید کی زندگی میں اس کی جمع شدہ رقم یا مرنے کے بعد وصول ہونے والی تنخواہ۔
یہ رقم زید کی ملک ہے اس لئے اس میں زید کے سب ورثہ بقدر حصص شریک ہیں۔

② بنام کفن دفن ملنے والی رقم۔ یہ رقم حکومت کی ملک ہے، کفن دفن کے مصارف وضع کرکے جو کچھ بچ جاتا ہے اس کا اصل حکم یہ ہے کہ حکومت کو واپس کر دیا جائے مگر عرفاً ایسی رقم واپس لینے کا دستور نہیں، بلکہ جو شخص کفن دفن کا متولی ہو اسی کو دی جاتی ہے۔ اگر سب وارث کفن دفن

میں شریک تھے تو جس کو حکومت نے دی ہے اسی کو ملے گی۔

(۳) انتقال کے بعد ملنے والی پنشن۔ یہ رقم زید کی ملک نہیں بلکہ حکومت کی جانب سے زید کے ورثہ پر تبرع ہے، لہٰذا اس میں حکومت مختار ہے جسے چاہے دے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۹؍ ربیع الاول ۸۸ھ

مفقود کی وراثت کا حکم:

سوال: ایک عورت کا انتقال ہوگیا اس کے ورثہ میں صرف اس کا ایک حقیقی چچا محمد اسمٰعیل رہ گیا ہے جو کہ عرصہ تیس سال سے لاپتہ ہے کچھ علم نہیں کہ وہ مرچکا ہے یا زندہ ہے، مرحومہ کی نہ اولاد ہے اور نہ والدین وغیرہ، البتہ ایک شخص جس کا نام اسمٰعیل محمد ہے جو مرحومہ کے دادا کے بھائی کا پوتا کہلاتا ہے، وہ زندہ ہے آیا اس کی میراث کا حقدار اس کا مفقود چچا ہی ہوگا یا اس کے دادا کے بھائی کا پوتا بھی؟

اور شریفیہ شرح سراجی کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟:

المفقود حی فی مالہ حتی لا یرث منہ احد ومیت فی مال غیرہ حتی لا یرث من احد لثبوت حیاتہ باستصحاب الحال وھو معتبر فی ابقاء ما کان علی ما کان دون اثبات ما لم یکن الخ (ص۱۵۱) بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جب مفقود کی عمر نوے برس ہو جائے تو اپنے مال میں مردہ سمجھا جائے گا اور اس کا مال اس وقت موجود وارثوں پر تقسیم ہوگا، نوے برس کی عمر ہونے سے پہلے اپنے مال میں زندہ ہے لہٰذا اس زمانہ میں کوئی شخص اس کے مال میں دخیل کار نہیں ہو سکتا اور غیر کے مال میں جب سے مفقود ہوا اس وقت سے مردہ متصور ہوگا یعنی اگر کوئی شخص اس کے مفقود ہونے کے بعد مرگیا تو یہ مفقود اس کا وارث نہ ہوگا اگرچہ مفقود کی عمر ابھی تک نوے برس نہ ہوئی ہو مگر چونکہ غیر کے مال میں بھی مردہ ہونے کا حکم نوے برس کی عمر کے بعد ہی ظاہر ہوتا ہے، اس سے پہلے اس کے واپس آکر وارث بن جانے کا احتمال ہے اس لئے اس میت کے مال سے مفقود کا حصہ امانت رکھا جائے گا، اگر واپس آگیا تو اس کو مل جائے گا ورنہ نوے برس عمر ہو جانے کے بعد جس میت کے مال سے امانت رکھا تھا اسی کے وارثوں پر لوٹا یا جائے گا جو میت کے انتقال کے وقت زندہ تھے موجودہ وارثوں کا اعتبار نہیں اور نہ ہی مفقود کے وارثوں کا اس میں کوئی حق

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ: ھو (ای المفقود) غائب لم یدر احی ھو فیتوقع امرمیت اودع اللحد البلقع وھو فی حق نفسہ حی فلا ینکح عرسہ غیرہ ولا یقسم مالہ (الی قولہ) ومیت فی حق غیرہ فلا یرث من غیرہ ولا یستحق ما اوصی لہ اذا مات الموصی بل یوقف قسطہ الی موت اقرانہ فی بلدہ علی المذھب فان ظھر قبلہ حیا فلہ ذلک وبعدہ یحکم بموتہ فی حق مالہ یوم علم ذلک فتعتد عرسہ للموت ویقسم مالہ بین من یرثہ الآن وفی مال غیرہ من حین فقدہ فیرد الموقوف لہ الی من یرث مورثہ عند موتہ.

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وھو فی حق نفسہ حی) مقابلہ قولہ الآتی ومیت فی حق غیرہ وحاصلہ انہ یعتبر حیا فی حق الاحکام التی تضرہ وھی المتوقفۃ علی ثبوت موتہ ویعتبر میتا فیما ینفعہ ویضر غیرہ وھو ما یتوقف علی حیاتہ لان الاصل انہ حی وانہ الی الآن کذلک استصحابا بالحال السابق والاستصحاب حجۃ ضعیفۃ تصلح للدفع لا للاثبات ای تصلح لدفع ما لم یکن ثابت لا لاثباتہ (ردالمحتار ص۳۳۲ ج ۳)

وقال ایضا: (قولہ علی المذھب) وقیل یقدر بتسعین سنۃ بتقدیم التاء من حین ولادتہ واختارہ فی الکنز وھو الارفق ھدایۃ وعلیہ الفتوی (ردالمحتار ص۳۳۲ ج ۳)

حصص کی تخریج کا طریقہ رسالہ "تسہیل المیراث" میں ہے۔ (یہ رسالہ "احسن الفتاوی" کی اسی جلد کے آخر میں ہے، مرتب) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳؍ صفر ۹۹ھ

وراثت میں مال حرام ملنے کا حکم:

سوال: زید نے کسب حرام سے کچھ مال حرام حاصل کیا تھا، اس کے انتقال کے بعد اس کے ورثہ کے لئے وہ مال حلال ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جس طرح زید کے لئے یہ مال حرام تھا اسی طرح اس کے ورثہ کے لئے بھی حرام ہوگا، اگر اس مال کا مالک معلوم ہے تو اس پر رد واجب ہے، ورنہ تصدق علی الفقراء واجب ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: والحاصل انہ ان علم ارباب الاموال وجب ردہ علیہم والا فان علم عین الحرام لا یحل لہ ویتصدق بہ بنیۃ صاحبہ وان کان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام ولا یعلم اربابہ ولا شیئا منہ بعینہ حل لہ حکما، والاحسن دیانۃ التنزہ عنہ (وبعد اسطر) قلت وفی المجتبیٰ مات وکسبہ حرام فالمیراث حلال، ثم رمز وقال لا ناخذ بہذہ الروایۃ وہو حرام مطلقا علی الورثۃ فتنبہ اھ ح. ومفادہ الحرمۃ وان لم یعلم اربابہ وینبغی تقییدہ بما اذا کان عین الحرام لیوافق ما نقلناہ اذ لو اختلط بحیث لا یتمیز یملکہ ملکا خبیثا لکن لا یحل لہ التصرف فیہ ما لم یؤد بدلہ کما حققناہ قبیل باب زکوۃ المال فتأمل.

(رد المحتار ص۱۳۰ ج۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم.

۱۰ ربیع الاول ۹۹ھ

زندگی میں وراثت کی تقسیم:

سوال: زید نے اپنی زندگی میں تمام مال وجائیداد اپنی اولاد میں شرعی حصص کے مطابق تقسیم کردی تو زید کی زوجہ کے لئے کیا حکم ہے، یہ کون سے مکان میں سکونت اختیار کرے گی جبکہ مکان اولاد کے حصہ میں آجائے گا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بیوی کو کچھ نہیں دیا تو گنہگار ہوگا، نیز زندگی میں وراثت کی تقسیم نہیں ہوتی بلکہ یہ ہبہ ہے اور اولاد کو کم وبیش ہبہ کرنے میں تفصیل ذیل ہے:

① اگر دوسروں کا اضرار مقصود ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔

② اگر اضرار مقصود نہ ہو اور کوئی وجہ ترجیح بھی نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، ذکور واناث میں تسویہ مستحب ہے۔

③ دینداری، خدمت گزاری، خدمات دینیہ کا شغل یا احتیاج وغیرہ وجوہ کی بناء پر تفاضل مستحب ہے۔

④ بے دین اولاد کو بقدر قوت سے زیادہ نہیں دینا چاہئے، ان کو محروم کرنا اور زائد مال امور دینیہ میں صرف کرنا مستحب ہے۔

اگر مکان متعدد ورثہ کو مشترک طور پر ہبہ کیا ہے اور یہ مکان قابل تقسیم ہے یا اس کا

قبضہ اولاد کو نہیں دیا تو یہ ہبہ صحیح نہیں ہوا، ہاں اگر مکان قابل تقسیم نہیں اور قبضہ بھی دے دیا یعنی ان کے تصرف و اختیار میں دے دیا تو ہبہ صحیح ہوگیا، اگر وہ اپنی رضا سے اس کی بیوی کو اس مکان میں رہنے دیں تو کوئی مضایقہ نہیں۔

قال الامام طاھر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ تعالی: وفی الفتاوی رجل لہ ابن وبنت اراد ان یھب لھما شیئا فالافضل ان یجعل للذکر مثل حظ الانثیین عند محمد رحمہ اللہ تعالی وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی بینھما سواء ھو المختار لورود الآثار، ولو وھب جمیع مالہ لابنہ جاز فی القضاء وھو آثم نص عن محمد رحمہ اللہ تعالی ھکذا فی العیون، ولو اعطی بعض ولدہ شیئا دون البعض لزیادۃ رشدہ لا بأس بہ وان کانا سواء لا ینبغی ان یفضل، ولو کان ولدہ فاسقا فاراد ان یصرف مالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ لان فیہ اعانۃ علی المعصیۃ، ولو کان ولدہ فاسقا لا یعطی لہ اکثر من قوتہ (خلاصۃ الفتاوی ص ۴ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۶ رجمادی الاولی سنہ ۹۹ھ

بعض ورثہ کا میت پر کسی کے دین کا اقرار:

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کے والدین کا کہنا ہے کہ اس پر قرض بھی ہے، لہذا پہلے وہ ادا کیا جائے پھر میراث تقسیم ہو حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے، ایسی حالت میں کیا صورت اختیار کی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

جس قرض پر دو معتبر گواہ ہوں وہ بہر صورت ادا کیا جائے گا اور جس پر گواہ نہ ہوں وہ صرف ان وارثوں کے حصہ سے دیا جائے گا جو اس کا اقرار کرتے ہیں، جو اقرار نہیں کرتے ان کے حصہ پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑے گا، قرض میں بیوہ کا مہر بھی شمار کیا جائے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۸ رجمادی الثانیہ سنہ ۹۹ھ

مسلمان اور ذکری کے مابین وراثت جاری نہیں ہوتی:

سوال: ایک شخص مسمی عثمان جس کا تعلق ذکری مذہب سے ہے، اس کا ایک بھائی محمد یوسف وہ بھی پہلے ذکری تھا، اب اس نے ذکری مذہب سے توبہ کرلی ہے، اس کے بھائی عثمان کا انتقال ہوگیا

اس کے باقی سب ورثہ ذکری ہیں، صرف ایک بھائی مسلمان ہے، کیا محمد موسیٰ کو اپنے بھائی سے میراث مل سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ذکری غیر مسلم اور زندیق ہیں اور مسلم وکافر میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوسکتا، لہٰذا محمد موسیٰ کو وراثت نہیں ملے گی۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وموانعہ الرق والقتل واختلاف الدین اسلاما وکفرا (ردالمحتار ص۷۶۶ ج۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۹ رجب سنہ ۹۹ھ

تقسیم ترکہ سے پہلے صدقہ وخیرات کرنا:

سوال: میرے ایک دوست کا انتقال ہوگیا، انہوں نے ایک بیوہ اور کچھ سامان چھوڑا ہے، معمولی کپڑوں کو ان کی بیوہ نے خیرات کر دیا ہے، کچھ قیمتی استعمال کے کپڑے رہ گئے ہیں، ان کی بیوہ یہ دریافت کرنا چاہتی ہے کہ ان کو بھی خیرات کر دیا جائے یا ان کے دوست، قریبی عزیز ان کپڑوں کو استعمال میں لائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تقسیم ترکہ سے قبل میت کی کسی چیز کا خیرات کرنا جائز نہیں، ترکہ کی ہر چیز میں ہر وارث کا حق ہے، تقسیم کے بعد جو وارث جتنا چاہے خیرات کرے، البتہ اگر میت کے ورثہ میں بیوہ کے سوا کوئی قریب یا بعید وارث نہیں تو بیوی کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۹ شوال سنہ ۹۹ھ

کلالہ پر ایک اشکال کا جواب:

سوال: ولد الام کے استحقاق کی شرط یہ ہے کہ میت کلالہ ہو، جب ام یا بنت موجود ہو تو میت کلالہ نہیں، اب سوال یہ ہے کہ بنت کے ساتھ تو ولد الام محروم ہے لیکن ام کے ساتھ ولد الام وارث ہے، یہ معلوم نہیں کیوں اور کیسے ہوا؟ اس سے معلوم ہوا کہ ماں کی موجودگی میں میت کلالہ نہیں (بیان القرآن، تنویر البیان سندھی، تفسیرات احمدیہ، روح البیان وغیرہ) بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کلالہ کی ماثور ومشہور تفسیر ہے: من لا ولد لہ ولا والد وھو ماثور عن ابی بکر وعمر

وابن عباس وعلی وابن مسعود وزید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم وبہ یقول الشعبی والنخعی والحسن وقتادہ وجابر بن زید والحکم وبہ یقول اہل المدینۃ واہل الکوفۃ والبصرۃ وھو قول الفقہاء السبعۃ والائمۃ الاربعۃ وجمہور السلف والخلف بل جمیعہم وقد حکی الاجماع علیہ غیر واحد وورد فیہ حدیث مرفوع (تفسیر ابن کثیر ص۴۳۲ ج۱)

اس تفسیر میں لفظ والد کا مفہوم متبادر صرف والد ہے، والدہ کو شامل نہیں۔

(۲) اس آیت میں عدم ام کی صورت کا حکم مذکور ہے اور مفہوم مخالف حجت نہیں اس لئے وجود ام کی صورت سے آیت ساکت ہے جس کا حکم اجماع سے ثابت ہے۔

(۳) جن کے ہاں مفہوم مخالف حجت ہے وہ بھی یہاں مفہوم مخالف کے خلاف انعقاد اجماع کی وجہ سے مفہوم کے قائل نہیں۔

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا یضر عند من لم یقل بالمفہوم جریانہ فی صورۃ الام والجدۃ مع ان قرابتہم لیست بطریق الکلالۃ وکذا لا یضر عند القائل بہ ایضا للاجماع علی ذلک (روح المعانی ص۲۱۲ ج۴)

اسی طرح سورۂ نساء کے آخر میں اخوات عینیہ وعلّاتیہ کی توریث میں قید عدم الولد میں اشکال ہوتا ہے کہ ولد بنت کو بھی شامل ہے حالانکہ بنت سے اخوات محروم نہیں ہوتیں بلکہ عصبہ ہوجاتی ہیں، اس کے جوابات یہ ہیں:

(۱) یہ قید علی ما نصف وثلثین کے لئے ہے، وجود بنت کی صورت میں نصف وثلثان کا حکم نہیں بلکہ اخوات عصبہ مع الغیر ہوتی ہیں۔

(۲) یہاں ولد سے ابن مراد ہے بقرینۃ ما بعدہ وھو قولہ تعالیٰ: وھو یرثہا ان لم یکن لہا ولد۔

فان البنت لا تحجب الاخ۔ اس تقیید پر حدیث اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ بھی شاہد ہے، یہ حدیث مشہور ہے اس لئے اس سے تقیید قرآن صحیح ہے اور اگر اس کا خبر واحد ہونا تسلیم کرلیا تو بھی اس کے مطابق انعقاد اجماع کی وجہ سے اس سے تقیید قرآن صحیح ہے، یہ تقیید مفہوم کلالہ کے خلاف نہیں بلکہ موافق ہے اس لئے کہ کلالہ کی تفسیر مذکور میں اصول کی طرف ذکور مراد ہونے کا تبادر قرینہ ہے کہ فروع کی طرف بھی ولد ذکر مراد ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غرہ رجب ۱۴۰۱ھ

وصی یا وارث کفن دفن کے مصارف ترکہ سے لے سکتا ہے:

سوال: بکر کا انتقال ہوا، اس نے ایک بیوی، دو لڑکے اور ایک لڑکی وارث چھوڑے، بکر کے کفن دفن کا انتظام اسی لڑکی نے اپنے پاس سے کیا، نیت یہ تھی کہ ترکہ سے وصول کرلے گی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکی کفن دفن کے مصارف ترکہ سے لے سکتی ہے یا نہیں؟ خرچ کرتے وقت کسی کو گواہ بنانا ضروری ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر وصی کفن دفن پر خرچ کرے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

وصی یا وارث اگر کفن دفن اپنے مال سے کرے تو ترکہ سے وصول کرسکتا ہے، خواہ نیت رجوع پر کسی کو گواہ بنائے یا نہ بنائے۔ لڑکی چونکہ وارث ہے، اس لئے وہ ترکۂ میت سے مصارف کفن دفن لے سکتی ہے۔ رجوع علی الترکہ کے لئے نیت رجوع پر اشہاد ضروری نہیں۔

مگر رجوع کا حق صرف اتنی مقدار میں ہے جو سنت کے مطابق ہو اور اس سے زیادہ قیمتی نہ ہو جتنا میت کا زندگی میں عید وغیرہ کے موقع پر لباس پہننے کا معمول تھا۔ اگر کفن میں مقدار سنت سے زائد یا میت کے مواقع مخصوصہ پر معمول کے لباس سے زیادہ قیمتی کپڑا خرچ کیا تو زائد میں ترکہ سے رجوع نہیں کرسکتا۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: او قضى (اى الوصى) دين الميت الثابت شرعا او كفنه او ادى خراج اليتيم او عشره من مال نفسه او اشترى الوارث الكبير طعاما او كسوة للصغير او كفن الوارث الميت او قضى دينه من مال نفسه فانه يرجع ولا يكون متطوعا.

وقال العلامة الطحطاوى رحمه الله تعالى: قوله او كفنه اطلقه (اى لم يقيده بالاشهاد) هنا وفيما ياتى وجعل الوارث والوصى سواء فى الرجوع بما انفقه فى الكفن ولا بد من كون ذلك من غير اسراف بحسب ما ذكره الائمة من كفن السنة ومراعاة حال الرجل بما يلبسه فى الاعياد ومجامع الناس وتلبسه المرأة للزيارة انتهى شرنبلالية (حاشية الطحطاوى على الدر ص ۳۴۳ ج ۴)

والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۱۲ محرم سنہ ۹۱ھ

زوجہ کی تجہیز و تکفین کے مصارف زوج پر ہیں :

سوال : ایک شخص کی بیوی کا انتقال ہوگیا، تجہیز و تکفین کے مصارف اس نے اپنی جیب سے کئے، دریافت طلب یہ ہے کہ زوج تجہیز و تکفین کے مصارف ترکہ سے وصول کر سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اصح قول کے مطابق زوجہ اگرچہ غنیہ ہو اس کا نفقہ زوج پر واجب ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ نفقہ جس کے ذمہ ہوتا ہے، تجہیز و تکفین بھی اسی کے ذمہ ہوتی ہے، اس لئے زوج نے تجہیز و تکفین کے مصارف اپنے مال سے کئے تو اسے ترکہ سے وصول کرنے کا حق نہیں ۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ او کفن الوارث المیت :

(تنبیہ) لو مات ولا شیء لہ ووجب کفنہ علی ورثتہ فکفنہ الحاضر من مال نفسہ لیرجع علی الغائب منہم بحصتہ لیس لہ الرجوع لو انفق بلا اذن القاضی حاوی الزاہدی قال الرملی فی حاشیۃ الفصولین یستفاد منہ انہ لو لم یجب علیہم کتکفین الزوجۃ اذا صرفہ من مالہ غیر الزوج بلا اذنہ او اذن القاضی فہو متبرع کالاجنبی فیستثنی تکفینہا بلا اذن مطلقا بناء علی المفتی بہ من انہ علی زوجہا ولو غنیۃ (رد المحتار ص۶۵۸ ج ۵)

وقال ایضا فی کتاب الفرائض : (قولہ یبدأ من ترکۃ المیت) (الی قولہ) تجہیزہ وکذا تجہیز من تلزمہ نفقتہ کولد مات قبلہ ولو بلحظۃ وکزوجتہ ولو غنیۃ علی المعتمد در منتقی (رد المحتار ص۴۸۳ ج ۵)

قلت المراد بالولد الفقیر الذی تحل لہ الصدقۃ کما صرح الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ان نفقۃ الصغیر الغنی فی مالہ ۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ وتجب نفقتہ لطفلہ الفقیر :

(قولہ الفقیر) ای ان لم یبلغ حد الکسب فان بلغہ کان للاب ان یؤجرہ او یدفعہ فی حرفۃ لیکتسب وینفق علیہ من کسبہ لو کان ذکرا بخلاف الانثی کما قدمہ فی الحضانۃ عن المؤیدیۃ قال الخیر الرملی لو استغنت الانثی بنحو خیاطۃ وغزل یجب ان تکون نفقتہا فی کسبہا کما ہو ظاہر ۔ (رد المحتار ص۶۷۲ ج ۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔ ۱۳ محرم [illegible]

اجنبی نے کسی کے کفن دفن کا انتظام کیا تو ترکہ سے نہیں لے سکتا :

سوال : ایک شخص کا سفر میں انتقال ہوا، ورثہ میں سے کوئی ساتھ موجود نہ تھا، ایک اجنبی شخص نے اس کے کفن دفن کا انتظام اپنے مال سے کیا۔ بعد میں ورثہ کا علم ہوا، تو اب سوال یہ ہے کہ وہ اجنبی شخص میت کے ترکہ سے کفن دفن کے مصارف لے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اجنبی نے کفن دفن میں جو کچھ صرف کیا وہ اس کی طرف سے تبرع سمجھا جائے گا، اسے ترکہ سے وصول کرنے کا حق نہیں۔

البتہ اگر میت کا مال موجود ہو اور کوئی وارث یا وصی نہ ہو تو اجنبی میت کے مال سے کفن دفن کا انتظام کر سکتا ہے۔

قال العلامۃ ابن البزاز الکردری رحمہ اللہ تعالیٰ : الوصی او الوارث اذا اشتری للمیت کفنا لھما الرجوع فی مال المیت والاجنبی اذا اشتری لم یرجع۔

(البزازیۃ بہامش الھندیۃ ص۳۷۲ ج ۶)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ وتجھیزہ : قال فی التبیین لان فی التاخیر فساد المیت ولھذا یملکہ الجیران ایضا فی الحضر والرفقۃ فی السفر اھ ط (ردالمحتار ص۳۶۳ ج ۵)

وقال العلامۃ الشلبی رحمہ اللہ تعالیٰ : (قولہ فقال فی غیر التجھیز و شراء الکفن) قال الاتقانی ومثل شراء الکفن لانہ ضروری لا یبتنی علی الولایۃ الا تری ان الام تملکہ ولھذا لو مات رجل فی محلۃ قوم وھم مال فکفنوہ ودفنوہ من مالہ جاز وان لم یکن لہ ولایۃ اھ (حاشیۃ الشلبی بہامش التبیین ص $\frac{۲۰۹}{۶}$)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳ محرم سنہ ۱۳۹۱ھ

وصی یا وارث نے اپنے مال سے قرض ادا کیا تو ترکہ سے وصول کر سکتا ہے :

سوال : ایک شخص مقروض ہونے کی حالت میں انتقال کر گیا، اس کا قرض اس کے وصی یا کسی ایک وارث نے اپنے مال سے ادا کر دیا تو اسے ترکہ سے وصول کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

والد کا صغیر کی اشیاء منقولہ کو خریدنا یا فروخت کرنا:

سوال: ایک بچے کو والدہ کی میراث میں کچھ فرنیچر اور بستر وغیرہ ملے۔ والد کے لیے اس فرنیچر وغیرہ کا خریدنا یا کسی اجنبی کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

صغیر کی اشیاء منقولہ کی خرید و فروخت قیمت مثل اور غبن یسیر سے جائز ہے، بشرطیکہ والد کی صلاحیت عام معروف ہو یا مستور الحال ہو، اگر والد میں فساد ظاہر ہو تو دگنی قیمت سے جائز ہے، اس سے کم میں جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وبیع الاب مال صغیر من نفسہ جائز بمثل القیمۃ وبما یتغابن فیہ وھو الیسیر والا لا وھذا کلہ فی المنقول۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وبیع الاب الخ) مثلہ اذا باعہ من اجنبی فثلاث صور فی حکم واحد وھی بیع الاب من نفسہ او من اجنبی وبیع الوصی من اجنبی ط قلت وھذا لو الاب عدلا او مستورا فلو فاسقا ففی بیعہ المنقول روایتان کما سیأتی والشراء کالبیع وقال فی جامع الفصولین للاب شراء مال طفلہ لنفسہ بیسیر الغبن لا بفاحشہ اھ

(رد المحتار ص ۴۵۳ ج ۵)

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولو الابائع ابا فان محمودا عند الناس او مستور الحال یجوز ابن کمال۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ یجوز: ویجوز بیع منقولہ فی روایۃ فیوضع ثمنہ فی ید عدل وفی روایۃ لا الا بضعف قیمتہ وبہ یفتی (رد المحتار ص ۶۲۷ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۵ محرم سنہ ۱۴۱۹ھ

وصی کا یتیم کی اشیاء منقولہ کو خریدنا یا فروخت کرنا:

سوال: زید کچھ یتامیٰ کا وصی ہے، یتامیٰ کو وراثت میں کچھ ایسی اشیاء بھی ملی ہیں جن کے یتامیٰ کے بلوغ تک ضائع ہو جانے اور ٹوٹ پھوٹ جانے کا اندیشہ ہے، جیسے چینی یا

ماربل وغیرہ کے برتن، زید کا ان برتنوں کو خود خریدنا یا کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنا اور قیمت یتامی کے مصارف میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر زید کو قاضی نے وصی مقرر کیا ہے تو وہ یتامی کے مال کو خود نہیں خرید سکتا، کسی دوسرے کو منفعت ظاہرہ کے ساتھ فروخت کر سکتا ہے۔

اگر زید صغیر کے والد یا دادا کی جانب سے وصی ہے تو یتیم کی اشیاء منفعت ظاہرہ کے ساتھ خود بھی خرید سکتا ہے۔

وصی کے یتیم کو کوئی چیز فروخت کرنے کا بھی یہی حکم ہے کہ بشرط منفعت ظاہرہ فروخت کر سکتا ہے۔

اجنبی کے ہاتھ بشرائط ذیل فروخت کرنا جائز ہے:

① اس کی شہادت وصی کے حق میں قبول کی جاتی ہو، یعنی اس کے ساتھ وصی کا اصل و فرع یا زوجیت کا تعلق نہ ہو۔

② میت کا وارث نہ ہو۔

③ غبن فاحش نہ ہو۔

قال الامام الزیلعی رحمه الله تعالی: وهذا اذا باع الوصی للصغیر مع الاجنبی واما اذا اشتری شیئا من مال الیتیم لنفسه او باع شیئا منه من نفسه جاز عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی واحدی الروایتین عن ابی یوسف رحمه الله تعالی اذا کان للیتیم فیه منفعة ظاهرة وتفسیره ان یبیع ما یساوی خمسة عشرة بعشرة من الصغیر او یشتری ما یساوی خمسة عشرة بعشرة للصغیر من نفسه واما اذا لم یکن فیه منفعة ظاهرة للیتیم فلا یجوز، وعلی قول محمد رحمه الله تعالی واظهر الروایات عن ابی یوسف رحمه الله تعالی انه لا یجوز علی کل حال، هذا فی وصی الاب واما وصی القاضی فلا یجوز بیعه من نفسه بکل حال لانه وکیله (تبیین الحقائق ص۲۱۳ ج۶)

وقال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالی: وصح بیعه وشراؤه من اجنبی بما یتغابن الناس لا بما لا یتغابن وهو الفاحش لان ولایته نظریة فلو باع به کان فاسدا حتی یملکه المشتری بالقبض قهستانی وهذا اذا باع الوصی للصغیر مع الاجنبی و

ان باع الوصی او اشتری مال الیتیم من نفسه فان کان وصی القاضی لا یجوز ذلک مطلقا لانه وکیله وان کان وصی الاب جاز بشرط منفعة ظاهرة للصغیر وهی قدر النصف زیادة او نقصا وقالا لا یجوز مطلقا.

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله وصح بیعه وشراؤه) اطلقهما فشمل النقد والنسیئة الی اجل متعارف لکن من ملیء فلو مفلس، فسیأتی فی الفروع آخر الوصایا قال فی الخانیة واذا باع شیئا من ترکة المیت بنسیئة فان کان یتضرر به الیتیم بأن کان الاجل فاحشا لا یجوز اه رملی (قوله من اجنبی) ای من المیت وعن الموصی فلو باع من نفسه فسیأتی او باع ممن لا تقبل شهادته له او من وارث المیت لا یجوز.

وقال ایضا: (قوله وان باع الوصی) ای ماله من الیتیم (قوله من نفسه) متعلق باشتری والضمیر للوصی (قوله لانه وکیله) ای القاضی وفعل الوکیل کفعل الموکل وفعل الموکل قضاء وهو لا یقضی لنفسه ط (قوله وهی قدر النصف زیادة او نقصا) الزیادة راجعة الی الشراء والنقص الی البیع قال الزیلعی رحمه الله تعالی تفسیر المنفعة الظاهرة ان یبیع ما یساوی خمسة عشر بعشرة من الصغیر او یشتری ما یساوی عشرة بخمسة عشر لنفسه من مال الیتیم اه قال فی ادب الاوصیاء وفی المنتقی وبه یفتی وفی الخانیة وبهذا فسر الخیریة الامام السرخسی فی غیر العقار وهی فی العقار عند البعض ان یشتری بضعف القیمة ویبیع بنصفها وفی الحاکمیة ویجوز بیع الوصی من نفسه وشراؤه ان کان فیهما نفع ظاهر کبیع ما یساوی تسعة بعشرة وشراء عشرة بتسعة، قلت واما فی العقار فلا شک ان الخیریة فی الشراء التضعیف وفی البیع التنصیف لانه لا یقدر علی بیعها من غیره الا بالضعف کما مر فکیف یسوغ له الشراء لنفسه بالاقل واری زیادة الاثنین فی العشرة ونقصها منها فیما عدا العقار کان فی الخیریة لانه الغبن الفاحش الذی لا یتحمله الناس اه

(رد المحتار ص ۷۰۵ ج ۵)

واللّٰه سبحانه وتعالی اعلم۔ ۱۲/ محرم ۱۳۹۹ھ

وصی یا والد کا صغیر کی زمین خریدنا یا فروخت کرنا :

سوال : خالد نے وفات سے کچھ عرصہ قبل قاسم کو اپنی جائیداد اور بچوں کی دیکھ بھال کیلئے وصی مقرر کیا۔ خالد کی جائیداد میں کچھ زمین بھی ہے، خالد کے بیٹوں میں سے بعض بالغ ہیں اور بعض نابالغ۔ پوچھنا یہ ہے کہ قاسم کے لئے اس زمین کا کچھ حصہ خود خریدنا یا کسی دوسرے کو فروخت کرنا اور اس سے حاصل شدہ رقم نابالغ بیٹوں کے مصارف میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

والد کے لئے صغیر کی زمین کی خرید و فروخت جائز ہے بشرطیکہ والد کی صلاحیت عام معروف ہو یا مستور الحال ہو، اگر والد میں فساد ظاہر ہو تو دگنی قیمت سے خرید و فروخت جائز ہے، اس سے کم میں جائز نہیں۔

وصی الاب والجد کے لئے مندرجہ ذیل صورتوں میں خریدنا یا فروخت کرنا جائز ہے:

① دگنی قیمت سے کم میں نہ ہو۔

② نفقۂ صغیر کا اور کوئی انتظام نہ ہو۔

③ میت کا دین ادا کرنے کے لئے۔

④ زمین کی پیداوار نفقۂ صغیر سے کم ہو۔

⑤ سیلاب وغیرہ کی وجہ سے زمین کے تباہ ہونے یا اس میں نقصان واقع ہونے کا اندیشہ ہو۔

⑥ زمین کسی جابر کے قبضہ میں ہو اور وصی کو خوف ہو کہ اگر میں اس سے حاصل کر بھی لوں تو یہ قدیم قبضہ کو دلیل بنا کر دوبارہ چھین لے گا۔

⑦ میت نے وصیت مرسلہ کی ہو یعنی ثلث، ربع وغیرہ کسی نسبت معینہ کی رعایت نہ کی ہو، مثلاً یوں کہا ہو کہ میرے مال میں سے ایک ہزار روپے فلاں کو دے دینا۔ اگر ایک ہزار روپے کل ترکہ کا ثلث یا اس سے کم ہیں تو یہ وصیت پورے ہزار روپے میں نافذ ہوگی اور اگر ہزار روپے کل ترکہ کے ثلث سے زائد ہیں تو بمقدار ثلث تک نافذ ہوگی۔

مندرجہ بالا تمام صورتوں میں جواز بیع کے لئے دو شرطیں ہیں:

① ترکۂ میت میں منقولات میں سے اتنی مقدار نہ ہو جس سے صورۂ بالا میں ضرورت پوری کی جاسکتی ہو۔

② بیع صرف بقدر ضرورت قطعۂ ارض کی ہو، مقدار ضرورت سے زائد کا بیچنا جائز نہیں۔

قال الامام الزیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ: وقال المتأخرون من اصحابنا لا یجوز للوصی بیع عقار الصغیر الا ان یکون علی المیت دین او یرغب المشتری فیہ بضعف الثمن او یکون للصغیر حاجۃ الی الثمن، قال الصدر الشہید رحمہ اللہ تعالیٰ وبہ یفتی (تبیین الحقائق ص۲۱۹ ج۶)

وقال العلامۃ الشلبی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ او یرغب المشتری فیہ بضعف الثمن) المراد بالثمن القیمۃ اھ (قولہ او یکون للصغیر حاجۃ الی الثمن) ہذا حکم الوصی واما الاب اذا باع عقار الصغیر بمثل القیمۃ فان کان الاب محمودا عند الناس او مستورا یجوز حتی لو بلغ الابن لم ینقض البیع وان کان الاب فاسقا لا یجوز البیع حتی لو بلغ الابن لہ نقض البیع وہو المختار اھ کافی۔
(حاشیۃ الشلبی بہامش التبیین ص۲۱۹ ج۶)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وجاز بیعہ (ای الوصی) عقار صغیر من اجنبی لا من نفسہ بضعف قیمتہ او لنفقۃ الصغیر او دین المیت او وصیۃ مرسلۃ لا نفاذ لہا الا منہ او تکون غلاتہ لا تزید علی مؤنتہ او خوف خرابہ او نقصانہ او کونہ فی ید متغلب، درر واشباہ ملخصا۔ قلت وہذا لو البائع وصیا لا من قبل ام او اخ فانہما لا یملکان بیع العقار مطلقا ولا الشراء غیر طعام وکسوۃ ولو البائع ابا فان محمودا عند الناس او مستور الحال یجوز ابن کمال۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وجاز بیعہ عقار صغیر) اعلم ان السلف اطلق جواز بیعہ العقار، وقیدہ المتاخرون بالشروط المذکورۃ کما فی الخانیۃ وغیرہا، قال الزیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ قال الصدر الشہید رحمہ اللہ تعالیٰ وبہ یفتی ای بقول المتاخرین وما فی الاشباہ من انہ لا یجوز عند المتقدمین سبق قلم، فتنبہ (قولہ لا من نفسہ) قال ابن الکمال وقولہم اجنبی یؤذن ان بیعہ من نفسہ لا یجوز لان العقار من انفس الاموال فاذا باعہ من نفسہ فالتہمۃ ظاہرۃ اھ وفیہ انہ اذا کان بضعف القیمۃ لا یتاتی معہ التہمۃ فلعل القید اتفاقی یؤیدہ ما فی الہندیۃ لو اشتری الوصی عقار الیتیم لنفسہ جاز لو خیرا بان یأخذہ بضعف القیمۃ عند البعض اھ افادہ السائحانی وقدمنا

مثله عن ادب الاوصیاء وقوله عند البعض قید لقوله بأن یأخذه الا لاحراز کما یعلم مما قدمناه (قوله او لنفقته) ای وان کان بمثل القیمة او بغبن یسیر ط اقول وکذا یقال فیما بعده فیما یظهر بدلیل جعله مقابلا للاول. (قوله او دین المیت) ای دین علی المیت لا وفاء له الا ببیعه خانیه لکن یبیع بقدر الدین فقط علی المفتی به کما قدمناه وکذا فی الوصیة (قوله مرسلة) تقدم تفسیرها بالتی لم تقید بکسر کثلث او ربع مثلا وذلک کما اذا اوصی بمائة مثلا (قوله او خوف خرابه) تقدم فی عقار الکبیر الغائب ان الاصح انه لا یبیعه لذلک والظاهر انه لا یجری التصحیح هنا لان المنظور الیه هنا منفعة الصغیر ولذا جاز هنا فی بعض هذه الصور مالا یجوز فی عقار الکبیر تأمل (قوله او کونه فی ید متغلب) کأن استرده منه الوصی ولا بینة له وخاف ان یأخذه المتغلب منه بعد ذلک تمسکا بما کان له من الید فللوصی بیعه وان لم یکن للیتیم حاجة الی ثمنه کما فی بیوع الخانیة (قوله یجوز) فلیس للصغیر نقضه بعد بلوغه اذ للاب شفقة کاملة ولم یعارض هذا المعنی معنی آخر فکان هذا البیع نظرا للصغیر وان کان الاب فاسدا لم یجز بیعه العقار فله نقضه بعد بلوغه هو المختار الا اذا باعه بضعف القیمة اذ عارض ذلک المعنی معنی آخر ویجوز بیع منقوله فی روایة ویوضع ثمنه فی ید عدل وفی روایة لا الا بضعف قیمته وبه یفتی جامع الفصولین وسیأتی فی الفروع (تنبیه) ظاهر کلامهم هنا انه لا یتقید بیع الاب عقار ولده الی المسوغات المذکورة فی الوصی ونقل الحموی فی حواشی الاشباه من الوصایا ان الاب کالوصی لا یجوز له بیع العقار الا فی المسائل المذکورة کما افتی به الحانوتی اھ ثم رأیت فی مجموعة شیخ مشایخنا منلا علی الترکمانی قد نقل عبارة الحموی المذکورة ثم قال ما نصه وهو مخالف لاطلاق ما فی الفصول وغیره ولم یستند الحانوتی فی ذلک الی نقل صحیح، ولکن اذا صارت المسوغات فی بیع الاب ایضا کما فی الوصی صار حسنا مفیدا ایضا۔ (رد المحتار ص۴۵۴ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۹ محرم سنة ۱۳۱۹ھ

والد کے سوا دوسرے رشتہ داروں کے اوصیاء کا مال صغیر میں تصرف کرنا:

سوال: میت نے مرض الموت میں اپنی نابالغ اولاد کے لئے زید کو وصی مقرر کیا، اسی طرح خالد نے انتقال سے کچھ دن پہلے عمرو کو اپنے نابالغ بھائی بہنوں کے لئے وصی مقرر کیا۔ پوچھنا یہ ہے کہ زید اور عمرو میت کی نابالغ اولاد اور بھائی بہنوں کی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد کو فروخت کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

باپ، دادا اور قاضی کے سوا دوسرے رشتہ داروں کی جانب سے بنائے گئے اوصیاء کے لئے صغیر کی منقولات یا ان کا فروخت کرنا مطلقاً اور غیر منقول جائیداد کا فروخت کرنا صرف چار صورتوں میں جائز ہے، بشرطیکہ یہ منقول و غیر منقول اشیاء صغیر کو موصی سے میراث میں ملی ہوں، دوسرے اموال میں تصرف جائز نہیں۔

تفصیل صور جواز:

① میت کا دین ادا کرنے کے لئے۔ اگر دین کل جائیداد کو محیط ہے تو کل جائداد کو فروخت کرسکتا ہے ورنہ صرف بقدر دین۔

② تنفیذ وصیت مرسلہ کے لئے بقدر تنفیذ وصیت۔ پوری زمین کا بیچنا جائز نہیں، وصیت مرسلہ سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص نسبت کی تعیین نہ کی ہو، جیسے ثلث، ربع وغیرہ۔

③ سیلاب وغیرہ سے زمین کے تباہ ہونے یا مکان کے گرنے کا خوف ہو۔

④ کسی ظالم کے قبضہ کرلینے کا خوف ہو۔

اگر مذکورہ صورتوں کے سوا نفقۂ صغیر وغیرہ کی ضرورت پیش آجائے تو معاملہ عدالت قاضی یا مجلس حکم میں پیش کرکے فیصلہ کرا لیا جائے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله ووصي ابي الطفل احق الخ): واما وصي الاخ والام والعم وسائر ذوي الارحام ففي شرح الاسبيجابي ان لهم بيع تركة الميت لدينه او وصيته ان لم يكن احد ممن تقدم ولا يبيع عقار الصغير اذ ليس لهم الا حفظ المال ولا الشراء للتجارة ولا التصرف فيما ملكه الصغير من جهة غير ميتهم مطلقا لانهم بالنظر اليه اجانب نعم لهم شراء ما لا بد منه من الطعام والكسوة وبيع منقول ورثه اليتيم من جهة الموصي لكونه من الحفظ

لان حفظ الثمن ایسر من حفظ العین اھ من ادب الاوصیاء وغیرہ۔ وفی جامع الفصولین والاصل فیہ ان اضعف الوصیین فی اقوی الحالین کاقوی الوصیین فی اضعف الحالین واضعف الوصیین وصی الام والاخ والعم واقوی الحالین حال صغر الورثۃ واقوی الوصیین وصی الاب والجد والقاضی واضعف الحالین حال کبر الورثۃ ثم وصی الام فی حال صغر الورثۃ کوصی الاب فی حال کبر الورثۃ عند غیبۃ الوارث فللوصی بیع منقولہ لاعقارہ کوصی الاب حال کبرھم اھ (ردالمحتار ص۳۸ ج ۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: قلت وھذا لو البالغ وصیا لامن قبل ام او اخ فانھما لا یملکان بیع العقار مطلقا ولا الشراء غیر طعام وکسوۃ۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ مطلقا) ای ولو فی ھذہ المستثنیات واذا احتاج الحال الی بیعہ یرفع الامر الی القاضی ط (ردالمحتار ص۴۵۵ ج ۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وان لغیر الوصی التصرف لخوف متغلب وعلیہ الفتوی وتمامہ فیما علقتہ علی الملتقی۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وتمامہ فیما علقتہ علی الملتقی) حیث قال وانما لم یحصر التصرف فی الوصی اشارۃ الی جواز تصرف غیرہ کما اذا خاف من القاضی علی مالہ ای مال الصغیر فانہ یجوز لواحد من اھل السکۃ ان یتصرف فیہ ضرورۃ استحسانا وعلیہ الفتوی ذکرہ القھستانی۔

(ردالمحتار ص۴۵۶ ج ۵)

وقال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ او خوف ھلاکہ الخ) قال الحموی فی شرحہ اما العقار فمحصن بنفسہ حتی لو خیف ھلاکہ او ھلاک بناۂ ملک بیعہ لتعینہ حفظا لہ کالمنقول والاصح انہ لا یملک لانہ نادر وفی التمرتاشی ویملک اجارۃ الکل لانہ حفظ انتھی (قولہ لانہ نادر) ای خوف الھلاک وھذا التعلیل غیر ظاھر لان الکلام فیما اذا تحقق ھذا النادر

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ص۳۲۳ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۳ محرم سنہ ۹۹ھ

وصی اب کا اولاد کبار کے مال میں تصرف :

سوال : زید نے بوقتِ موت عمرو کو اپنی اولاد کے لئے وصی مقرر کیا، اولاد میں کچھ نابالغ ہیں اور کچھ بالغ۔ بالغ اولاد کے حصص میں وصی کو تصرف کرنے کا کہاں تک اختیار ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

منقول وغیر منقول جائیداد میں دو صورتوں میں تصرف مطلقاً جائز ہے، خواہ کبار حاضر ہوں یا غائب :

(۱) میت کا دین ادا کرنے کے لئے بقدر دین۔
(۲) تنفیذ وصیت کے لئے بقدر تنفیذ وصیت۔

اور دو صورتوں میں اس شرط سے تصرف جائز ہے کہ کبار غائب ہوں :

(۱) سیلاب وغیرہ کی وجہ سے زمین یا دوسری اشیاء کے تباہ یا خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔
(۲) کسی جابر کے قبضہ کر لینے کا خوف ہو۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ : وجاز بیعہ ای الوصی علی الکبیر الغائب فی غیر العقار الا لدین او خوف ھلاکہ ذکرہ عزمی زادہ معزیا الی الخانیۃ، قلت وفی الزیلعی والقہستانی والاصح لا لانہ نادر۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : (قولہ وجاز بیعہ الخ) بیان المسألۃ انہ اذا لم یکن علی المیت دین ولا وصیۃ فان الورثۃ کبارا حضرا لا یبیع شیئا ولو غیبا لہ بیع العروض فقط وان کلھم صغارا یبیع العروض والعقار وان البعض صغارا والبعض کبارا فکذلک عندہ وعندھما یبیع نصیب الصغار ولیس من العقار دون الکبار الا اذا کانوا غیبا فیبیع العروض۔ وقولھما القیاس وبہ نأخذ وان کان علی المیت دین او اوصی بدراھم ولا دراھم فی الترکۃ والورثۃ کبار حضور فعندہ یبیع جمیع الترکۃ وعندھما لا یجوز الا بیع حصۃ الدین اھ ملخصا من غایۃ البیان عن نکت الوصایا لابی اللیث (قولہ الا لدین) ای فلہ بیع العقار لکنہ یوھم انہ مقید بکون الکبیر غائبا ولیس کذلک کما مر۔ وفی العنایۃ قید بالغیبۃ لانھم اذا کانوا حضورا لیس للوصی التصرف فی الترکۃ

اصلا الا اذا کان علی المیت دین او اوصی بوصیۃ ولم تقض الورثۃ الدیون ولم ینفذوا الوصیۃ من مالہم فانہ یبیع الترکۃ کلہا ان کان الدین محیطا و بمقدار الدین ان لم یحط ولہ بیع ما زاد علی الدین ایضا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی خلافا لہما و ینفذ الوصیۃ بمقدار الثلث ولو باع لتنفیذہا شیئا من الترکۃ جاز بمقدارہا بالاجماع. وفی الزیادات الخلاف المذکور فی الدین اھ قال فی ادب الاوصیاء و بقولہما یفتی کذا فی الخانیۃ والقنیۃ وسائر الکتب اھ ومثلہ فی البزازیۃ۔

(قولہ الاصح لا) راجع الی قولہ او خوف ہلاکہ (قولہ لانہ) ای الہلاک نادر. قال فی المعراج وقال بعضہم لایملک وہو الاصح لان الدار لا تہلک غالبا فیبنی الحکم علیہ لا علی النادر اھ (ردالمحتار ص۵۳ ج۵)

قال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالی: (قولہ لانہ نادر) ای خوف الہلاک وہذا التعلیل غیر ظاہر لان الکلام فیما اذا تحقق ہذا النادر۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ص۳۱۱ ج۴)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ و تمامہ فیما علقتہ علی الملتقی) حیث قال وافاد بحصر التصرف فی الوصی اشارۃ الی جواز تصرف غیرہ کما اذا خیف من القاضی علی مالہ ای مال الصغیر فانہ یجوز لواحد من اہل السکۃ ان یتصرف فیہ ضرورۃ استحسانا وعلیہ الفتوی ذکرہ القہستانی۔

(ردالمحتار ص۴۵۱ ج۵)

قلت: فحیث یجوز التصرف عند خوف الضیاع لغیر الوصی فلان یجوز للوصی اولی۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۳ محرم سنہ ۹۱ھ

اب و وصی کی صغیر سے بیع و شراء میں ایجاب و قبول اور ادائے ثمن کا طریقہ:

سوال: اب یا وصی صغیر سے کوئی چیز خریدیں یا اسے فروخت کریں تو ایجاب و قبول دونوں خود کریں یا کیا صورت اختیار کی جائے؟ اسی طرح شراء کی صورت میں ادائے ثمن اور بیع کی صورت میں وصول ثمن کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اب کے بعتُ یا اشتریتُ کہنے سے بیع مکمل ہوجائے گی قبلتُ کہنے کی ضرورت نہیں، اور وصی کے لئے قبلتُ کہنا بھی ضروری ہے۔ مگر بیع کی صورت میں مجرد بیع سے اب و وصی کا صغیر کی طرف سے مبیع پر قبضہ معتبر نہیں، بلکہ یہ ضروری ہے کہ مبیع کو اس طرح الگ کرکے ممتاز کردیا جائے کہ صغیر قبضہ کرنا چاہے تو کرسکے، اگر ایسا کرنے سے پہلے مبیع ہلاک ہوجائے تو اب و وصی ضامن ہوں گے۔ تمکن من القبض کے بعد یہ سمجھا جائے گا کہ اب و وصی صغیر کی جانب سے قابض ہیں، اس لئے اس کے بعد اگر مبیع ہلاک ہوجائے تو صغیر کی ہلاک ہوگی۔

شراء کی صورت میں اب و وصی کا سابق قبضہ کافی ہے، مستقل قبضہ کی ضرورت نہیں۔
اسی طرح بیع کی صورت میں ثمن پر اب و وصی کا پہلے سے قبضہ موجود ہے، مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں۔
البتہ شراء کی صورت میں اداء ثمن کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی یا پنچایت کی طرف سے کوئی وکیل مقرر کیا جائے جو پہلے صغیر کے لئے ثمن پر قبضہ کرے، پھر اب یا وصی کو لوٹا دے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ وبیع الاب الخ): وقال فی جامع الفصولین للاب شراء مال طفلہ لنفسہ بیسیر الغبن لا بفاحشہ اھ وفیہ لو باع مالہ من ولدہ لا یصیر قابضا لولدہ بمجرد البیع حتی لو ھلک قبل التمکن من قبضہ حقیقۃ ھلک علی الوالد ولو شری مال ولدہ لنفسہ لا یبرأ عن الثمن حتی ینصب القاضی وکیلا لولدہ یأخذ الثمن ثم یردہ علی الاب ویتم البیع بقولہ بعت من ولدی ولا یحتاج الی قولہ قبلت، وکذا الشراء ولو وصیا لم یجز فی الوجہین ما لم یقل قبلت (ردالمحتار ص۴۴۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ محرم سنہ ۱۴۱۹ھ

مرض الموت کی تعریف:

سوال: مرض الموت کی جامع مانع تعریف مطلوب ہے۔ ضعیف آدمی جس کو کوئی مرض نہ ہو، وہ مریض بمرض الموت سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اگر سمجھا جائے گا تو کتنی عمر ہوجانے پر؟ نیز کینسر وغیرہ جیسی بیماریاں جو عموماً موت کا سبب بن جاتی ہیں، وہ مرض الموت میں داخل ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

مرض الموت ایسی حالت کو کہتے ہیں جس میں ہلاکت کا اندیشہ ہو اور اسی حالت میں مریض

جائے، خواہ اسی عارضہ سے مرا ہو یا کسی دوسری وجہ سے، خواہ یہ حالت مرض کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، مثلاً کوئی شخص کشتی میں ڈوب رہا ہے۔

اگر مرض کا مہلک ہونا معلوم نہ ہو تو اسے مرض الموت جب کہیں گے کہ اس میں اس قدر اضافہ ہو جائے کہ مریض گھر سے باہر کے ضروری مصالح سے عاجز ہو جائے، مثلاً عالم مسجد میں جانے اور تاجر تجارت سے عاجز ہو جائے۔

اگر مرض کسی مرحلہ پر ٹھہر جائے یعنی اس میں اضافہ نہ ہو رہا ہو اور اس ٹھہراؤ کے بعد ایک سال اسی حالت میں پورا ہو جائے تو یہ مرض الموت میں داخل نہیں۔ پھر جب مرض بڑھ جائے اور اسی زیادتی کی حالت میں مر بھی جائے تو اس زیادتی کے وقت سے مرض الموت شمار ہوگا۔

قال العلامة ابن نجیم رحمه الله تعالی بعد ذکر عبارة جامع الفصولین: والمراد به المرض الذی اتصل به الموت لان حقها لا یتعلق بماله الا به فلو طلقها فی مرضه ثم صح ثم مات وهی فی العدة لا ترث منه کما سیأتی ولو طلقها فی مرضه ثم قتل او مات من غیر ذلک المرض غیر انه لم یبرأ فلها المیراث لانه قد اتصل الموت بمرضه. کذا فی الظهیریة (البحر ص۴۷ ج۴)

قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالی: من غالب حاله الهلاک بمرض او غیره بأن اضناه مرض عجز به عن اقامة مصالحه خارج البیت هو الاصح کعجز الفقیه عن الاتیان الی المسجد وعجز السوقی عن الاتیان الی دکانه وفی حقها ان تعجز عن مصالحها داخله کما فی البزازیة. ومفاده انها لو قدرت علی نحو الطبخ دون صعود السطح لم تکن مریضة.

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: (قوله عجز به الخ) فلو قدر علی اقامة مصالحه فی البیت کالوضوء والقیام الی الخلاء لا یکون فارا وفسره فی الهدایة بان یکون صاحب فراش وهو ان لا یقوم بحوائجه کما یعتاده الاصحاء وهذا اضیق من الاول لان کونه ذا فراش یقتضی اعتبار العجز عن مصالحه فی البیت فلو قدر علیها فیه لا یکون فارا وصححه فی الفتح حیث قال فاما اذا امکنه القیام بها فی البیت لا فی خارجه فالصحیح انه صحیح اھ

وقال بعد اسطر: ثم ان هذا انما یظهر ایضا فی حق من کان له قدرة

على الخروج قبل المرض اما لو كان غير قادر عليه قبل المرض لكبر او لعلة في رجليه فلا يظهر فينبغي اعتبار غلبة الهلاك في حقه وهو ما مر عن الفتح وينبغي اعتماده لما علمت من انه كان يفتي به الصدر الشهيد وان كلام محمد يدل عليه ولاطراده فيمن كان عاجزا قبل المرض ويؤيده ان من الحق بالمريض كمن بارز رجلا ونحوه انما اعتبر فيه غلبة الهلاك دون العجز عن الخروج ولان بعض من يكون مطعونا او به استسقاء قبل غلبة المرض عليه قد يخرج لقضاء مصالحه مع كونه اقرب الى الهلاك من مريض ضعف عن الخروج لصداع او هزال مثلا وقد يوفق بين القولين بانه ان علم ان به مرضا مهلكا غالبا وهو يزداد الى الموت فهو المعتبر وان لم يعلم انه مهلك يعتبر العجز عن الخروج للمصالح هذا ما ظهر لي۔

وقال بعد اسطر: قلت وحاصله انه ان صار قديما بان تطاول سنة ولم يحصل فيه ازدياد فهو صحيح اما لو مات حالة الازدياد الواقع قبل التطاول او بعده فهو مريض (رد المحتار ص۴۲۵ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۹ محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

مریض بمرض الموت کی املاک کا استعمال:

سوال: ایک شخص کی نانی مرض الموت میں مبتلا ہیں، ان کی ملکیت میں فریج اور پنکھے وغیرہ ہیں، جن سے سب گھر والے استفادہ کرتے ہیں، مرض سے پہلے بھی ان کی طرف سے استفادہ کی اجازت تھی، تو اب مرض کی حالت میں ان سے استفادہ اور مریض کے مال سے کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اہل قرابت جو مرض الموت کے دوران جمع ہوتے ہیں، ان میں سے بعض ورثہ ہوتے ہیں اور بعض غیر ورثہ۔ ورثہ میں سے صرف ان افراد کے لئے بقدر معروف بلا اسراف مریض کے مال سے کھانا پینا جائز ہے جو مریض کی خدمت کرتے ہوں اور مریض ان کی خدمت کا محتاج ہو۔ غیر ورثہ کے لئے اگر مریض نے اجازت دے رکھی ہو تو ثلث مال سے وہ بھی کھا پی سکتے ہیں۔

فریج اور پنکھوں سے انتفاع کا حکم یہ ہے کہ اگر مریض نے حالت مرض میں سابقہ اجازت کو منسوخ نہیں کیا یا اس کی کوئی تحدید نہیں کی تو گھر کے افراد ہوں یا دوسرے تیماردار سب کے لئے

استفادہ جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالٰی: (فرع) قال فی البزازیۃ و فی العتابی: اجتمع قرابۃ المریض عندہ یأکلون من مالہ ان کانوا ورثتہ لم یجز الا ان یحتاج المریض الیہم لتعاہدہ فیأکلون مع عیالہ بلا اسراف وان لم یکونوا ورثتہ جاز من ثلث مالہ لو بامر المریض اھ (رد المحتار ص ۳۲۳ ج ۵)

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ تعالٰی: یعتبر حال العقد فی تصرف منجز فان کان فی الصحۃ فمن کل مالہ والا فمن ثلثہ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالٰی: (قولہ والا فمن ثلثہ) استثنی فی الاشباہ التبرع بالمنافع کسکنی الدار فانہ نافذ من کل المال وتمامہ فیہا وفی حواشیہا۔ (رد المحتار ص ۴۳۳ ج ۵)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالٰی: وفی الفتاوی الصغری تبرعہ فی مرضہ انما ینفذ من الثلث عند عدم الاجازۃ الا فی تبرعہ فی المنافع فینفذ من الکل (الی قولہ) لکن فی العمادیۃ انہا من الثلث فلعلہ روایتان (رد المحتار ص ۴۳۳ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

۹ محرم سنہ ۱۴۰۲ھ

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا نورث ما تركنا فهو صدقة
(بخاری ومسلم)

الحكمة الغراء

فی

عدم توریث الانبیاء

علیہم السلام

○ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اموال میں وراثت جاری نہ ہونے کی حکمتیں۔

○ عدم توریث کے دلائل۔

○ شیعہ کی خرافات کے جوابات۔

○ کتب شیعہ سے عدم توریث کا ثبوت۔

مکتبہ فاروقی

انبیاء کرام علیہم السلام کے مال میں ارث جاری نہ ہونے کی حکمتیں

سوال: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مال میں وراثت جاری نہ ہونے کی حکمت اور دلیل کیا ہے؟ شیعہ منکر ہیں لہٰذا مفصل تحریر فرما کر رہنمائی فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مال میں ارث جاری نہ ہونے میں یہ حکمتیں ہیں:

(۱) انسان کے پاس جو کچھ مال و دولت اور ساز و سامان ہے اس کا مالک حقیقی وہی ذات خالق کائنات ہے، انسان کے پاس یہ مال محض چند روز کے لیے امانت ہے، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے رفع حاجات کے لیے ہمیں یہ چیزیں مستعار دے رکھی ہیں جنہیں ہمارا کوئی استحقاق نہیں، پس اگر انسان کے مرنے کے بعد اس کا مال اجنبی لوگوں کو دلوا دیا جاتا تو بھی کوئی ظلم نہ ہوتا، جب انسان خود اس مال کا مستحق نہیں تو اس کے اقارب کیسے مستحق ہو سکتے ہیں؟

مگر انسان اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے اس مستعار مال کو اپنی ملک سمجھنے لگتا ہے اور مرتے وقت اس مال کو چھوڑنے پر غمناک ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے محض شفقت و لطف سے اس مال کے ارث کے لیے قریبی رشتہ داروں کو معین فرمادیا تاکہ انسان یہ سمجھ کر مطمئن ہو جائے کہ یہ مال و دولت اگرچہ مجھ سے جدا ہو رہی ہے مگر پھر بھی اپنے ہی اقارب کے ہاتھوں میں جائے گی۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حقیقت شناس نظر پر غفلت کا پردہ نہیں ہوتا، ہر چیز کا دنیا میں مستعار ہونا اور مالک و متصرف حقیقی صرف ذات باری کا ہونا ہر وقت ان کے تصور میں ہوتا ہے، جب حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دور بین نظر کسی چیز کا اپنے نفس کو مالک اور مستحق ہی نہیں سمجھتی تو ان کا مال ان کے ورثاء کو دلا کر مطمئن کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو نہ زندگی میں یہ تمنا تھی کہ ہمارے اقارب کا ترکہ ہمیں ملے اور نہ ہی اس دار فانی سے رخصت ہوتے وقت اپنے مال کے چھوٹنے کا کچھ افسوس ہوتا تھا، لہٰذا انبیاء علیہم السلام کے لیے مذکورہ بالا طریق سے تسلی اور اطمینان کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

الحکمۃ الغراء ـــــ ـــــ ۲

(۲) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ساری اُمت کے روحانی باپ ہوتے ہیں، نبی کا علاقہ ہر فرد سے ہوتا ہے، اور ہر اسود و احمر پر یکساں شفقت ہوتی ہے، اس لئے نبی کا مال بھی جمیع اُمت پر صدقہ ہوتا ہے، جو کہ بلا لحاظ حر و عبد، مرد و عورت، صالح و فاسق، قریب و بعید عام مسلمانوں کی مصالح میں خرچ کیا جاتا ہے۔ اگر نبی کا مال صرف اس کے وارثوں پر تقسیم ہوتا تو اقربا کے ساتھ علاقہ و شفقت کا خاص ظہور ہوتا جو اُمت کے دیگر افراد کے لئے دل شکنی کا باعث ہوتا جو کہ شفقت عامہ کے خلاف ہے۔

(۳) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بغیر کسی خاص معاوضہ کے تبلیغ احکام فرماتے تھے اور اعلان کرتے تھے کہ ہم کسی سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتے، پس اگر نبی اپنے اقارب کا وارث ہوتا تو اعتراض ہو سکتا تھا کہ اس نے اپنی اُمت سے مال لیا ہے اور اگر نبی کی میراث اس کے وارثوں پر تقسیم ہوتی تو دشمن اعتراض کرتے کہ اپنے اقارب کے لئے مال جمع کر گیا ہے، لہٰذا اس اعتراض کی جڑ ہی کاٹ دی گئی کہ نبی کو نہ کسی سے کچھ لینے کی حرص اور نہ ہی کسی کو کچھ دینے یا وارثوں کے لئے مال جمع کرنے کی تمنا ہے۔

(۴) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اعلیٰ درجہ کی برزخی حیات حاصل ہے جس پر بعض دُنیوی آثار بھی مرتب ہوتے ہیں، اسی وجہ سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد کو مٹی نہیں کھاتی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اُمت کے لئے ویسے ہی حرام کر دی گئی ہیں جیسے آپ کی زندگی میں تھیں؛

عدم جریان ارث بھی اسی برزخی زندگی کا اثر ہے۔

(۵) اگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا مال انکے وارثوں کو دلایا جاتا تو ممکن تھا کہ بمقتضائے بشریت ان کے وارثوں کو تحصیل مال کی خاطر کبھی ان کی موت کا خیال گزرتا جو ان کے لئے وبال ثابت ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو ترکہ سے ناامید کر کے خفیف نقصان برداشت کروا کر ایک بہت بڑے وبال اور سبب ہلاکت سے بچا لیا۔

(۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انا لانورث ما ترکنا صدقۃ" (متفق علیہ)

اور دوسرے موقع پر فرمایا: لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ (بخاری و مسلم)

ان دونوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا ترکہ انکے وارثوں

پر حرام ہے، کیونکہ صدقہ ہے۔

ایک حدیث میں یوں ارشاد ہے: لا تقتسم ورثتی دینارا ما ترکت بعد نفقۃ نسائی و مؤنۃ عاملی فھو صدقۃ (بخاری ومسلم)

اس روایت میں عامل کے چند معانی ہو سکتے ہیں۔ خلیفہ، کفیل کار، خادم، گورنر، بعد الوفات بھی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا نفقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں باقی رہنا بھی اسی برزخی حیات کا اثر ہے۔

ھکذا افاد العلامۃ السید اصغر حسین قدس سرہٗ، واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۳ ھ

ارث انبیاء علیہم السلام سے متعلق شیعہ کے دلائل کا جواب:

سوال: شیعہ کہتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مال میں جریان ارث کا ثبوت قرآن سے ہے۔ وورث سلیمان داؤد سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کا محقق جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا بالتفصیل اجرکم الجلیل

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شیعہ عموماً وورث سلیمان داؤد اور حضرت زکریا علیہ السلام کی دعاء رب ھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب واجعلہ رب رضیا سے استدلال کیا کرتے ہیں۔

ان کا یہ استدلال محض تلبیس ہے، کیونکہ اس جگہ ارث فی المال مراد نہیں بلکہ علم و حکمت اور نبوت میں ارث مقصود ہے۔

نیز لفظ ارث بمعنی جانشین ہونا اور بمعنی لینا بھی استعمال ہوتا ہے۔ مگر یہ جانشینی یا لینا بطور میراث نہیں، قرآن میں ہے:

واورثناھا بنی اسرائیل

نورث من عبادنا من کان تقیا

کنا نحن الوارثین

پہلی آیت میں جانشین بنانا اور دوسری میں دینا اور تیسری میں لینا مراد ہے۔

اہل تشیع کی مستدل آیات میں ارث فی المال مراد نہ ہونے پر چند قرائن ہیں:

① ان کا وارث فی المال ہونا ظاہر و بدیہی امر ہے تو اس کی دعاء بالکل لغو ہوگی۔

② حضرت داؤد علیہ السلام کے اور بھی بیٹے تھے، وراثت سلیمان میں اگر ارث فی المال مراد لیا جائے تو لازم آئے گا کہ دوسرے بیٹوں کو وارث فی المال نہیں بنایا گیا، اور یہ ظلم ہے۔

③ حدیث میں ہے: انا معشر الانبیاء لا نورث ما ترکت بعد مؤنۃ عاملی ونفقۃ نسائی صدقۃ (مسند احمد ص ۲۴۲ ج ۲)

اس سے ثابت ہوا کہ آیات قرآنیہ میں ارث فی المال مراد نہیں۔

④ خود شیعہ کی کتب میں تصریح ہے کہ وراثت سلیمان داؤد میں ارث فی النبوۃ مراد ہے:

عن ابی عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ قال ان سلیمان علیہ السلام ورث داؤد علیہ السلام وان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ورث سلیمان علیہ السلام (اصول کافی)

بعض علماء کا قول ہے کہ وارث نہ ہونا صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، انھیں ان آیات کے جواب کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

حدیث ما ترکت صدقۃ میں شیعہ کہتے ہیں کہ ما نافیہ ہے اور صدقۃ منصوب ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ ما ترکناہ صدقۃ، لا نورث کا مفعول ثانی ہے، ای لا نورث الشیء الذی ترکناہ صدقۃ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صدقۃ کی روایت بالرفع ہے اور فھو صدقۃ والی روایت بھی اس کی مؤید ہے۔

نیز توجیہ ثانی میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی کیا خصوصیت ہے؟ جو شخص بھی اپنا مال صدقہ کر جائے اس کے ورثہ اس مال کے مستحق نہیں ہوتے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کی لونڈی ام ایمن رضی اللہ تعالی عنہا آپ کو میراث میں ملی تھیں، جنھوں نے والدہ کی وفات کے بعد آپ کی پرورش کی، جن کا نکاح آپ نے اپنے متبنّیٰ حضرت زید رضی اللہ تعالی عنہ سے کر دیا تھا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا سے بھی مال کثیر میراث میں ملا تھا۔

الحکمۃ القرآن ــــــــ ۹

جواب یہ ہے کہ ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے انتقال کے بعد آپ کے دادا اور والدہ کی مملوک ہو گئی تھیں، ان دونوں حضرات نے بوجہ شفقت آپ کو ہبہ کردی تھیں، پھر آپ نے ان کو آزاد کردیا۔

علاوہ ازیں یہ واقعہ قبل از بعثت کا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنی زندگی میں ہی اپنا تمام مال واسباب آپ کی نذر کردیا تھا تاکہ لوگ مفلسی اور فقیری کا طعنہ نہ دے سکیں۔ ووجدک عائلا فاغنی میں اسی طرف اشارہ ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مال میں ارث جاری نہ ہونے کی روایت خود کتب شیعہ میں بھی موجود ہے:

عن ابی عبد اللہ جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذلک ان الانبیاء لم یورثوا درہما ولا دینارا وانما ورثوا احادیث من احادیثہم (اصول کافی ص ۱۷، صافی کتاب العقل جزء اول ص ۸۲)

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الاولی سنہ ھ

شریعت کے مطابق
تقسیم وراثت
کی
اہمیت

پیش لفظ

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن کریم ایک اعلیٰ بلاغت کا جامع کلام ہے، ایک ایک حرف میں اشارات و نکات ہیں، اکثر احکام شرعیہ کے صرف اصول قرآن نے بیان کر کے جزئیات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا کہ وہ ان کی تفصیلات اپنے قول و فعل سے مسلمانوں کو سمجھا دیں۔

لیکن بعض احکام کی اہمیت کے پیش نظر ان کی تمام جزئیات کو بھی قرآن نے خود پوری تفصیل سے بیان فرمادیا ہے، تمام عائلی قوانین نکاح و طلاق اور زوجین کے تعلقات پر غور کیا جائے تو اس کی پوری جزئیات کی تفصیل بھی قرآن میں ملتی ہے، اسی طرح تقسیم وراثت کا پورا قانون مع جزئیات کی تفصیلات کے ساتھ خود قرآن کریم نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے اس سے وراثت کی خاص اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

یوں تو اسلامی تعلیم تمام معاملات میں ہی انسانی حقوق کی پوری ادائیگی پر زور دیتی ہے لیکن وارثوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید بڑی خصوصیت کے ساتھ آئی ہیں۔

سبب یہ ہے کہ وراثت سے حاصل ہونے والا حصہ براہ راست حق تعالیٰ کا عطیہ ہے جس میں انسان کے کسی کسب و عمل کو دخل نہیں، اسی وجہ سے وراثت سے ملا ہوا مال اطیب الاموال کہلاتا ہے، جو شخص اس کی تقسیم میں قانون الٰہی کی مخالفت کرتا ہے وہ کئی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب و قہر کا مورد ہوتا ہے۔ اول یہ کہ شاہی انعام جس کا حقدار کو پہنچانا اس کے ذمہ تھا اس نے اس میں خیانت کی، دوسرے حقدار کو حق سے محروم کر کے ظلم کیا، تیسرے یہ ظلم جو وراثت کی تقسیم میں ہوتا ہے نسلوں تک چلتا ہے، اور اس کا وبال اس شخص پر رہتا ہے جس نے اول اس تقسیم میں خیانت کی تھی جن حضرات کو حق تعالیٰ نے دین کی بصیرت اور آخرت کی فکر عطا فرمائی ہے وہ اس ظلم سے خصوصیت کے ساتھ بہت دور رہتے ہیں، کیونکہ تقسیم ہو جانے کے بعد اس کے وبال سے نجات بہت مشکل ہے۔

مگر افسوس کہ آجکل مسلمانوں میں اس معاملے میں بھی انتہائی غفلت اور کوتاہی

پائی جاتی ہیں۔

ضرورت ہے کہ اہل علم اور اہل دین عوام کو اس پر متنبہ کرنے کے لئے پوری کوشش صرف کریں۔

اس وقت ایک مقدس بزرگ جو اس عمر کی آخری منزل میں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں اس کی اہمیت و ضرورت کا احساس شدت کے ساتھ پیدا کیا اور مولانا مفتی رشید احمد صاحب کو اس کام کے لئے بجا طور پر منتخب کیا، موصوف نے ماشاء اللہ بہت اچھے انداز میں ایک مختصر رسالے کی صورت میں اس علمی فرض کو ادا کر دیا۔

لیکن صرف کوئی کتاب لکھ دینے سے اس مشکل کا حل نہیں ہوتا جب تک اس کی اشاعت کا ایسا انتظام نہ ہو کہ مسلمانوں کے ہر گھر میں پہنچے اور ہر مسلمان مرد و عورت اس سے واقف ہو۔

اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ تبلیغ و دعوت کا کام کرنے والے حضرات اس کی اشاعت کو عام کریں، اہل خیر حضرات اس کے نسخے کثیر تعداد میں خرید کر یا خود چھپوا کر مسلمانوں میں پھیلائیں۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو کامیاب فرمائیں۔

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
دار العلوم کراچی نمبر ۱۴
۲۰ رمضان ۱۳۸۷ھ

ملہ تبلیغی جماعت کے مشہور سرپرست حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۲

ضروری گزارش

از حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بعد از حمد و صلوٰۃ مستند علماء کرام و ذمہ دار ائمہ مساجد نیز دینی مذہبی کتابیں لکھنے والے مصنفین، مؤلفین کی خدمت بابرکت میں گزارش ہے کہ آپ حضرات اس طرف زیادہ توجہ فرمائیں: میراث شرعی اسلامی، جو پیغمبری تعلیم میں جو اہمیت رکھتی ہے وہ اظہر من الشمس ہے، اور اکثر مسلمانان عالم علماء وعوام بے خبر و ناواقف پائے جاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ تمام دینی باتوں میں یہ حق اللہ اور حق العباد میں زیادہ سے زیادہ ضروری و متفق علیہ ہے۔ کیا اچھا ہو کہ اس اہم فریضہ کے لئے چاروں طرف سے آواز اٹھائی جائے۔

قول اور قلم سے میراث شرعی ادا کرنے پر زور دیا جائے، علماء اور مشائخ موقع پر پہنچ کر احسن طریقے سے عرض معروض کریں، خدا چاہے یہ محنت رائیگاں نہ جائے گی

ایک عرصہ سے ناچیز کے دل میں تمنا کے درجہ میں یہ بات رہی کہ کیا ہی خوب ہو ہم سب مل جل کر اس عظیم الشان سعادت کو حاصل کریں، ایک روز یہ تمنا خدا پاک کی توفیق سے پختہ ارادہ کے درجہ میں آگئی اور میں استاذ الاعلام حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب زاد اللہ نور ایمانہ سے عرض کیا ہو کہ خدا کے فضل و کرم سے دینی خدمت میں خصوصی طور پر مشغول ہیں اور قلم وقول سے اس مقصد کی اشاعت میں ہر اعتبار سے اس کے اہل ہیں آپ نے میری استدعا کو بدل وجان قبول کیا اور بہت جلد رسالہ ہذا کو لکھ کر شائع کر دیا، اسی طرح دیگر علماء کرام، بزرگان دین، پیران عظام، دینی ترقی کے لئے محنت کرنے والے احباب بھی حسن وخوبی سے اس کے لئے پوری پوری طرح کوشش فرمائیں۔

سید المرسلین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین شافع محشر ساقی کوثر احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم کی روح پاک کو زیادہ سے زیادہ شاد فرما کر اپنے لئے صدقہ جاریہ سعادت دارین حاصل کریں اور مجھ ناچیز اور اس مسلمان عورت و مرد کے لئے جو اس مبارک اور ضروری مقصد میں حصہ لے اسے رضائے حق، عافیت دارین اور قوت ایمانی،

تعلیم وراثت کی اہمیت ـــــــــ

صحت جسمانی نصیب ہو۔ آمین یا نبی الامین۔

فضائل :

✻ اس اہم کام میں کوشش کرنے والوں کو کس قدر فضیلت حاصل ہو سکتی ہے صرف اس قدر سوچ لینا کافی ہے کہ جب از روئے حدیث پاک متروکہ سنت کو زندہ کرنے پر سو شہیدوں کا اجر ملتا ہے تو اس متروکہ اہم فریضہ کو زندہ کرنے کا کس قدر اللہ تعالیٰ انعام عطا فرمائیں گے۔

تنبیہ :

✻ جو حضرات خلاف قرآن پاک و حدیث شریف مرنے والے کا مال تقسیم کر چکے ہوں وہ آئندہ کسی مرنے والے کے لئے تقسیم شرعی کا اہتمام نہ فرمائیں بلکہ ذمہ دار علماء سے فتویٰ لے کر اب جس کا جو حق رہ گیا ہو ادا کریں اور توبہ بھی فرمائیں تاکہ بری الذمہ ہو سکیں، اور ادا کرنے پر مجبور و معذور ہوں تو جس قدر ادا کر سکیں اس میں تاخیر نہ کریں، اور پھر بھی کوئی حق باقی رہ جائے تو اہل حق سے معاف کرائیں۔ یہ یاد رہے کہ نابالغ کا حق اس کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا۔

خادم العلماء :

بندہ عزیز الرحمٰن عاجز دہلوی غفرلہٗ ولوالدیہ
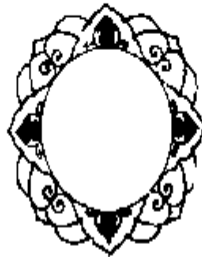
بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

امابعد، اللہ تعالی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی میراث سے اپنے جن بندوں کو حصہ دینا اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے منتخب فرمانا چاہتے ہیں ان کے قلوب میں تبلیغ و اشاعت دین کا ایسا درد عطاء فرما دیتے ہیں جو انھیں کسی وقت بھی چین نہیں لینے دیتا اور زندگی کے آخری سانس تک بیقرار رکھتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بوقت شہادت دودھ پلایا گیا جو آپ کے شکم مبارک کے زخم سے باہر نکل آیا، اس زمانہ میں یہ موت کی حتمی اور یقینی علامت قرار دی جاتی تھی، چنانچہ اس تجربہ کے بعد سب حضرات کو یقین ہوگیا کہ آپ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، ایسے وقت میں ایک نوجوان عیادت کے لئے آیا، جب وہ جانے لگا تو اسے واپس بلوایا اور فرمایا کہ ازار ٹخنوں سے اوپر رکھا کرو، سبحان اللہ، دین کی تبلیغ اور اپنے مسلمان بھائی کی فلاح و بہبود کا کیا جذبہ تھا کہ زخم کی شدت اور موت کا مشاہدہ بھی اس سے غافل نہ کر سکا، قابل غور مقام ہے کہ آخر وہ کونسی چیز تھی جس نے ان حضرات کو زندگی اور اس کی تمام لذات سے یکسر مستغنی کر رکھا تھا ؎

بسوزے جاں ز جہاں مشتغل — بذکر حبیب از جہاں مشتغل

بذکر حق از خلق بگریختہ — چناں مست ساقی کہ مے ریختہ

یہ مقام درد محبت رکھنے والوں کو حاصل ہوتا ہے، ان کی بصیرت کھول دی جاتی ہے اور ان پر اشیاء کے حقائق منکشف کر دیئے جاتے ہیں ؎

درد دل خود بیفزا درد را — تا ببینی سبز و سرخ و زرد را

جو آنکھیں اور قلوب درد محبت سے کورے ہیں وہ اس کی حقیقت کیا جانیں ؎

تو نہ دیدی گہے سلیماں را — چہ شناسی زبان مرغاں را

لطف مے نشناسی بخدا تا نچشی

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد — ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

اب بھی زمانہ ایسی منتخب ہستیوں سے خالی نہیں ؎

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است — خم و خمخانہ با مہر و نشان است

جن لوگوں کو اس زمانہ میں اہل اللہ کے فقدان کی شکایت ہے درحقیقت ان کی نظر کا قصور ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انھیں طلب ہی نہیں ؎

تقسیم وراثت کی اہمیت ——— ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آبت از بالا و پست

اگر کوئی شخص پانی نہ ملنے کی شکایت کرتا ہے تو یہ اسکی دلیل ہے کہ درحقیقت اسے پیاس ہی نہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی کریم ہے وہ کبھی کسی پیاسے کو تشنہ لب اور طالب کو محروم واپس نہیں فرماتے، وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا — اُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ وہ ذات بڑی شکور ہے، غرضیکہ یہ نفس وشیطان کی چال اور فریب ہے کہ کوئی اللہ والا ملتا ہی نہیں، کیا دنیا میں کبھی یہ بھی سنا ہے کہ درد وکرب میں مبتلا اور موت کے پنجے میں گرفتار مریض یہ کہے کہ مجھے علاج کے لئے کوئی طبیب یا ڈاکٹر نظر نہیں آتا، اس وقت تو اسے ہر شخص طبیب نظر آنے لگتا ہے، اس لئے کہ یہ دنیوی زندگی عزیز ہے، اس کی اہمیت ہے، اس کے برعکس حقیقی اور دائمی زندگی کی اہمیت قلب میں نہیں ہے۔

کار زار با خلق آری جملہ راست با خدا تزویر و حیلہ کے رواست

جس واقعہ نے مجھے متأثر کرکے زیر نظر رسالہ مرتب کرنے پر آمادہ کیا قلب میں اس واقعہ کے اثر کی گہرائی نے عنانِ قلم کو روکنے کی کوشش کے باوجود خلافِ عادت سطور بالا میں تمہیدی سطور بڑھا دیں، کہنا یہ تھا کہ حفاظتِ دین کا درد رکھنے والے ایسے حضرات بفضلہ تعالیٰ اب بھی موجود ہیں کہ امت مسلمہ کی ادنیٰ سی دینی یا دنیوی تکلیف انہیں اس قدر بیقرار کردیتی ہے کہ راحت وآرام کافور ہوجاتا ہے اور جسمانی تکالیف وامراض حتیٰ کہ موت وحیات کی کشمکش بھی ان کی راہ میں ذرہ بھر بھی رکاوٹ پیدا نہیں کرسکتی بلکہ ان حالات میں منزلِ حبیب کو قریب دیکھ کر ان کا عزم وہمت اور زیادہ تیز گام ہوجاتا ہے، ایسی منتخب ہستیوں میں سے ایک چمکتا ہوا چراغ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم کی ذات ہے، شدتِ علالت اور انتہائی ضعف ونقاہت کے دوران جب کہ ہر دیکھنے والا یہ کہنے پر مجبور تھا:

مریض محبت میں اب کیا دھرا ہے جو ہیں سانس باقی وہ آجا رہے ہیں

مجھے پیغام بھیجا کہ ایک ضروری کام ہے، بندہ حاضر ہوا تو فرمایا:

"شریعت کے مطابق تقسیم وراثت میں بڑی کوتاہیاں ہوتی ہیں، اچھے اچھے دیندار گھرانے اس مہلک مرض میں مبتلا ہیں، اور دنیا کی محبت میں پھنس کر اپنی عاقبت برباد کر بیٹھتے ہیں، اس لئے شریعت کے مطابق تقسیم وراثت کی اہمیت اور اس میں جو غلطیاں کی جاتی ہیں ان کی تفصیل پر کوئی رسالہ لکھو" بندہ کے ذہن میں فوراً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ مذکورہ کی تصویر آگئی اور سوچنے

لگا:

"یہ حضرات کتنے بلند حوصلہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو کیا عجیب درد محبت عطا فرمایا ہے۔"

اس قسم کے تقاضوں کا عموماً بندہ کے پاس ایک ہی جواب ہوتا ہے یعنی عدیم الفرصتی اور تحریر کی عدم اہلیت کا صحیح اور معقول عذر بیان کرکے سبکدوش ہو جاتا ہوں مگر اس تقاضے کی نوعیت نے زبان پر مہر سکوت لگا دی، "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" کے عالم میں سوچ رہا تھا کہ یہ وقتی تقاضا ہے، میں جاکر اپنے مشاغل میں لگ جاؤں گا اور بات ختم ہو جائے گی مگر حضرت شاہ صاحب خداداد بصیرت سے غالباً میری اس کیفیت کو بھانپ گئے اور جیب سے رقم نکال کر ارشاد فرمایا:

"یہ رسالہ کی طباعت وغیرہ کے مصارف کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ باقی مصارف کے لئے بھی انتظام فرما دیں گے۔"

یہ رقم کیا تھی، ایک زنجیر تھی، ایسا پکڑا ایسا جکڑا کہ سب دفع بیچ ہو گئے، حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو صیادی کی کتنی بڑی صلاحیت عطا فرمائی ہے جب کوئی راہ فرار نظر نہ آئی تو مستعیناً باللہ سب مشاغل کو مؤخر کرکے رسالہ مرتب کیا، اگر اس کی ترتیب میں کچھ خامی ہو تو مضامین بہر صورت قیمتی ہیں اس لئے کہ میری اپنی چیز تو ہے نہیں قرآن و حدیث کے جواہر پارے ہیں، وہ خواہ منظوم ہوں یا منثور بہر کیف ان کی قیمت اور حسن ذاتی میں کوئی فرق نہیں پڑتا، قال البوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ:

والدر یزداد حسنا وهو منتظم وليس ينقص قدرا غير منتظم

چند روز بعد حضرت شاہ صاحب نے جملہ مصارف کی رقم ارسال فرما دی، اب یہ رسالہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، حضرت شاہ صاحب اپنا کام کر چکے ان کا جذبہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہرگز رائیگاں نہ جائے گا اپنے لئے زاد آخرت اور امت کے لئے ایک حجت تام فرما دی، آگے اس کی اشاعت، اس پر عمل کرنا اور دوسروں کو عامل بنانے کی سعی کرنا آپ کا فرض ہے، خدانخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بروز قیامت اس حجت کا جواب نہ بن پڑے، اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو قبول فرمائیں اور ہم سب کو اس کی تبلیغ و اشاعت اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

رشید احمد

منتصف رمضان ۱۳۸۸ھ

تمام ہوئی وراثت کی بحث ———— ۸

تقسیمِ وراثت میں غلطیاں

① مسلمانوں میں کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو دنیائے فانی کی محبت میں پھنس کر تقسیمِ وراثت کے شرعی اصول پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں، پھر اگر خود کو گنہگار سمجھتے ہوئے اقرار کیا تو یہ فسق اور گناہِ عظیم ہے جس پر وعید کا بیان آگے آئے گا ان شاء اللہ، اور اگر خدانخواستہ قرآنی قانون سے انکار یا اس سے نفرت اور تحقیر تک نوبت پہنچ گئی تو یہ صریح کفر ہے، دنیا کے چند روزہ عیش و عشرت کی خاطر آخرت کی دائمی نعمت سے محروم ہو جانا اور عذابِ جہنم کو اختیار کرنا اور فانی مال کے منافع کے پیشِ نظر مستقبل کو برباد کر لینا اور دنیائے فانی کی تحصیل میں اپنے خالق، مالک، احکم الحاکمین اور محبوبِ حقیقی کو ناراض کرنا اور اس کے قہر و عذاب اور جہنم کی دہکتی ہوئی آگ پر جرأت کرنا کتنی بڑی حماقت، کوتاہ نظری اور ناعاقبت اندیشی ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

خلیل آسا در ملکِ یقین زن — نوائے لا احب الآفلین زن

عشقہائے کز پئے رنگے بود — عشق نبود عاقبت ننگے بود

عشق با مردہ نباشد پائیدار — عشق را با حی و با قیوم دار

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پہ مر رہا ہے

جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوقِ نظر نہیں ہے

② بعض مواضع میں یہ دستور ہے کہ بیوہ اگر دوسرا نکاح کرلے تو اسے میراث سے محروم کر دیتے ہیں، اس لئے وہ بیچاری اپنا حصۂ میراث محفوظ رکھنے کی خاطر دوسرا نکاح نہیں کرتی اور عمر بھر بیوگی کے مصائب برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ مرحوم شوہر کے اعزہ و اقرباء کے لئے شب و روز طرح طرح کے مظالم کا تختۂ مشق بنی رہتی ہے۔

③ سندھ میں یہ رواج بھی ہے کہ جو عورت شوہر کے قبیلے سے نہ ہو اسے حصۂ میراث نہیں دیتے یہ بھی بہت بڑا ظلم اور جہالت ہے، بیوی کا حصہ قرآن کریم نے بہرحال فرض کیا ہے خواہ وہ شوہر کے خاندان سے ہو یا کسی دوسرے خاندان سے۔

④ یہ جرم تو اکثر دیندار اور اہلِ علم گھرانوں میں بھی پایا جاتا ہے کہ بہنوں سے معاف

تقسیمِ وراثت کی اہمیت —— ۹

میراث معاف کروا لیتے ہیں، مگر خوب سمجھ لیں اور یاد رکھیں کہ بہنوں کے معاف کرنے سے آپ ہرگز بری الذمہ نہیں ہو سکتے، اولاً تو اس لئے کہ بہنیں جاہلیت کے رواج کے مطابق حصۂ میراث طلب کرنے کو بہت معیوب سمجھتی ہیں اور بھائیوں کی ناراضی اور لوگوں کے طعن و تشنیع سے ڈرتی ہیں۔ کافرانہ رواج نے ظلم عظیم کے ساتھ ساتھ ان مظلوم عورتوں کی زبان بندی بھی کر رکھی ہے اور وہ بیچارگی کے عالم میں بزبانِ حال پکار رہی ہیں ؎

یہ دستورِ زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں   یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

ان کے پوشیدہ درد اور صبر کا یہ عالم ہوتا ہے ؎

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد   وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

اللہ کے لئے ان بے زبان مظلوم عورتوں کی فلک شگاف آہ سے ڈریئے اور اپنے حال پر رحم کھائیے، کہیں ان کے دردناک دل کا شعلہ آپ کے خرمنِ عیش و عشرت کو خاکستر نہ کر دے۔

سید دو عالم محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینہا وبین اللہ حجاب "مظلوم کی بد دعا سے ڈرو، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کسی قسم کا کوئی حجاب نہیں" یعنی بہت جلد قبول ہوتی ہے ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن   اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

دوسروں پر ظلم کرنا درحقیقت اپنے نفس پر ظلم ہے ؎

جو جلاتا ہے کسی کو خود بھی جلتا ہے ضرور   شمع بھی جلتی رہی پروانہ جل جانے کے بعد

خبیث اور حرام مال میں کبھی برکت نہیں ہوتی ؎

ستمگر بھی کوئی دیکھا جو پھولا اور پھلا ہو گا

قرآن کریم میں ارشاد ہے: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ "اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ "اور جو چیز تم سود پر دو گے تاکہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتی اور جو رضائے الٰہی کے لئے زکوٰۃ دو گے تو ایسے لوگ اللہ کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔"

تقسیم وراثت کی اہمیت

اگر ایسا ظالم دنیوی عذاب سے بچ بھی گیا تو حساب و کتاب کا ایک متعین دن یقیناً آنے والا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ، یقیناً آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس عذاب اکبر سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

غرضیکہ اولاً تو ان کا با دل ناخواستہ محض زبان سے معاف کرنا ہی شرعاً معتبر نہیں، ثانیاً اگر شاذ و نادر کوئی عورت بشرح صدر و طیب خاطر بھی معاف کر دے تو بھی یہ معاف کرنا اور کرانا گناہ سے خالی نہیں کیونکہ اس میں خلاف شرع ہندوؤں کی ظالمانہ رسم کی ترویج و تائید ہوتی ہے جو گناہ کبیرہ ہے، ثالثاً یہ معاف کرنا شرعی اصول کے خلاف ہے، اس لئے کہ حق معاف کرنا یا چھوڑنا یا ساقط کرنا یا بری کرنا یا بخش دینا وغیرہ الفاظ سے صرف قرض معاف ہوتا ہے، ان الفاظ سے متعین چیز کی تملیک نہیں ہوتی، متعین چیز کی تملیک کے لئے ہبہ عطیہ، ہدیہ یا دینا وغیرہ کے الفاظ موضوع ہیں، مگر ترکہ میں ان الفاظ سے بھی تملیک نہیں ہوتی، کیونکہ ایسی مشترک چیز جو تقسیم کے بعد بھی قابل انتفاع ہے اس کا ہبہ شرعاً صحیح نہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ وقتاً فوقتاً عید وغیرہ کے مواقع پر بہنوں کو جو ہدایا دینے کا دستور ہے وہ اس کے عوض میں اپنا حصۂ میراث بھائیوں کو دیتی ہیں، یہ خیال بھی غلط ہے، اس لئے کہ اس بیع پر بہنوں کی رضامندی نہیں پائی جاتی بلکہ وہ رواج کے مطابق مجبور ہیں، نیز مختلف مواقع پر دیئے جانے والے ہدایا کی مقدار اور جنس اور مالیت مجہول ہے، لہٰذا یہ بیع صحیح نہیں، غرضیکہ حرام کو حلال بنانے اور بے زبان مظلوم بہنوں کا حصۂ میراث ہضم کرنے کے لئے جو چالیں بھی چلی جاتی ہیں وہ سب شرعاً مردود اور باطل ہیں۔

(۵) میت کی یادگار کے طور پر کسی چیز کو معمولی سمجھ کر یا متبرک سمجھ کر بعض وارث ترکہ میں سے بعض اشیاء پر بدون اطلاع یا بدون رضا دوسرے وارثوں کے قبضہ کر لیتے ہیں، یہ بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے جو حق العبد ہونے کی وجہ سے توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا خواہ وہ ادنیٰ سی چیز ہی کیوں نہ ہو، پھر اگر وارثوں میں کوئی نابالغ بھی ہے تو اس سے معاف کروانے پر بھی معاف نہ ہوگا جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے اس کا معاف کرنا شرعاً معتبر نہیں، پس اگر اس کے بلوغ سے قبل ہی وہ یا یہ چل بسا تو عذاب آخرت سر پر رہا، اعاذنا اللہ منہ، ایسا تبرک حاصل کر کے عذاب جہنم اختیار کرنا کتنی بڑی حماقت اور ناعاقبت اندیشی ہے، البتہ اگر سب وارث عاقل و بالغ ہوں اور سب کی طیب خاطر سے رضامندی کا پورا یقین

ہو تو کچھ حرج نہیں، مجنون اور نابالغ کی رضا کا اعتبار نہیں، بہر کیف اس سے احتراز ہی بہتر ہے اس لئے کہ سب وارثوں کی رضا کا یقین مشکل ہے، نیز اپنے نفس کو دوسروں پر ترجیح دینا اور کچھ طلب کرنا مروت اور جذبۂ ایثار کے خلاف ہے لہٰذا اس کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ ہر چیز سب وارثوں پر بقدر حصص تقسیم کی جائے، اگر کوئی چیز ناقابل تقسیم ہو تو اسے کوئی ایک وارث خرید لے اور اس کی قیمت سب پر بقدر حصص تقسیم کی جائے، اگر کسی چیز میں سب وارثوں کو رغبت ہو تو اسے آپس میں نیلام کرلیں، جو زیادہ قیمت دے اس کو دیدی جائے۔

غزوۂ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار میں الغرور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر استعمال ہوتے ہوتے ایک دندانہ پڑگیا تھا، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد یہ تلوار ان کے صاحبزادے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس رہی اور انکی شہادت کے بعد ان کے بھائی عروۃ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس رہی، یہ تلوار بہت متبرک تھی کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوۂ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر ایسی قوت و شدت کے ساتھ استعمال ہوئی تھی کہ اس پر ایک نشان ہمیشہ کے لئے یادگار رہ گیا تھا اس لئے عروۃ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادوں میں سے عثمان بن عروۃ نے یہ مقدس تلوار تین ہزار میں خرید لی، اس پر ان کے بھائی ہشام بن عروۃ فرماتے ہیں: وددت انی کنت اخذتہ "میری خواہش یہ تھی کہ یہ تلوار مجھے مل جاتی" رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاھم وجعل الجنۃ مثواھم ومأواھم ورزقنا حبھم واتباعھم. آمین۔

"اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوں اور ان کو راضی کریں اور ان کا ٹھکانہ جنت میں کریں اور ہم سب کو ان کی محبت اور اتباع کی نعمت عطا فرمائیں۔" آمین

(۶) کفن میں سے کچھ کپڑے کا مصلّی بنایا جاتا ہے جس پر نماز پڑھانے والا کھڑا ہوتا ہے اور بعد میں نماز جنازہ پڑھانے والے یا غسل دینے والے کو دیا جاتا ہے، نیز قبر پر رکھنے کے لئے روح کیوڑہ اور اگر بتی وغیرہ ساتھ لے جاتے ہیں یہ امور دین میں زیادتی اور بدعت ہونے کے علاوہ اس لئے بھی ناجائز ہیں کہ یہ مال شرعی تجہیز و تکفین سے زائد ہونے کی وجہ سے ترکہ میں داخل ہے جس کے احکام اور اس میں احتیاط کی تاکید و اہمیت اوپر بیان ہوئی۔

(۷) میت کو ایصال ثواب کے لئے ترکہ میں سے مال خرچ کیا جاتا ہے اس میں بھی وہی

تقسیم وراثت کی اہمیت ـــــــــــ ۲۰

تبا حتیں ہیں کہ سب وارثوں کی رضامندی حاصل نہیں کی جاتی، بعض وارث غائب ہوتے ہیں تو بھی بدون ان کی اطلاع و رضا کے مال خرچ کر دیا جاتا ہے، واگر سب کی رضا حاصل کرنے کی کوشش بھی کی گئی تو طیب خاطر سے سب کی رضامندی متیقن نہیں، پھر اگر وارثوں میں کوئی نابالغ یا دیوانہ ہو تو اس کی رضا سے بھی اسکا مال خرچ کرنا جائز نہیں، یتیم کا مال کھانے پر قرآن کریم میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں جن کا بیان آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

⑧ بعض مرتبہ کوئی وارث خود کو سب کا بڑا اور متولی سمجھ کر پورے ترکہ پر جبراً قابض و متصرف رہتا ہے اور اس میں من مانی کارروائی کرتا ہے، دوسرے وارثوں کے مطالبہ پر بھی تقسیم نہیں کرتا اور یتیموں کے مال میں تصرف کرنے سے نہیں ڈرتا، فَمَآ أَصۡبَرَهُمۡ عَلَى ٱلنَّارِ "یہ لوگ جہنم کی آگ پر کتنے صابر اور جری ہیں" اعاذنا اللہ تعالیٰ منہا۔

⑨ اگر وارثوں میں کوئی نابالغ یا مجنون ہو تو تقسیم ترکہ اور اس میں تجارت، اور زمین میں زراعت وغیرہ تصرفات کا مختار صرف ولی یعنی باپ، پھر اسکا وصی، پھر دادا، پھر اسکا وصی اور پھر حاکم مسلم ہے، صغیر کی زمین بیچنے کا اختیار بجز چند مخصوص صورتوں کے ولی کو بھی نہیں، ماں بھائی اور چچا وغیرہ کو تقسیم ترکہ اور اس میں تجارت و زراعت وغیرہ کی اجازت نہیں، البتہ ان کے مال کی حفاظت، بیع منقول بغرض حفاظت اور ان کی خوراک، پوشاک وغیرہ ضروریات خریدنے کی اجازت ہے بشرطیکہ صغیر ان کی پرورش میں ہو۔

اسی طرح کوئی وارث لاپتہ ہو تو تقسیم ترکہ اور اس کے حصہ میں تصرف کا اختیار صرف حاکم مسلم کو ہے، حاکم مسلم کی عدم موجودگی میں شہر کے دیانتدار لوگ کسی کو متولی بنا دیں۔

علم میراث کی فضیلت و اہمیت

یہ امر بدیہی اور مسلم ہے کہ جو عمل جس حد تک اہم اور مؤکد ہوتا ہے اس کا علم حاصل کرنا بھی اتنی فضیلت اور اہمیت رکھتا ہے لہٰذا ذیل میں علم میراث کی فضیلت اور اس کی اہمیت بیان کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ اس کے مطابق عمل کرنے کی شریعت نے کتنی تاکید فرمائی ہے اور اسے کتنا اہم قرار دیا ہے۔

① روی البیہقی والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم فرائض (علم میراث) سیکھو اور لوگوں کو سکھلاؤ اسلئے

شریعت کے مطابق تقسیم وراثت کی اہمیت
اور اس کے خلاف پر وعید

○ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا (۴-۲)

اور یتیموں کے مال انہی کو دیتے رہو، یعنی انہی کے خرچ میں لگاتے رہو اور تم ان کی اچھی چیز سے (اپنی بری چیز کو) مت بدلو اور ان کے مال مت کھاؤ اپنے مالوں (کے ساتھ ملا کر) ایسی کارروائی کرنا بڑا گناہ ہے، یعنی جب تمہارے پاس کچھ نہ رہے تو بقدر حق الخدمت اپنے گزارے کے لئے ان کے مال سے لینا درست ہے۔

(۲) وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْھُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْھِمْ اَمْوَالَھُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْھَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ (۴-۶)

اور تم یتیموں کو آزما لیا کرو یہاں تک کہ جب وہ بالغ ہو جائیں پھر اگر ان میں کچھ تمیز دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالہ کر دو اور ان اموال کو ضرورت سے زائد اٹھا کر اور اس خیال سے کہ یہ بالغ ہو جاویں گے جلدی اڑا کر مت کھا ڈالو۔

(۳) لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا (۴-۷)

مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں، خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر، حصہ بھی ایسا جو قطعی طور پر مقرر ہے۔

(۴) اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (۴-۱۰)

بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔

(۵) يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ

اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں تمہاری اولاد کے بارے میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

احکام میراث کی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں:

(۶) تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (۴-۱۳، ۱۴)

یہ سب احکام مذکورہ اللہ تعالیٰ کے ضابطے ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اطاعت کریگا اللہ تعالیٰ اس کو ایسی بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا اس کو آگ میں داخل کر دیں گے اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہوگی۔

---

(۷) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۚ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ (۴-۱۹)

اے ایمان والو! تمہیں یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے مال یا جان کے جبراً مالک ہو جاؤ اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ وصول کر لو مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں یعنی اگر عورت شوہر کی نافرمان اور بدخلق ہے تو خاوند کو جائز ہے کہ بدون مال لئے ہوئے جو مہر سے زیادہ نہ ہو اس کو نہ چھوڑے۔

(۸) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (۴-۲۹)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ۔

(۹) وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۠ (۴-۳۳)

اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار لوگ چھوڑ جائیں ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ دیدو بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہیں۔

(۱۰) اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ (۴-۵۸)

بیشک اللہ تعالیٰ تم کو اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو۔

(۱۱) وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي

اور وہ لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ

الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝ (۴-۱۲۷)

ان کے بارے میں تم کو حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی (حکم دیتی ہیں) جو قرآن کریم میں تمہیں پڑھ کر سنائی جایا کرتی ہیں جو کہ ان یتیم عورتوں کے باب میں نازل ہیں جن کو ان کا مقررہ حق نہیں دیتے ہو اور ان کے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کرتے ہو اور جو آیات کمزور بچوں کے باب میں ہیں اور جو آیات اس باب میں ہیں کہ یتیموں کی تمام کارگزاری انصاف کے ساتھ کرو اور تم جو نیک کام کرو گے سو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں۔

سورۂ نساء کے آخر میں احکام میراث کے بعد ارشاد ہے۔

(۱۲) يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (۴-۱۷۶)

اللہ تعالیٰ تم سے دین کی باتیں اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تم گمراہی میں نہ پڑو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

(۱۳) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ (۶-۱۵۲)

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے۔

(۱۴) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ (۱۷-۳۴)

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے۔

(۱۵) وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ (۸۹-۱۹-۲۰)

اور تم لوگ میراث کا مال سارا سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو۔

اس کے بعد قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر فرمایا ہے کہ ان کو یاد کر کے ایسے جرائم سے باز آجاؤ

(۳) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ (رواہ ابن ماجہ ورواہ البیہقی فی شعب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے وارث کا حق مارا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے اس کے حصہ سے محروم کر دیں گے۔

(۱۷) عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من کانت له مظلمة لاخیه من عرضه او شیء فلیتحلله منه الیوم قبل ان لا یکون دینار ولا درهم ان کان له عمل صالح اخذ منه بقدر مظلمته وان لم تکن له حسنات اخذ من سیئات صاحبه فحمل علیه (رواه البخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہو تو وہ اس سے آج ہی معاف کرالے اس روز سے قبل کہ جب نہ دینار ہوگا اور نہ درہم، اگر ظالم کے پاس کوئی عمل صالح ہوگا تو بقدر اس کے ظلم کے اس سے لیکر مظلوم کو دیدیا جائے گا، اگر ظالم کے پاس حسنات نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے۔

(۱۸) عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اتدرون ما المفلس قالوا المفلس فینا من لا درهم له ولا متاع فقال ان المفلس من امتی من یأتی یوم القیامة بصلوة وصیام وزکوة ویأتی قد شتم هذا وقذف هذا واکل مال هذا وسفک دم هذا وضرب هذا فیعطی هذا من حسناته وهذا من حسناته فان فنیت حسناته قبل ان یقضی ما علیه اخذ من خطایاهم فطرحت علیه ثم طرح فی النار (رواه مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم میں مفلس وہ ہے کہ جس کے پاس نہ درہم ہے اور نہ کوئی سامان، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درحقیقت میری امت میں سے مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز نماز روزے اور زکوۃ وغیرہ عبادات لائے گا مگر اس نے کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی پر بہتان لگایا ہوگا اور کسی کا مال کھایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، پس ان مظلوموں کو اس کی حسنات دی جائیں گی، اگر اس کی حسنات ادائے حقوق سے قبل ختم ہوگئیں تو مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اس کو جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

(۱۹) عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لتؤدن الحقوق الی اهلها یوم القیامة حتی یقاد للشاة الجلحاء من الشاة القرناء (رواه مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم قیامت کے روز اہل حقوق کو ان کے حقوق ضرور بالضرور ادا کروگے حتی کہ بے سینگ والی بکری کے لئے سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔

تقسیم وراثت کی اہمیت

(۴۰) عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیٰمۃ واتقوا الشح فان الشح اھلک من کان قبلکم حملھم علی ان سفکوا دماءھم واستحلوا محارمھم (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن بہت سی ظلمتوں کا باعث ہوگا اور حرص سے بچو کیونکہ بیشک حرص نے ہی تم سے پہلی امتوں کو ہلاک کیا، حرص نے انہیں خون بہانے اور محارم کو حلال سمجھنے پر برانگیختہ کیا۔

(۴۱) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الظلم ظلمات یوم القیٰمۃ (رواہ الشیخان)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم قیامت کے روز بہت سی ظلمتوں اور آفتوں کا باعث ہوگا

---

(۴۲) عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیملی للظالم حتی اذا اخذہ لم یفلتہ ثم قرأ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القریٰ وھی ظالمۃ۔ الآیۃ (متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ظالم کو کچھ مدت تک مہلت دیتے ہیں حتی کہ جب اس پر گرفت فرماتے ہیں تو پھر نہیں چھوڑتے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی، وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القریٰ وھی ظالمۃ۔ آخر تک۔ ترجمہ: اور آپ کے رب کی داروگیر ایسی ہی ہے جب وہ کسی بستی والوں پر داروگیر کرتا ہے جب کہ وہ ظلم کیا کرتے ہیں، بلاشبہ اس کی داروگیر بڑی الم رساں سخت ہے۔

---

(۴۳) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدواوین ثلاثۃ دیوان لا یغفر اللہ الاشراک باللہ یقول اللہ عز وجل ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ، ودیوان لا یترکہ اللہ ظلم العباد فیما بینھم حتی یقتص بعضھم من بعض ودیوان لا یعبأ اللہ بہ ظلم العباد فیما بینھم وبین اللہ فذاک الی اللہ ان شاء عذبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال نامے تین قسم کے ہیں۔
(۱) جسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشیں گے وہ شرک ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔
(۲) بندوں کے ایک دوسرے پر مظالم جن کو ان کو ایک دوسرے سے قصاص دلائے بغیر نہیں بخشیں گے۔ (۳) حقوق اللہ میں کوتاہی

وان شاء تجاوز عنه (رواه البيهقي في شعب الايمان)

یہ اللہ کی نظر میں اتنی بڑی بات نہیں وہ چاہیں تو اس پر عذاب کریں اور چاہیں تو بخش دیں۔

(۳۴) عن علي رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اياك ودعوة المظلوم فانما يسأل الله تعالى حقه وان الله لا يمنع ذا حق حقه (رواه البيهقي في شعب الايمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مظلوم کی بددعا سے ڈرو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق طلب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حقدار سے اس کا حق نہیں روکتے۔

---

(۳۵) عن سعيد بن زيد رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اخذ شبرا من الارض ظلما فانه يطوقه يوم القيامة من سبع ارضين (رواه الشيخان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی کی زمین سے ظلماً ایک بالشت جگہ لی اس کو قیامت کے روز سات زمینوں سے اس کا طوق پہنایا جائے گا۔

---

(۳۶) عن ابي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا لا تظلموا الا لا يحل مال امرئ الا بطيب نفس منه (رواه البيهقي في شعب الايمان والدارقطني في المجتبى)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار! ظلم مت کرو، خبردار! کسی شخص کا مال بدون اس کی طیب خاطر کے حلال نہیں۔

---

(۳۷) عن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال من انتهب نهبة فليس منا (رواه الترمذي)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کوئی چیز غصب کی وہ ہم میں سے نہیں۔

---

(۳۸) عن سالم عن ابيه رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اخذ من الارض شيئا بغير حق خسف به يوم القيامة الى سبع ارضين (رواه البخاري)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی کی زمین سے ناحق کچھ لیا اسے قیامت کے روز سات زمینوں تک غرق کیا جائے گا۔

تقسیم وراثت کی اہمیت

۲۰ ——

(۲۹) عن یعلی بن مرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اخذ ارضا بغیر حقہا کلف ان یحمل ترابہا الی المحشر (رواہ احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی کی زمین ناحق دبائی اس پر حشر میں اس زمین کی مٹی لادی جائے گی۔

(۳۰) وعنہ رضی اللہ تعالی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ایما رجل ظلم شبرا من الارض کلفہ اللہ عز وجل ان یحفرہ حتی یبلغ آخر سبع الارضین ثم یطوقہ الی یوم القیامۃ حتی یقضی بین الناس (رواہ احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے زمین سے ایک بالشت ظلماً لی، اللہ تعالیٰ اس کو اس کی تکلیف دیں گے کہ وہ اس کو سات زمینوں کے آخر تک کھودے، پھر یوم قیامت کے آخر تک یعنی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے تک اس کو اس کا طوق پہنائیں گے۔

حلال کھانے کی تاکید اور حرام پر وعید

اوپر بہت سی آیات واحادیث میں کسی کا حق ظلماً دبانے پر سخت وعیدیں گزر چکی ہیں، یہاں مزید کچھ آیات واحادیث تحریر کی جاتی ہیں۔

(۳۱) کُلُوا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ (۲-۵۷) کھاؤ پاک ان چیزوں سے جو کہ ہم نے تمہیں دی ہیں

(۳۲) یٰٓاَیُّہَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (۲-۱۶۸)

اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے حلال پاک چیزوں کو کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو، فی الواقع وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

(۳۳) یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ (۲-۱۷۲)

اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کرو، اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو۔

(۳۴) وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور

بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (۲-۱۸۸)

پر مت کھاؤ اور ان کے جھوٹے مقدمہ کو حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ اسکے ذریعہ سے لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق گناہ یعنی ظلم کے کھا جاؤ اور تم کو اپنے جھوٹ اور ظلم کا علم بھی ہو۔

(۳۵) الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۲-۲۷۵)

جو لوگ سود کھاتے ہیں (یعنی لیتے ہیں) نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان خبطی بنا دے لپٹ کر (یعنی دیوانہ) یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے، پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ (حکم آنے سے) پہلے (لینا) ہو چکا ہے وہ اسی کا رہا اور (باطنی) معاملہ اس کا اللہ کے حوالہ رہا اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں جاویں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۳۶) يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ (۲-۲۷۶)

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو اور کسی گناہ کرنے والے کو۔

(۳۷) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۞ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۞ (۲-۲۷۸، ۲۷۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو، پھر اگر تم (اس پر عمل) نہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے (یعنی تم پر جہاد ہوگا) اور اگر تم توبہ کرو تو تم کو تمہارے اصل مال مل جاویں گے (اور اس قانون کے بعد) نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پاوے گا۔

(۵۲) وَمَآ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّیَرۡبُوَا۠ فِیۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰہِ ۚ وَمَآ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ زَکٰوۃٍ تُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ ۝ (۳۰-۳۹)

اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتی اور جو زکوٰۃ دو گے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے لوگ اللہ کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔

(۵۳) وَوَضَعَ الۡمِیۡزَانَ ۙ اَلَّا تَطۡغَوۡا فِی الۡمِیۡزَانِ (۵۵-۷،۸)

اور اس نے ترازو رکھدی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔

(۵۴) وَاَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ (۵۵-۹)

اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت۔

(۵۵) وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۙ الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ ۫ۖ وَاِذَا کَالُوۡہُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡہُمۡ یُخۡسِرُوۡنَ ؕ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّہُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ۙ یَّوۡمَ یَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ (۸۳-۱ تا ۶)

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لےلیں اور جب اُن کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے جس دن تمام آدمی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونگے۔

یہود کی مذمت میں فرماتے ہیں:

(۵۶) فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِیۡنَ ہَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَیۡہِمۡ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَہُمۡ وَبِصَدِّہِمۡ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کَثِیۡرًا ۙ وَّاَخۡذِہِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُہُوۡا عَنۡہُ وَاَکۡلِہِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ مِنۡہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۝ (۴-۱۶۰،۱۶۱)

سو یہود کے انہی بڑے بڑے جرائم کے سبب بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں ہم نے ان پر حرام کردیں اور بسبب اسکے کہ وہ بہت آدمیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ سے مانع بن جاتے تھے اور بسبب اسکے کہ وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ ان کو اس سے ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اسکے کہ وہ لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھا جاتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کے لئے جو ان میں سے کافر ہیں دردناک سزا کا سامان کر رکھا ہے۔

(۵۸) سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ (۵-۴۲)
یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں بڑے حرام کھانے والے ہیں۔

(۵۹) وَتَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَکْلِھِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۵-۶۲)
اور آپ ان میں بہت ایسے آدمی دیکھتے ہیں، جو دوڑ دوڑ کر گناہ و ظلم اور حرام کھانے پر گرتے ہیں واقعی ان کے یہ کام بُرے ہیں۔

(۶۰) لَوْلَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِھِمُ الْاِثْمَ وَاَکْلِھِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ○ (۵-۶۳)
ان کے مشائخ و علماء ان کو گناہ کی بات اور حرام کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے؟ واقعی ان کی یہ عادت بُری ہے۔

(۶۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا وان اللہ امر المؤمنین بما امر بہ المرسلین فقال یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا وقال یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ثم ذکر الرجل یطیل السفر اشعث اغبر یمد یدیہ الی السماء یا رب یا رب ومطعمہ حرام ومشربہ حرام وملبسہ حرام وغذی بالحرام فانی یستجاب لذلک (رواہ مسلم)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو بھی اسی چیز کا حکم دیا ہے جس کا رسولوں کو حکم دیا، پس فرمایا کہ اے پیغمبرو! کھاؤ پاک چیزوں سے اور نیک عمل کرو اور فرمایا اے ایمان والو! تم کھاؤ پاک چیزوں سے جو ہم نے تم کو عطا کیں، پھر آپ نے ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرے گا، پراگندہ بال ہوگا غبار آلود ہوگا اور آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کے اے میرے رب، اے میرے رب پکارتا ہے، حالانکہ اس کا کھانا حرام ہوگا اور اس کا پینا حرام ہوگا اور اس کا لباس حرام ہوگا اور اس کی غذا حرام ہوگی تو اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟

تنبیہ: مسافر کی دعا مقبول ہوتی ہے اور لمبا سفر مزید موجب قبول ہے، ایسے ہی پراگندہ بال اور غبار آلود ہونا عجز و انکسار اور اضطرار و شکستگی کا مظہر ہے جو قبول دعا کا موجب ہے، اسی طرح آسمان کی طرف ہاتھ پھیلانا اور یا رب یا رب پکارنا بھی احتیاج کا مظہر ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت میں جوش لاتا ہے، غرضیکہ قبول دعا کے ان تمام

اسباب و مواقع کے ہوتے ہوئے بھی صرف حرام سے پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے دُشوار کر دی جاتی ہے، ذرا اپنے حالات کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ آج دُعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟
اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حرام سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین

(٦١) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأتی علی الناس زمان لا یبالی المرء ما یاخذ منہ امن الحلال ام من الحرام (رواہ البخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ انسان اس کی کچھ پروا نہ کرے گا کہ اس نے مال کہاں سے لیا حلال سے لیا یا حرام سے۔

زاد رزین فاذا ذالک لا تجاب لھم دعوۃ (جمع الفوائد)

رزین نے یہ الفاظ بھی روایت کئے ہیں اس وقت اُن کی دُعا قبول نہ کی جائے گی۔

(٦٢) عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحلال بین والحرام بین و بینھما مشتبھات لا یعلمھن کثیر من الناس فمن اتقی الشبھات استبرأ لدینہ و عرضہ، ومن وقع فی الشبھات وقع فی الحرام کالراعی یرعی حول الحمی یوشک ان یرتع فیہ الا وان لکل ملک حمی الا وان حمی اللہ محارمہ الا وان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب (رواہ الشیخان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال ظاہر اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں کہ جن سے بہت سے لوگ غافل ہیں پس جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا اور جو شخص ان مشتبہ چیزوں میں واقع ہو گیا وہ حرام میں واقع ہو گا جیسے کہ کوئی چرواہا کسی کی مخصوص چراگاہ کے قریب اپنے مویشی چرائے تو بعید نہیں کہ کسی وقت اس ممنوع چراگاہ کے اندر داخل ہو جائے، خبردار! بے شک ہر بادشاہ کے لئے ایک مخصوص چراگاہ اور ممنوعہ علاقہ ہوتا ہے، خبردار! بیشک اللہ تعالیٰ کا ممنوعہ علاقہ اس کی حرام کردہ اشیاء ہیں، خبردار! بیشک جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب یہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب یہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، خبردار! وہ ٹکڑا دل ہے۔

(٦٣) عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

تقسیم وراثت کی اہمیت ——— ۲۷

عنهما قال حفظت من رسول الله صلی الله علیه وسلم دع ما یریبك الی ما لا یریبك (رواہ احمد والترمذی والنسائی)

فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث حفظ کی کہ مشتبہ چیز کو چھوڑ کر غیر مشتبہ کو اختیار کرو۔

تنبیہ: جب مشتبہ کی چیزوں سے بچنے کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر سخت تاکید فرمائی ہے تو غور فرمایئے کہ حرام سے بچنا کتنا مؤکد اور اہم ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کی سمجھ اور توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

(۹۴) عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا یکسب عبد مالا من حرام فیتصدق منه فیقبل منه ولا ینفق منه فیبارك له فیه ولا یترکه خلف ظهره الا کان زاده الی النار ان الله لا یمحو السیئ بالسیئ ولکن یمحو السیئ بالحسن ان الخبیث لا یمحو الخبیث (رواہ احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی انسان حرام مال کما کر اس سے صدقہ کرتا ہے تو وہ صدقہ قبول نہیں کیا جاتا اور اس حرام مال سے اپنی ضروریات میں خرچ کرتا ہے تو اس میں اس کے لئے برکت نہیں دی جاتی، اور جب ایسا مال چھوڑ کر مرجاتا ہے تو وہ صرف جہنم کا سامان ہوگا، بے شک اللہ تعالیٰ گناہوں کو حرام مال سے صدقہ کرنے سے نہیں مٹاتے بلکہ حلال مال سے صدقہ کرنے سے گناہوں کو مٹاتے ہیں۔ خبیث مال گناہوں کے خبث کو نہیں مٹاتا۔

تنبیہ: حرام مال سے صدقہ دیکر ثواب کی امید رکھنے کو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے کفر کہا ہے۔

(۹۵) عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یدخل الجنة لحم نبت من السحت وکل لحم نبت من السحت کانت النار اولی به (رواہ احمد والدارمی والبیهقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو گوشت حرام سے پیدا ہوا وہ جنت میں نہ جائیگا، اور ہر وہ گوشت جو حرام سے پیدا ہوا جہنم کی آگ کا مستحق ہے۔

(۹۶) عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت کان لابی بکر رضی الله تعالیٰ عنه غلام یخرج له الخراج فکان ابو بکر رضی الله

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام تھا جو آپ کو مال کی معین مقدار ادا کیا کرتا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس

تعالیٰ عنہ یأکل من خراجہ فجاء یوماً بشیء فأکل منہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال لہ الغلام تدری ما ھذا فقال ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وما ھو قال کنت تکھنت لانسان فی الجاھلیۃ وما احسن الکھانۃ الا انی خدعتہ فلقینی فاعطانی بذلک فھذا الذی اکلت منہ قالت فادخل ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یدہ فقاء کل شیء فی بطنہ (رواہ البخاری)

مال سے کھایا کرتے تھے پس وہ ایک دن کچھ لایا جس سے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ کھایا، پھر غلام نے پوچھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ کیا ہے؟ تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ تو غلام نے کہا کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک شخص کے لئے فال نکالی تھی حالانکہ میں فال نکالنا نہ جانتا تھا مگر میں نے اسکو دھوکہ دیا، اب وہ شخص مجھ سے ملا تو اس نے اس فال کے عوض کچھ دیا، یہ وہی ہے جس کو آپ نے کھایا۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ میں داخل کیا اور جو کچھ پیٹ میں تھا سب قے کر دیا۔

(۶۷) عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یدخل الجنۃ جسد غذی بالحرام (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو جسم حرام سے غذا دیا گیا ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

(۶۸) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال من اشتری ثوبا بعشرۃ دراھم وفیہ درھم حرام لم یقبل اللہ تعالیٰ لہ صلوٰۃ ما دام علیہ ثم ادخل اصبعیہ فی اذنیہ وقال صمتا ان لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمعتہ یقولہ (رواہ احمد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس شخص نے دس درہموں کے عوض کپڑا خریدا حالانکہ ان میں ایک درہم حرام تھا تو جب تک یہ کپڑا اس پر رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہ فرمائیں گے پھر اپنے کانوں میں دونوں انگلیاں داخل کر کے فرمایا کہ اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں فرماتے ہوئے نہ سنا ہو تو یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں۔

(۶۹) ابو الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفعہ من کسب مالا من حرام فاعتق منہ ووصل منہ رحمہ کان ذلک اصرا علیہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے حرام سے کچھ مال کمایا، پھر اس سے غلام آزاد کیا اور اس سے صلہ رحمی کی

(جمع الفوائد) تو بجائے ثواب کے گناہ ہوگا

اور بزرگوں کا ہے کہ فقہاء کرام نے بہ نیت ثواب حرام سے صدقہ کرنے کو کفر قرار دیا ہے۔

(۷۰) میمونة بنت سعد رضی الله تعالی عنها قالت افتنا یا رسول الله عن السرقة قال من اکلها وهو یعلم انها سرقة فقد شرک فی اثمها [illegible] (جمع الفوائد)

حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ تعالی عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چوری کا حکم بتائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ چوری کا مال ہے اسے کھایا تو بلاشبہ وہ اس کی چوری کے گناہ میں شریک ہوگیا۔

تنبیہ: اس حدیث سے وہ لوگ سبق حاصل کریں جو دیدہ ودانستہ ایسے لوگوں کے ہاں کھاتے پیتے رہتے ہیں جن کی آمدنی حرام کی ہے یا وارثوں اور یتیموں کا حق دبائے بیٹھے ہیں۔

(۷۱) عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم المعدة حوض البدن والعروق الیها واردة فاذا صحت المعدة صدرت العروق بالصحة واذا سقمت المعدة صدرت العروق بالسقم (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معدہ بدن کا حوض ہے، بدن کی عروق اس تک پہنچی ہیں پس جب معدہ تندرست ہوگا تو عروق تندرستی لیکر لوٹیں گی اور جب معدہ فاسد ہوگا تو عروق بیماری لیکر لوٹیں گی۔

اس حدیث میں اگرچہ ظاہری وجسمانی صحت ومرض کا بیان ہے مگر بلاشبہ باطنی صحت ومرض کا بھی یہی حال ہے۔

پیٹ کی مثال ایسے حوض جیسی ہے جس کے اردگرد مختلف کیاریوں میں سبزہ اور پھول لگے ہوئے ہوں اور اس حوض سے نالیوں کے ذریعہ یہ کیاریاں سیراب ہوتی ہوں پس اگر حوض کا پانی صاف ہے اور اپنے اندر پوری پوری قوت نامیہ رکھتا ہے تو یہ کیاریاں خوب پھل پھول دیں گی اور اگر حوض کے پانی میں شورہ یا کانمک وغیرہ ہے تو کیاریوں میں ڈالے ہوئے تخم کو جلا کر رکھ دے گا، اسی طرح پیٹ میں غذا حلال طیب ہے تو اس سے خون صالح پیدا ہوگا اور وریدوں وشریانوں کے ذریعہ آنکھ، کان وغیرہ تک جو غذا پہنچے گی تو ان اعضاء میں نمو اور پھل پیدا ہوں گے یعنی اللہ تعالی کی

[illegible]

عبادت اور رضا جوئی میں مشغول رہیں گے اور اگر پیٹ میں طعام خبیث و حرام ہے تو اس سے فاسد خون پیدا ہوگا جو وریدوں و شریانوں کے ذریعہ اعضاء تک پہنچ کر ان کی قدرتی صلاحیت یعنی فرمانبرداری اور اطاعت خداوندی کی استعداد کو جلا کر خاک کر دیگا ایسے اعضاء کو حسنات کی توفیق نہیں ہوتی۔

(۴۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتیت لیلۃ اسری بی علی قوم بطونھم کالبیوت فیھا الحیات تری من خارج بطونھم فقلت من ھؤلاء یا جبریل قال ھؤلاء اکلۃ الربا وفی روایۃ من اصحاب (رواہ احمد وابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں معراج کی رات ایک ایسے گروہ پر گزرا جن کے پیٹ مکانوں کی طرح (بڑے بڑے) تھے اور ان کے اندر سانپ بھرے ہوئے تھے جو پیٹ کے باہر سے دکھائی دیتے تھے، میں نے کہا اے جبریل! یہ لوگ کون ہیں؟ اس نے کہا کہ یہ سود کھانے والے لوگ ہیں۔

(۴۳) عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فانطلقنا حتی اتینا علی نھر من دم فیہ رجل قائم وعلی وسط النھر وعلی شط النھر رجل بین یدیہ حجارۃ فاقبل الرجل الذی فی النھر فاذا اراد ان یخرج رمی الرجل بحجر فی فیہ فردہ حیث کان فجعل کلما جاء لیخرج رمی فی فیہ بحجر فیرجع کما کان فقلت ما ھذا فقال الذی فی النھر آکل الربا۔ (رواہ البخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل و میکائیل علیہما السلام) آگے بڑھے یہاں تک کہ ایک خون کی نہر پر جا کر گزر ہوا، اس نہر کے بیچ میں ایک شخص کھڑا ہوا تھا اور کنارے پر ایک دوسرا آدمی تھا جس کے پاس پتھر تھے پھر نہر کے اندر والے شخص نے کنارے کی طرف رخ کیا اور جب نہر سے باہر نکلنا چاہا تو باہر والے آدمی نے اس کے منہ پر پتھر کھینچ مارا اور پھر اسے اپنی جگہ پر واپس کر دیا، اس طرح جب بھی نہر کے اندر والے شخص نے باہر نکلنا چاہا کنارے والے نے اس کو پتھر مار کر واپس کر دیا، میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ جو شخص نہر میں ہے یہ سود خور ہے۔

(۴۴) عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال

لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء (رواہ البخاری ومسلم ولفظہ لمسلم)

سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، سود کا معاملہ لکھنے والے پر اور سود کے معاملہ کے دونوں گواہوں پر، اور فرمایا کہ گناہ میں وہ سب برابر ہیں۔

(۵) عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الربا سبعون جزءا ایسرھا ان ینکح الرجل امہ (رواہ ابن ماجۃ والبیھقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود کے ستر حصے ہیں اور سب سے کم حصہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔

(۶) عن عبد اللّٰہ بن حنظلۃ غسیل الملائکۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم درھم ربوا یاکلہ الرجل وھو یعلم اشد من ستۃ وثلثین زنیۃ (رواہ احمد والدارقطنی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود کا ایک درہم جسے کوئی شخص جانتے ہوئے کھاتا ہے چھتیس زنا سے بھی بدتر ہے۔

وروی البیھقی فی شعب الایمان عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما وزاد وقال من نبت لحمہ من السحت فالنار اولیٰ بہ۔

اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ مضمون بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا گوشت حرام مال سے پیدا ہوا وہ آگ کا مستحق ہے۔

دُنیا سے زہد اور آخرت کی ترغیب

(۷۷) زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝

خوشنما معلوم ہوتی ہے اکثر لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً) عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے چاندی کے، نمبر (یعنی نشان) لگے ہوئے گھوڑے ہوئے یا دوسرے مواشی ہوئے اور زراعت ہوئی

قُلْ أَؤُنَبِّئُكُم بِخَيْرٍ مِّن ذَٰلِكُمْ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳ - ۱۴، ۱۵﴾

لیکن یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگی کی اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ کیا تمہیں کوئی ایسی چیز بتاؤں جو بدرجہا بہتر ہو ان چیزوں سے (سنو) ایسے لوگوں کے لئے (جو اللہ سے) ڈرتے ہیں ان کے مالک (حقیقی) کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں جن کے پائیں میں نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کے لئے ایسی بیبیاں ہیں جو صاف ستھری کی ہوئی ہیں اور ان کے لئے خوشنودی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے بھالتے ہیں بندوں کو۔

(۷۸) وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿۳ - ۱۸۵﴾

اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں ہے صرف دھوکے کا سودا ہے۔

(۷۹) لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ ﴿۳ - ۱۹۶، ۱۹۷﴾

تجھے ان کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا مغالطہ میں نہ ڈال دے، چند روزہ بہار ہے پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا، اور وہ بری آرامگاہ ہے۔

(۸۰) فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۝ ﴿۴ - ۷۴﴾

تو ہاں اس شخص کو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑے جو آخرت کی زندگی کے بدلے دنیوی زندگی اختیار کئے ہوئے ہیں۔

(۸۱) قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝ ﴿۴ - ۷۷﴾

کہہ فرما دیجئے کہ دنیا کا تمتع محض چند روزہ ہے اور آخرت ہر طرح سے بہتر ہے اس شخص کے لئے جو اللہ کی مخالفت سے بچے اور تم پر تاگے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔

(۸۲) تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ﴿۴ - ۹۴﴾

تم دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش کرتے ہو سو اللہ تعالیٰ کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں۔

(۸۳) وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ

اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو و لعب کے

لَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ (۶-۳۲)

اور آخرت کا گھر متقیوں کے لئے بہتر ہے کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو۔

(۸۴) وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ وَذَكِّرْ بِهِ أَن تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِن تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا ۖ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝ (۶-۷۰)

اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور اس قرآن کے ذریعے سے نصیحت بھی کرتا رہ تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب اس طرح نہ پھنس جائے کہ کوئی غیر اللہ نہ اس کا مددگار ہو اور نہ سفارش کرنے والا اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تو اس سے نہ لیا جائے۔ یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے ان کے لئے نہایت تیز گرم پانی پینے کے لئے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب سے۔

(۸۵) وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ (۸-۲۸)

اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر ہے۔

(۸۶) تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ (۸-۶۷)

تم تو دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت چاہتے ہیں۔

(۸۷) قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو

تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والے لوگوں کو اُن کے مقصود تک نہیں پہنچاتا ۔

(۳۸) أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ (۹-۳۸)

کیا تم نے آخرت کے عوض دنیا کی زندگی پر قناعت کرلی ہے سو دنیوی زندگی کا تمتع تو آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں بہت قلیل ہے ۔

(۵۵) فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ۝ (۹-۵۵)

پس ان کے اموال و اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیوی زندگی میں ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جائے ۔

(۸۵) وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ۝ (۹-۸۵)

اور ان کے اموال و اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیا میں ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کا دم حالت کفر ہی میں نکل جائے ۔

(۷) إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ (۱۰-۷،۸)

جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہوگئے ہیں اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات سے بالکل ہی غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے ۔

(۲۴) إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ

بس دنیوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کے نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں خوب گنجان ہوکر نکلے یہاں تک کہ جب وہ زمین

زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (۱۰-۲۴)

اپنا رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہوگئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے تو دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حادثہ آ پڑا سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا کل وہ موجود ہی نہ تھی ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں

(۹۳) مَن كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (۱۱-۱۵، ۱۶)

جو شخص محض حیات دنیوی اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال ان کو دنیا ہی میں پورے طور سے بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب ناکارہ ہوگا اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ اب بھی بے اثر ہے۔

(۹۴) اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ۝ (۱۳-۲۶)

اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے رزق زیادہ دیتا ہے وہ تنگی کر دیتا ہے اور یہ لوگ دنیوی زندگی پر اتراتے ہیں اور یہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بجز ایک متاع قلیل کے اور کچھ بھی نہیں

(۹۵) لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ (۱۵-۸۸)

اور آپ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی اس چیز کو نہ دیکھئے جو کہ ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو برتنے کے لئے دے رکھی ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور جھکا اپنے بازو کو ایمان والوں کے واسطے،

(۹۶) وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ

اور اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور دنیوی

زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝ (۱۸ - ۲۸)

زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پائیں اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا حال حد سے گزر گیا ہے۔

(۹۷) وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ (۱۸ - ۴۵)

اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان فرمائیے، وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہو گئی پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ ان کو ہوا اڑائے لئے پھرتی ہو اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

(۹۸) اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ (۱۸ - ۴۶)

مال اور اولاد حیات دنیا کی ایک رونق ہے اور جو اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں۔

(۹۹) وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۚ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ۚ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝ (۲۰ - ۱۳۱، ۱۳۲)

اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جن سے ہم نے ان (کفار) کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا عطیہ بدرجہا بہتر ہے اور دیرپا ہے اور اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے، ہم آپ سے معاش نہیں چاہتے، معاش آپ کو ہم دیں گے اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی

(۱۰۰) وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ

اور جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیوی زندگی کا عارضی سامان ہے اور یہیں کی زینت ہے

خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (۲۸ - ۶۰)

اور جو اللہ کے ہاں ہے وہ اس سے بدرجہا بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے کیا تم نہیں سمجھتے

(۱۰۱) اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ (۲۸ - ۶۱)

بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے پھر وہ شخص اس کو پانے والا ہے کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ دے رکھا ہے پھر وہ قیامت کے روز ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے لیجائے جائیں گے۔

(۱۰۲) اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ وَابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِىَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ

قارون موسیٰ علیہ السلام کی برادری میں سے تھا سو وہ زکثرت مال کی وجہ سے) ان لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا اور ہم نے اس کو اسقدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گراں بار کر دیتی تھیں جبکہ اس کو اس کی برادری نے کہا کہ تو اترا مت، واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تجھ کو خدا نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ آخرت میں لے جانا فراموش مت کر اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی بندوں کے ساتھ احسان کیا کر اور دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو۔ بے شک اللہ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا۔ قارون کہنے لگا کہ مجھ کو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے کیا اس قارون نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے گزشتہ امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت

لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقَّاهَا
إِلَّا الصَّابِرُونَ ۝ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ
الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِن فِئَةٍ
يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ
مِنَ الْمُنتَصِرِينَ ۝ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ
تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ
وَيْكَأَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ
مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ ۖ لَوْلَا أَن مَّنَّ
اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۖ وَيْكَأَنَّهُ
لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۝

(۲۸ – ۷۶ تا ۸۲)

ہیں بھی اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور جمع
بھی ان کا اس سے کہیں زیادہ تھا اور اپنے
جرم سے ان کے گناہوں کی تحقیق کرنے کی غرض
سے سوال نہ کرنا پڑے گا پھر وہ اپنی آرائش
سے اپنی برادری کے سامنے نکلا جو لوگ دنیا
کے طالب تھے کہنے لگے کہ کیا خوب ہوتا کہ ہمیں
بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا جو قارون کو ملا ہے
واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے اور جن
لوگوں کو فہم عطا ہوئی تھی وہ کہنے لگے ارے
تمہارا ناس ہو اللہ تعالیٰ کا ثواب اس دنیوی
کروفر سے ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص
کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے

اور وہ ثواب کامل طور پر انہی کو دیا جاتا ہے جو دنیا کی حرص اور طمع سے صبر کرنے والے ہیں پھر ہم نے اس قارون کو اور اس کے محل سرا کو زمین میں دھنسا دیا سو کوئی ایسی جماعت نہ ہوئی جو اس کو اللہ کے عذاب سے بچا لیتی اور وہ نہ خود ہی اپنے کو بچا سکا اور کل جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ آج کہنے لگے: بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے تنگی سے دینے لگتا ہے اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہمیں بھی دھنسا دیتا بس جی معلوم یوں ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔

(۱۰۳) وَمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا
لَهْوٌ وَلَعِبٌ ۚ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ
لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝

(۲۹ – ۶۴)

اور یہ دنیوی زندگی بجز لہو و لعب کے اور
کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی عالم آخرت ہے
کاش ان کو اس کا علم ہوتا۔

(۱۰۴) يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ
وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن
سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی

وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ (۳۱-۳۳)

طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے ذرا بھی مطالبہ ادا کر دے، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے سو تم کو دنیوی زندگانی دھوکہ میں نہ ڈالے۔

(۱۰۵) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (۳۳-۲۸-۲۹)

اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ متاع دے دوں اور تمہیں خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

(۱۰۶) يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ (۴۰-۳۹)

اے بھائیو! یہ دنیوی زندگی محض چند روزہ ہے اور ٹھہرنے کا مقام تو آخرت ہے۔

(۱۰۷) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ (۴۲-۲۰)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس کو کچھ اس دنیا میں سے دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

(۱۰۸) وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے ہو جائیں گے تو جو لوگ رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم ان کے لئے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی جن پر چڑھا کرتے ہیں اور ان کے گھروں

يَتَّكِـُٔونَ ۙ وَزُخْرُفًا ۚ وَإِن كُلُّ ذَٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْآخِرَةُ عِندَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ○ (۴۳: ۳۳ تا ۳۵)

کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور یہ سب چیزیں سونے کی بھی اور یہ ساز و سامان کچھ بھی نہیں فقط دنیوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے اور آخرت آپ کے پروردگار کے ہاں اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہے۔

(۱۰۹) إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۚ وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ○ (۴۷-۳۶)

یہ دنیوی زندگی تو محض لہو و لعب ہے اور اگر تم ایمان و تقوی اختیار کرو تو اللہ تعالی تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا اور تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرے گا

(۱۱۰) اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ ۖ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ۖ وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۙ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ○ (۵۷-۲۰)

تم خوب جان لو کہ دنیوی حیات محض لعب لہو اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال و اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتانا ہے، جیسا مینہ ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے سو تو اس کو زرد دیکھتا ہے۔ پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیوی زندگی محض دھوکہ کا اسباب ہے۔

(۱۱۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ○ (۶۳-۹)

اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں اور جو ایسا کرے گا سو ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔

(۱۱۲) إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ○ (۶۴-۱۵)

تمہارے مال و اولاد بس تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

تعمیم وراثت کی حیثیت ــــــــ ۳۱

(۱۱۳) فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۭ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۭ (۷۹ - ۳۷ تا ۴۱)

توجس شخص نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی سو دوزخ اس کا ٹھکانہ ہوگا، اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

(۱۱۴) بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۡۖ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ (۸۷ - ۱۶، ۱۷)

بلکہ تم اپنی دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے۔

(۱۱۵) وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۙ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۡۖ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۭ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۭ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۧ (۱۰۴ - تا ۹)

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا اور روبرو طعنہ دینے والا ہو، جو مال جمع کرتا ہو اور اس کو بار بار گنتا ہو، وہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا، ہرگز نہیں واللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جائے گا جس میں جو کچھ پڑے تو اس کو توڑ پھوڑ دے اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ توڑ پھوڑ نے والی آگ کیسی ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے جو سلگائی گئی ہے، جو دلوں تک جا پہنچے گی، وہ ان پر بند کر دی جائے گی، وہ لوگ آگ کے بڑے بڑے لمبے ستونوں میں ہوں گے۔

بنی اسرائیل کی مذمت میں فرماتے ہیں:

(۱۱۶) اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ (۲ - ۸۶)

یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو لے لیا ہے بعوض آخرت کے، سو نہ تو ان کی سزا میں تخفیف کی جائے گی اور نہ کوئی ان کی طرفداری کرنے پائے گا۔

کفار کی مذمت میں فرماتے ہیں:

(۱۱۷) الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا

جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو و

وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ (۷ـ۵۱)

لعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا سو ہم بھی آج کے روز ان کا نام بھلا دیں گے جیسا انہوں نے اس دن کا نام تک نہ لیا اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

(۱۱۸) عن المستورد بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول واللہ ما الدنیا فی الآخرۃ الا مثل ما یجعل احدکم اصبعہ فی الیم فلینظر بم یرجع (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم دنیا کی آخرت کے مقابلہ میں ایسی مثال ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈال کر نکالے تو دیکھے کہ وہ کیا لائی؟

(۱۱۹) وعن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بجدی اسک میت قال ایکم یحب ان ھذا لہ بدرھم فقالوا ما نحب انہ لنا بشیء، قال فواللہ للدنیا اھون علی اللہ من ھذا علیکم (رواہ مسلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بکری کے ایک چھوٹے کانوں والے مردہ بچے پر گزر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے اس کو ایک درہم کے عوض کون لینا پسند کرتا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم تو اسے مفت میں لینا بھی پسند نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ واللہ! دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔

(۱۲۰) وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔

(۱۲۱) وعن عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فواللہ لا الفقر اخشی علیکم ولکن اخشی علیکم ان تبسط علیکم الدنیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واللہ میں تم پر فقر کا خوف نہیں کرتا، لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم پر پہلے لوگوں کی طرح دنیا پھیلا دی جائے تو تم ان کی

كما بسطت على من كان قبلكم فتنافسوها كما تنافسوها وتهلككم كما اهلكتهم (متفق علیہ)

طرح اس میں رغبت کرنے لگو اور وہ تمہیں ان پہلی امتوں کی طرح ہلاک کر ڈالے۔

(۲۲) وعن سهل بن سعد رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة ما سقى كافرا منها شربة (رواه احمد والترمذي وابن ماجه)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا کی اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر برابر بھی وقعت ہوتی تو کافر کو اس سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے۔

(۲۳) وعن ابي موسى رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من احب دنياه اضر بآخرته ومن احب آخرته اضر بدنياه فآثروا ما يبقى على ما يفنى۔

(رواه احمد والبيهقي في شعب الايمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی دنیا کو بنایا اس نے اپنی آخرت کو بگاڑا اور جس نے اپنی آخرت کو سنوارا اس نے اپنی دنیا کو بگاڑا، پس تم باقی کو فانی پر ترجیح دو۔

(۲۴) وعن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اصدق كلمة قالها الشاعر كلمة لبيد الا كل شيء ما خلا الله باطل۔

(متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کلام شعراء میں سب سے زیادہ سچی حضرت لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہے:

"خبردار! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے"

(۲۵) وعن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال خط النبي صلى الله عليه وسلم خطا مربعا وخط خطا في الوسط خارجا منه وخط خططا صغارا الى هذا الذي في الوسط من جانبه الذي في الوسط فقال هذا الانسان وهذا اجله محيط به وهذا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مربع خط بنایا اور ایک خط اس کے درمیان میں اس طرح بنایا کہ وہ اس مربع سے باہر نکل رہا تھا اور اس درمیانی خط کی طرف اس کے اطراف سے چھوٹے چھوٹے خطوط بنائے پھر فرمایا کہ یہ درمیانی خط انسان ہے اور یہ مربع اس

الذی هو خارج أمله وهذه الخطط الصغار الأعراض فإن أخطأه هذا نهشه هذا وإن أخطأه هذا نهشه هذا (رواه البخاری)

انسان کی موت ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے، اور

موت انسان امید

حوادث کے تیر
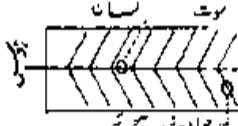
یہ خط جو مربع سے خارج ہے یہ انسان کی امید ہے

اور یہ چھوٹے خطوط حوادث ہیں، پس اگر وہ ایک حادثہ سے بچ گیا تو اسے دوسرا حادثہ آ پکڑے گا اور اگر دوسرے سے بچ گیا تو تیسرا حادثہ اس کا خاتمہ کر دے گا۔

(۱۲۶) وعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما وعنهم عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لو كان لابن آدم واديان من مال لابتغى ثالثا ولا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب ويتوب الله على من تاب (متفق علیه)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کی تلاش میں ہوگا، ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر توجہ فرماتے ہیں جو ان کی طرف متوجہ ہو۔

(۱۲۷) وعن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما وعنهم قال أخذ رسول الله صلی الله علیه وسلم ببعض جسدی فقال كن فی الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل وعد نفسك من أصحاب القبور (رواه البخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکڑ کر فرمایا کہ دنیا میں مسافر بلکہ راہ رو کی طرح رہو اور اپنے کو اصحاب قبور میں شمار کرو۔

---

(۱۲۸) وعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما وعنهم أن رسول الله صلی الله علیه وسلم كان يخرج يهريق الماء فيتمسح بالتراب فأقول يا رسول الله إن الماء منك قريب يقول ما يدرينی لعلی لا أبلغه (رواه فی شرح السنة وابن

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجاء سے فارغ ہو کر تیمم فرمایا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ پانی تو آپ سے قریب ہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا معلوم کہ وہاں تک پہنچ ہی

الجوزی فی کتاب الوفاء)

نہ پاؤں گا۔

(۱۲۹) عن انس رضی اللہ تعالی عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ھذا ابن آدم وھذا اجلہ ووضع یدہ عند قفاہ ثم بسطھا فقال وثم املہ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گدی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہ ابن آدم کی موت ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیلا کر فرمایا کہ اس کی ہوس وہاں ہے۔

(۱۳۰) وعن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ تعالی عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اول صلاح ھذہ الامۃ الیقین والزھد واول فسادھا البخل والامل۔

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کی اصلاح کی بنیاد آخرت پر یقین اور دنیا سے بے رغبتی پر ہے اور اس کے فساد کی بنیاد بخل اور ہوس پر ہے۔

(۱۳۱) ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما رفعہ ما ذئبان ضاریان فی حظیرۃ یأکلان ویفسدان باضر فیھا من حب الشرف وحب المال فی دین المرء المسلم (جمع الفوائد)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو خونخوار بھیڑیئے بکریوں کے باڑے میں داخل ہو کر حملہ کر دیں تو وہ مسلمان کے دین میں حب جاہ و حب مال سے زیادہ مضر نہیں۔

(۱۳۲) انس رضی اللہ تعالی عنہ دخلت علی سلمان فرأیت بیتہ رثا فقلت لہ فی ذلک فقال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عھد الی ان یکون زادی کزاد الراکب (جمع الفوائد)

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں سلمان رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس گیا تو میں نے ان کے مکان کو خستہ حالت میں دیکھا تو میں نے ان سے اس بارے میں کچھ کہا تو انھوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ تیرا توشہ مسافر کی طرح ہونا چاہیے۔

(۱۳۳) عائشۃ رضی اللہ تعالی عنھا رفعتہ ان کنت تریدین الاسراع واللحوق بی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

تقسیم وراثت کی اہمیت ــــــــــــ ۳۰۹

فیکفیک من الدنیا کزاد الراکب و ایاک ومجالسۃ الاغنیاء ولا تستخلقی ثوبا حتی ترقعیہ (جمع الفوائد)

نے فرمایا کہ اگر تو میرا قرب چاہتی ہے تو تجھے دنیا سے توشۂ مسافر کے برابر کافی ہے اور اغنیاء کے پاس بیٹھنے سے بچنا اور بغیر پیوند لگائے کوئی کپڑا پرانا سمجھ کر نہ اتارنا۔

سب بیماریوں کی جڑ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: حبّ الدنیا رأس کلّ خطیئۃ "دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے"۔ انسان دنیوی عزّ وجاہ، مال و دولت اور عیش و عشرت کی حرص میں آخرت سے غافل ہو جاتا ہے حالانکہ حقیقی عزت آخرت کی عزت ہے اور حقیقی شرف وہ ہے جو مالک کی نظر میں ہو اس کے سامنے دنیا کی عزت اور اہل دنیا کی نظر میں شرف کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ اچانک وہاں سے ایک خوبصورت جوان گھوڑے پر سوار بڑی شان و شوکت سے گزرا اس کو دیکھ کر اس عورت نے دعاء کی کہ اے اللہ! میرے بچے کو اس جوان جیسا کر دے، بچے کو اللہ تعالیٰ نے قوت گویائی عطاء فرمائی اس نے چھاتی سے منہ ہٹا کر اس سوار کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ کیجیو، یہ کہہ کر پھر دودھ پینے لگ گیا، تھوڑی دیر بعد ایک سیاہ فام عورت قریب سے گزاری گئی جو انتہائی خستہ حال تھی اسے مار گھسیٹا جا رہا تھا، اس کو دیکھ کر اس بچے کی ماں نے دعاء کی کہ اے اللہ! میرے بچے کو اس عورت جیسا نہ کیجیو، اس پر بچے نے چھاتی سے منہ ہٹا کر کہا کہ اے اللہ! مجھے اس جیسا بنا، اس کی ماں کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ بچہ بولنے کیسے لگ گیا اور پھر یہ نیک دعاء سے انکار کرتا ہے اور بری حالت کا طلبگار ہے، ماں نے بچے سے اس کا سبب دریافت کیا تو بچے نے کہا کہ وہ جوان سوار ظالم تھا اور یہ خستہ حال عورت نیک ہے لوگ کہتے ہیں کہ اس نے چوری کی ہے اور زنا کا ارتکاب کیا ہے حالانکہ یہ پاک ہے۔

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت والا وہ ہے جو اس کے احکام سے غافل نہ ہو خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقٰکم "اللہ تعالیٰ کے

تقسیم وراثت کی اہمیت ——— ۴۷

نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا کہ تو اسے کیسا سمجھتا ہے؟ تو اس نے کہا کہ یہ ایک رئیس آدمی ہے، واللہ! اگر یہ کہیں نکاح کا پیغام بھیجے یا کسی کی سفارش کرے تو قبول ہو، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، پھر ایک دوسرا شخص گزرا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب بیٹھنے والے سے فرمایا کہ تو اس کو کیسا سمجھتا ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ فقراء مسلمین سے ایک آدمی ہے اگر یہ نکاح کا پیغام بھیجے یا کسی کی سفارش کرے تو قبول نہ کی جائے اور اگر کچھ بات کرے تو کوئی سننے کو تیار نہ ہو، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پہلے شخص جیسوں سے پوری زمین بھری ہوئی ہو تو ان سب سے یہ دوسرا شخص بہتر ہے۔

غرضیکہ حقیقی عزت وہ ہے جو خالق کی نظر میں ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بہت سے پراگندہ بال اور خستہ حال لوگ جن کو کوئی اپنی مجلس میں نہیں بیٹھنے دیتا اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی اتنی بڑی عزت اور قدر ہوتی ہے کہ وہ اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پوری فرمادیں۔

حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گاؤں کے رہنے والے تھے ان کی شکل و صورت بھی کچھ اچھی نہ تھی مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت رکھتے تھے۔

نہ گوروں سے مطلب نہ کالوں سے مطلب　　پیا جس کو چاہے سہاگن وہی ہے

ایک روز بازار میں بیٹھ کر اپنا سامان بیچ رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دبے پاؤں پیچھے سے تشریف لائے اور ان کو بغل میں دبالیا، جب معلوم ہوا کہ دونوں جہاں کے سردار آقا ہیں، سردار دوجہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو تبرک کے لئے اپنی کمر بدور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک کے ساتھ چپکا دی، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمانا شروع کیا کہ اس غلام کو کون خریدے گا؟ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! اگر ایسا ہوا تو آپ مجھ کو بہت کم قیمت پائیں گے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لیکن تو اللہ کے ہاں بہت قیمتی ہے۔"

افسوس کہ لوگوں نے عزت اور ذلت کی حقیقت کو نہیں سمجھا، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دلے دارم جواہر خانۂ عشق است تحویلش کہ دارد زیر گردوں میر سامانے کہ من دارم

قلوب پر دنیوی مال و دولت کی ہوس کا زنگ چڑھا ہوا ہے اس لئے حقیقت سمجھنے سے کورے ہیں۔ حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

آئینہ دانی چرا غماز نیست زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست

رو تو زنگار از رخ او پاک کن بعد ازیں ایں نور را ادراک کن

ملے گا تو وہی جو قسمت میں لکھا ہے، پھر بلا امتیاز حلال و حرام طلب دنیا میں منہمک رہ کر آخرت کو برباد کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

گر بریزی بحر را در کوزۂ چند گنجد قسمت یک روزۂ

کوزۂ چشم حریصاں پر نشد تا صدف قانع نشد پر در نشد

خالق کی رضا پر مخلوق کی رضا کو ترجیح دینا اور آخرت کی غیر فانی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کے عارضی عیش و عشرت کو اختیار کرنا کتنی بڑی کم ہمتی و کم ظرفی کی بات ہے۔

قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

اسپ ہمت سوئے اختر تاختی آدم مسجود را نشناختی

آخر آدم زادۂ اے ناخلف چند پنداری تو پستی را شرف

باز شہ در دست آں شیر نر کرگساں بر مردگاں بکشادہ پر

عارف کامل حضرت مجذوب قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی تخیل کر بلند اپنا کہ یہ باتیں ہیں پستی کی

جہاں در اصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی

کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

کیا خوب فرمایا ہے ؎

لطف دنیا کے ہیں کے دن کے لئے کھو نہ جنت کے مزے ان کے لئے

یہ کیا اے دل تو بس پھر یوں سمجھ تو نے ناداں گل دیئے تنکے لئے

ہر مرض کا علاج

قرآن و حدیث میں انسانی کوتاہیوں کا علاج موت اور قیامت کی ہولناکیوں کا تصو

بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں: اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝ "انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے" وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝ "اور وہ اسے خوب جانتا بھی ہے" وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ "اس ناشکری کی وجہ یہ ہے کہ بیشک انسان مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے" اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝ اس میں اس مہلک مرض کا علاج بتایا گیا ہے کہ حساب وکتاب کے دن کو یاد کیا کرو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اکثروا ذکر ھاذم اللذات الموت۔ "موت کو کثرت سے یاد کیا کرو جو کہ سب لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے" اور فرمایا: کفٰی بالموت واعظا۔ "موت کی یاد عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے" ؎

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت — موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا — میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

حضرت مجذوب قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل — یہ خزاں ہے جو بانداز بہار آئی ہے

کسی کی موت پر یتیموں، بیواؤں اور بے زبان بہنوں کا حصۂ میراث اور قطعۂ زمین دبانے والوں کو سوچنا چاہیے کہ ہم بھی عنقریب ہی موت کے چنگل میں گرفتار ہو کر اس زمین کے نیچے دبنے والے ہیں اور علیم وخبیر کے سامنے حساب وکتاب کے لیے پیش ہونے والے ہیں ؎

قدم سوئے مرقد نظر سوئے دنیا — کہاں جا رہا ہے کدھر دیکھتا ہے

تھا جو مشغول ہوس تحصیل سرمایہ چھوڑ کر
چل دیا وہ آج سب دنیا کے ساماں چھوڑ کر

اللّٰھم اجعل حبّک احبّ الاشیاء الیّ واجعل خشیتک اخوف الاشیاء عندی واقطع عنّی حاجات الدنیا بالشوق الی لقائک واذا اقررت اعین اھل الدنیا من دنیاھم فاقرر عینی من عبادتک اللّٰھم اجعل آخرتی خیرا من اولای وصلی اللّٰہ تعالٰی علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

رشید احمد
غرۃ صفر سنہ ۹۹ھ

تقسیم وراثت کی وصیت ———— ۵

تسہیل المیراث
اختصار و جامعیت میں "دریا بکوزہ"
کشف مشتبہات میں بے مثال
بعض تحقیقات عمیقہ میں منفرد
طریق جدید، ایک عظیم الشان شاہکار
حساب کے انمول اصول

مندرجات :

تقریظ

از شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب قدس سرہ

محدث و مفتی اعظم دار العلوم دیوبند

حامداً و مصلیاً و مسلماً - اما بعد! میں نے اپنے دوست مولانا مولوی رشید احمد صاحب لودھیانوی کی بے نظیر تصنیف "تسہیل المیراث" دیکھی اور غور سے دیکھی۔

کتاب مذکور کی افادیت میں، تسہیل فہم میں، مسائل کی تحقیق میں کوئی کمی نہیں، بلکہ اگر اہل علم حضرات غور فرمائیں گے تو ان کو معلوم ہوگا کہ فرائض کے بعض دقیق مسائل اس وضاحت کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ انسان متحیر ہو جاتا ہے، اس سے زیادہ خوبی یہ ہے کہ اس میں رطب و یابس کی بھرتی نہیں کی ہے، مسائل و احکام مسائل کی پوری تحقیق کی ہے اور اقوال مفتیٰ بہا سے کتاب مذکور کو محلّٰی و مزین کیا ہے، میں دعاگو ہوں کہ منعم حقیقی مصنف علام کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اسی قسم کے علمی خزانے آئندہ بھی اہل علم کے سامنے رکھیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

محمد اعزاز علی امروہوی مرادآبادی

۲۵ رمضان المبارک [illegible]

ملاحظہ :

حضرت مؤلف دامت برکاتہم کتابوں پر تقریظ لکھنے لکھوانے کی مروّج رسم کے سخت خلاف ہیں، اس کی مفصل وجہ آپ کی سوانح حیات "انوار الرشید" میں ہے، موجودہ "تسہیل المیراث" پر اپنے استاذ محترم سے تقریظ لکھوانے کی وجوہ درج ذیل ہیں :

(۱) یہ واقعہ حضرت والا کی بالکل نوخیزی و نوآموزی کا ہے، اس وقت آپ کو تقریظ مروّج کے قبائح کا علم نہ تھا۔

(۲) "تسہیل المیراث" حضرت مؤلف دامت فیوضہم کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد جلد ہی بالکل نوآموزی و نوعمری کے زمانہ میں تحریر فرمائی ہے، دوسری جانب علم فرائض ایسا دقیق و مشکل کہ اکثر بڑے بڑے جلیل القدر علماء بھی اس سے ناواقف ہیں، حتی کہ اس علم کے نام تک سے گھبراتے ہیں، ان وجوہ کے پیش نظر حضرت مؤلف نے اپنے استاذ محترم سے تصدیق کروانے کی ضرورت محسوس فرمائی تاکہ خدا نخواستہ اس انتہائی کٹھن اقدام میں کوئی لغزش ہوگئی ہو تو اس کی اصلاح ہو جائے، یہ کمسن نوعمری میں بھی آپ میں فکر آخرت کی دلیل ہے، نیز تقریظ سے ثابت ہوا کہ عمر و علم دونوں میں بالکل نوخیزی کے زمانہ میں بھی آپ علوم کے شہسوار تھے ؎

یہ جس کی ابتدا تھی انتہا اس کی کہاں ہوگی ؟

(۳) آپ کے استاذ محترم نے اس کتاب پر طریق مروّج کے مطابق محض رسمی تقریظ نہیں لکھی بلکہ اس بہت مختصر سی کتاب کو بغرض مطالعہ مہینوں اپنے پاس رکھا اور ایک ایک لفظ پر خوب غور و خوض کے بعد تقریظ تحریر فرمائی، اس لئے یہ تقریظ مروّج میں داخل نہیں۔

اس تقریظ پر بنا یہ امر خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب قدس سرہ جیسی عظیم شخصیت نے اپنے بالکل نوعمر و نوآموز شاگرد کو "دوست" جیسے عظیم اعزاز اور "مصنف علام" جیسے عظیم لقب کے شرف سے نوازا۔

تسہیل المیراث کی خصوصیات

(۱) اختصار کے ساتھ جامعیت میں اس کی نظیر نہیں۔

(۲) ہر مسئلہ میں صرف مفتی بہ مذہب ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) میراث کی عام کتابوں میں جو عبارات موہم خلاف حقیقت تھیں انہیں تسہیل المیراث میں واضح کر دیا گیا ہے یا طرز بیان بدل کر وہم رفع کر دیا گیا ہے، مثلاً عام کتابوں میں پہلے عصبہ بنفسہ کی تعریف اور اس کی چار اقسام:

(۱) اصل میت (۲) جزء میت (۳) جزء اصل قریب میت (۴) جزء اصل بعید میت

مع ان کی ترتیب فی الارث کے بیان کی جاتی ہیں، اس کے بعد عصبہ بالغیر اور عصبہ مع الغیر کا بیان ہوتا ہے، جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ عصبہ بالغیر اور عصبہ مع الغیر ترتیب فی الارث میں عصبہ بنفسہ سے مؤخر ہیں، چنانچہ جب بنت وعم واخت وارث ہوں تو بہت سے حضرات اسی مغالطہ کی بناء پر عم کی وجہ سے اخت کو محروم کر دیتے ہیں، تسہیل المیراث میں بیان مذکور ایسے طریق سے تحریر کیا گیا ہے کہ اس میں خلاف حقیقت کا وہم ہرگز نہیں ہو سکتا، اسی طرح اور بھی بہت سے مشتبہ مضامین کو واضح کیا گیا ہے۔

(۴) ضمیمہ اولیٰ میں تخریج مسئلہ کے ایک جدید مختصر و مفید ترین طریق کا اضافہ کیا گیا ہے، یہ طریق جدید مؤلف کا خود ایجاد کردہ ہے، جو مروج طریق سے بالکل جدا اور بہت سہل ومختصر ہے۔ مناسخہ کے وہ طویل وعریض مسائل جو گھنٹوں میں بمشکل تحریر کئے جاتے تھے اب اس جدید طریق کے ذریعہ منٹوں میں بآسانی حل ہو سکتے ہیں وذالک فضل اللہ علیٰ ذالک۔

(۵) ضمیمہ ثانیہ میں حساب کے نہایت ضروری وانوکھے اصول تحریر کئے گئے ہیں۔

(۶) ضمیمہ ثالثہ میں ذوی الارحام کے مسائل کی منفرد علمی تحقیق ہے جو کسی دوسری کتاب میں نہیں۔

الحمد للہ الذی لہ میراث السموٰت والارضین والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین لم یورثوا ولم یورثوا من النبیین خصوصاً علی افضلہم الذی جعلت الفرائض نصف العلم فی وعلی وارثیہ من آلہ واصحابہ ومن حذا حذوہم اجمعین۔

اما بعد! بندہ مسعود اختر الشہیر برشید احمد بن مولانا محمد سلیم نوریانوی رزقہما اللہ حسبہ عرض گزار ہے کہ علم میراث کی اہمیت اور عام ضرورت کسی پر مخفی نہیں، دنیا میں شاذ و نادر ہی کوئی شخص ایسا ہوگا جس کو ان مسائل سے سابقہ نہ پڑتا ہو، اسی وجہ سے اس علم میں بے شمار کتابیں مختلف زبانوں میں لکھی گئیں، مگر تا حال بندہ کی نظر سے جتنی کتابیں گزریں ان میں سے بعض انتہائی اختصار اور بعض اختلاف اقوال کی وجہ سے فہم مقصد میں مخل تھیں اور بعض زیادہ طول کی وجہ سے مخل، لہٰذا کسی ایسے رسالہ کی ضرورت تھی جس میں حتی المقدور سہل طریقہ پر بالاختصار ہر بحث میں صرف مفتی بہ قول نقل کرنے پر اکتفاء کیا جائے اور اختلاف اقوال کی الجھنوں سے مجرد ہو، شاید کہ مستفیدین کی دعاء خیر کی برکت سے ہی آخرت میں کوئی فلاح کی صورت ہو جائے، چنانچہ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے یہ رسالہ شروع کرتا ہوں وباللہ الموفق والمعین ومنہ الاصابۃ والاجابۃ۔

مقدمہ

علم فرائض کی تعریف :

یہ چند قواعد فقہیہ کا ایسا علم ہے جس کے جاننے سے میت کے شرعی ورثاء اور ان میں شرعی اصول سے تقسیم ترکہ کا طریقہ معلوم ہو جاتا ہے۔

موضوع :

مستحقین میں ترکہ کی تقسیم۔

غرض وغایت :

ترکہ کے مستحقین اور ان کے شرعی حقوق کی مقدار کا معلوم کرنا۔

وجہ تسمیہ :

فرائض فریضہ کی جمع ہے جو فرض سے ماخوذ ہے، جس کے معنی تقدیر و تعیین کے ہیں، چونکہ اس علم میں وارثوں کے جو حصے بیان کئے جاتے ہیں ان کی تقدیر و تعیین خود شریعت نے کی ہے اس لئے اس کو علم فرائض کہتے ہیں۔

سبق اوّل

مستحقین کے مراتب :

① میت کے کل مال سے سب سے پہلے وہ چیزیں ادا کی جائیں، جن پر غیر کا حق لگا ہوا ہو، مثلاً وہ شے جو قرض خواہ کے پاس رہن ہے یا وہ چیز جس کو میت نے خرید لیا تھا لیکن قیمت ابھی ادا نہ کی تھی اور نہ اس پر قبضہ کیا تھا، بلکہ اصل مالک اور بائع کے قبضہ میں تھی، ان صورتوں میں قرض خواہ اپنا قرض اور بائع اپنی قیمت ان چیزوں سے وصول کر سکتا ہے، اور یہ تجہیز و تکفین سے بھی مقدم ہے۔

اکثر کتب میں تجہیز و تکفین کو سب سے پہلے ذکر کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس مال پر غیر کا حق لگا ہو وہ ترکہ سے خارج ہے، پس ترکہ میں سے تجہیز و تکفین سب سے مقدم ہے۔

② پھر تجہیز و تکفین ضروری شرعی بغیر اسراف و تنگی کے وسط حال سے کی جائے۔

③ پھر وہ امانت و قرض ادا کیا جائے جس کا اقرار میت نے اپنی صحت میں مرض

موت سے پہلے کیا ہو یا اقرار تو مرض موت ہی میں کیا ہو مگر اس قرض کا وجوب عام طور سے لوگوں کو معلوم ہو یا گواہ موجود ہوں۔

(۴) پھر وہ امانت و قرض جس کا اقرار مرض الموت میں کیا ہو اور اس کا وجوب لوگوں کے مشاہدہ سے ثابت نہ ہو اور نہ ہی گواہ موجود ہوں۔

مرض الموت ایسی حالت کو کہتے ہیں جس میں ہلاکت کا اندیشہ غالب ہو اور اسی حالت میں مر بھی جائے، خواہ اسی عارضہ سے مرا ہو یا کسی دوسری وجہ سے، خواہ یہ حالت مرض کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، مثلاً کوئی شخص کشتی میں ڈوب رہا ہو، چونکہ سبب اکثر مرض ہی ہوتا ہے اس لئے مرض الموت کہا جاتا ہے۔

اگر مرض کا مہلک ہونا معلوم نہ ہو سکے تو اسے مرض الموت جب کہیں گے کہ اس میں اس قدر اضافہ ہو جائے کہ مریض گھر سے باہر کے ضروری مصالح سے عاجز ہو جائے، مثلاً عالم مسجد میں جانے سے اور تاجر تجارت سے عاجز ہو جائے۔

اگر مرض کسی مرحلہ پر ٹھہر جائے یعنی اس میں اضافہ نہ ہو رہا ہو اور اس ٹھہراؤ کے بعد ایک سال اسی حالت میں پورا ہو جائے تو یہ مرض الموت میں داخل نہیں، پھر جب مرض بڑھ جائے اور اسی زیادتی کی حالت میں مر بھی جائے تو اس زیادتی کے وقت سے مرض الموت شمار ہوگا۔

اگر قرضخواہ زیادہ ہوں اور سب کا قرض ترکہ سے پورا نہ ہو سکتا ہو تو کل ترکہ قرضخواہوں کے سہام کے موافق تقسیم ہوگا۔

(۵) پھر باقی مال کے ثلث سے وصیت ادا کی جائے۔ میت نے مرض الموت میں یا اس سے پہلے کوئی معاملہ کر کے اس کو اپنی موت سے معلق کر دیا۔ مثلاً کہا کہ میری موت کے بعد مسجد بنوا دینا یا قضا شدہ روزے کا فدیہ ادا کر دینا۔

یا جو چیز میت کے ذمہ واجب نہیں تھی مگر اس نے مرض الموت میں بطور تبرع اس کو لازم کر لیا، مثلاً کسی کا قرض معاف کر دیا، یا کوئی خاص چیز کسی کے لئے مقرر کر دی یا کسی کو ہبہ کر دیا۔ یہ سب چیزیں وصیت شمار ہوں گی اور ثلث مال سے پوری کی جائیں گی۔

اگر میت نے مختلف وصیتیں کی ہوں اور وہ سب ثلث مال سے پوری نہ ہو سکیں تو جو زیادہ ضروری ہو وہ مقدم ہوگی۔ یعنی فرائض کی وصیت واجبات پر اور واجبات کی نوافل پر

مقدم ہوگی، لہذا فدیہ نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کی وصیت قربانی کی وصیت سے مقدم ہے کیونکہ قربانی واجب ہے فرض نہیں۔ اور اگر ضروری، غیر ضروری ہونے میں مساوی ہوں جیسے نماز و روزہ و زکوٰۃ و حج یا بناءِ مسجد و بناءِ مدرسہ تو جس کا ذکر وصیت میں پہلے کیا ہو وہ مقدم ہوگی یہ قاعدہ حقوق اللہ میں ہے۔

اور اگر حقوق العباد غیر ضروریہ جمع ہو گئے۔ مثلاً زید و عمرو دونوں کے لئے وصیت کی تو ثلث مال دونوں پر تقسیم کیا جائے گا، اور موصی لہم مذکر و مؤنث کو برابر حصہ ملے گا، البتہ اگر بعض کے لئے زیادہ اور بعض کے لئے کم کی وصیت کی تو ان میں ثلث قرض خواہوں کی طرح بقدر سہام تقسیم ہوگا۔

اور حقوق العباد غیر ضروریہ و حقوق اللہ آپس میں جمع ہوں تو جملہ حقوق کے عدد پر ثلث مال کو تقسیم کر کے حقوق العباد کے حصے ان کو دیدیئے جائیں اور باقی حقوق اللہ کے حصوں سے اگر سب حقوق ادا نہ ہو سکیں تو جو زیادہ ضروری ہو یا مورث نے جس کو بوقت وصیت پہلے ذکر کیا ہو وہ مقدم ہوگا اور حقوق اللہ کے سب حصے اسی ایک پر لگا دیئے جائیں گے۔

فقیر غیر معین کے لئے وصیت حقوق اللہ میں داخل ہے اور معین شخص کے لئے وصیت خواہ فقیر ہو یا غنی حقوق العباد سے ہے۔

مثلاً زید، ہندہ، بناءِ مسجد، بناءِ مدرسہ و فقیر غیر معین کے لئے وصیت کی تو ثلث مال کے پانچ حصے کر کے ایک ایک حصہ زید و ہندہ کو دیا جائے اور باقی حقوق اللہ کے تین حصوں سے اگر سب حقوق ادا نہ ہو سکیں تو وصیت میں جس کو پہلے ذکر کیا ہو وہ مقدم ہوگا۔

بلا وصیت میت عبادات واجبہ کا ثلث مال سے ادا کرنا وارثوں پر ضروری نہیں اور وصیت و اقرار امانت میں نیز ایسے قرض کے اقرار میں جس کا وجوب لوگوں کو معلوم نہ ہو اور نہ ہی گواہ موجود ہوں، یہ شرط ہے کہ موصی و مقر عاقل بالغ ہوں، نیز خاص اقرار فی المرض اور وصیت میں یہ شرط بھی ہے کہ مقر لہ اور موصی لہ وارث شرعی نہ ہوں، یعنی اقرار فی المرض اور وصیت ایسے شخص کے لئے جائز نہیں جو مقر اور موصی کی موت کے وقت اس کا وارث ہو۔ اقرار اور وصیت کے وقت وارث ہو یا نہ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ البتہ اقرار فی المرض کے عدم جواز کے لئے اگرچہ بوقت اقرار وارث ہونا شرط نہیں مگر یہ ضروری ہے کہ بوقت اقرار سبب ارث موجود ہو، پس اگر کسی شخص نے اپنے بیٹے کی موجودگی میں اپنے بھائی

کے لئے اقرار کیا، پھر یہ بیٹا مقر سے پہلے مر گیا تو یہ اقرار باطل ہے، کیونکہ یہ بھائی مقر کی موت کے وقت وارث ہے اور بوقت اقرار اگرچہ بیٹے کی وجہ سے وارث نہ تھا مگر سبب ارث یعنی اخوۃ بوقت اقرار موجود ہے، اور اگر کسی اجنبیہ عورت کے لئے اقرار کرنے کے بعد اس سے نکاح کر لیا تو یہ اقرار صحیح ہے، کیونکہ اگرچہ یہ عورت موت مقر کے وقت وارث ہے مگر سبب ارث بوقت اقرار موجود نہ تھا، اگر وصیت کرنے کے بعد نکاح کر لیا تو وصیت صحیح نہیں، کیونکہ وصیت ہر وارث کے لئے ناجائز ہے خواہ وصیت کے وقت سبب ارث موجود ہو یا بعد میں پیدا ہوا ہو۔

مرض الموت سے پہلے اقرار وارث کے لئے بھی جائز ہے، اور کسی کے لئے وراثت کا اقرار اور وارث کے لئے امانت مستہلکہ کا اقرار مرض الموت میں بھی جائز ہے بشرطیکہ امانت رکھنا عام لوگوں کو معلوم ہو یا اس پر گواہ موجود ہوں۔

اقرار سے رجوع کرنا درست نہیں، وصیت سے اگر صراحۃً رجوع کیا یا فعل دال علی الرجوع کیا تو رجوع ہو جائے گا۔ البتہ وصیت کا انکار کرنے سے وصیت باطل نہ ہوگی۔

اگر موصی لہ نے موصی کو قتل کر دیا یا مقتول نے بعد قتل سانس نکلنے سے پہلے قاتل کے لئے وصیت کی تو یہ وصیت باطل ہے۔

مسلم کی وصیت کافر کے لئے اور کافر ذمی کی مسلم کے لئے جائز ہے۔

ثلث مال سے زیادہ وصیت میں خرچ کرنا اور وصیت و اقرار کی دوسری غیر معتبر صورتیں اس وقت ناجائز ہیں جب کل وارث راضی نہ ہوں، اگر سب وارث عاقل بالغ ہوں اور مورث کی وفات کے بعد سب راضی بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں، مورث کی وفات سے پہلے رضا کا اعتبار نہیں۔

اگر ثلث مال کی وصیت میں ثواب کی نیت اور کوئی ضرورت نہ ہو صرف وارثوں کا حصہ کم کرنا مقصود ہو یا زندگی میں مرض الموت سے پہلے سب مال کا فیصلہ کر کے بلا قصور سب وارثوں کو محروم کر جائے تو یہ تصرف نافذ ہو جائے گا لیکن گنہگار ہوگا۔

اگر کسی غیر شرعی مصرف کے لئے وصیت کی تو وہ نافذ نہ ہوگی۔

اگر مرض الموت میں کوئی چیز کسی کو ہبہ کر دی تو اگرچہ یہ وصیت کے حکم میں ہے مگر چونکہ جب تک مریض میں سانس باقی ہے اس وقت تک اس مرض کا مرض الموت ہونا قطعی

نہیں، ممکن ہے کہ مریض تندرست ہوجائے، لہٰذا بالفعل یہ چیز موہوب لہ کو دلوادی جائیگی، لیکن اگر اسی مرض میں مرگیا تو اس کو حکم وصیت جیسا ہے، اسی طرح مرض میں اگر وارث کے لئے اقرار کیا تو فی الحال دلوادیا جائے گا البتہ اسی مرض میں فوت ہوگیا تو واپس لے لیا جائے گا۔

(۶) پھر ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ ذوی الفروض کی تعریف سبق سوم میں اور تفصیل سبق چہارم میں ہے۔

(۷) عصبات۔ اگر ذوی الفروض نہ ہوں یا ان کو پورا حصہ دینے کے بعد کچھ بچ جائے تو عصبات پر بترتیب تقسیم ہوگا۔ عصبات کی تعریف سبق سوم میں اور تفصیل سبق پنجم میں ہے۔

(۸) عصبات نہ ہوں تو زوجین کے سوا دوسرے ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق رد کیا جائے گا۔ رد کا طریقہ سبق ہشتم میں ہے۔

(۹) ورنہ ذوی الارحام کو بالترتیب ملے گا۔ ذوی الارحام کی تعریف سبق سوم میں اور تفصیل سبق نہم میں ہے۔

(۱۰) مولی الموالاۃ۔ ذوی الارحام بھی نہ ہوں تو مولی الموالاۃ کو دیا جائے۔

کوئی مجہول النسب شخص جس کا نسب اور رشتہ کچھ معلوم نہ ہو کسی دوسرے شخص سے کہے کہ آپ میرے مولی یعنی کفیل و سرپرست ہیں، اگر میں آپ کی زندگی میں مرگیا تو آپ میرے ترکہ کے مستحق ہوں گے، اور اگر میں کوئی نقصان کردوں تو تاوان بھی آپ کو دینا پڑے گا۔ وہ دوسرا شخص اس کو قبول کرے تو وہ مولی الموالاۃ کہلاتا ہے۔ یہ مجہول النسب شخص اس کی زندگی میں مرجائے تو اس کی میراث مولی الموالاۃ کو پہنچے گی۔

اگر دو مجہول النسب شخص جانبین سے باہم ایسا اقرار کریں تو جانبین سے مولی الموالاۃ ہوجائیں گے اور پہلے مرنے والے کی میراث دوسرے کو ملے گی۔

جب تک مولی الموالاۃ نے کسی قسم کا تاوان ادا نہیں کیا اس وقت تک مجہول النسب کو اس اقرار سے رجوع کرلینا جائز ہے، مولی نے اس کی طرف سے کوئی تاوان ادا کردیا تو اقرار سے رجوع صحیح نہیں۔

(۱۱) پھر مقر لہ بالنسب علی الغیر یعنی وہ مجہول النسب شخص جس کے بارے میں میت

نے اپنے وارثوں میں داخل ہونے اور اپنے نسب میں شریک ہونے کا اس طرح اقرار کیا ہو کہ اس کا علاقۂ نسب کسی دوسرے سے لگ جائے لیکن اصل نسب والے نے اس کا اقرار نہ کیا ہو اور نہ گواہ ہوں، ایسا شخص مقرلہ بالنسب علی الغیر کہلاتا ہے، اس کے وارث ہونے کی تین شرائط ہیں:

(۱) مقر آخری دم تک اپنے اس اقرار پر قائم رہا ہو، اس سے رجوع نہ کیا ہو۔

(۲) مقرلہ کی عمر اس قابل ہو کہ مقر کی تصدیق کی جاسکے۔

(۳) مقرلہ اگر اتنی عمر کا ہے کہ اپنے نفس سے تعبیر کرسکتا ہے تو وہ بھی مقر کی تصدیق کرے اگرچہ مقر کی وفات کے بعد ہی کرے، البتہ اگر مقرلہ اتنا صغیر ہے کہ اپنے نفس سے تعبیر نہیں کرسکتا تو اس کی تصدیق ضروری نہیں۔

مثلاً زید کسی مجہول النسب شخص سے متعلق کہتا ہے کہ یہ میرا بھائی یا میرا چچا ہے، اور اس شخص کی عمر اس قابل ہے کہ اس کا بھائی یا چچا ہوسکے، یعنی زید کے باپ یا دادا سے پندرہ بیس برس چھوٹا ہے۔ زید کے اس اقرار سے یہ لازم آیا کہ یہ شخص اس کے باپ یا دادا کا بیٹا ہے لیکن زید کے باپ یا دادا نے کبھی اس کا اقرار نہیں کیا اور نہ گواہ ہیں۔ البتہ مقرلہ زید کی تصدیق کرتا ہے۔ ایسی صورت میں زید کا اقرار اپنے حق میں صحیح ہوگا اور یہ شخص زید کے وارثوں میں داخل ہوجائے گا۔ لیکن ذوی الفروض یا عصبہ نہ بنے گا بلکہ مذکورہ بالا جملہ اقسام نہ ہونے کی صورت میں وارث ہوگا۔

اگر نسب علی الغیر کا اقرار کرنے کے بعد اس سے رجوع کرلیا تو یہ رجوع صحیح ہے، ایسا مقرلہ وارث نہ ہوگا۔

تنبیہ: اگر غیر نے مثلاً زید کے باپ یا دادا نے بھی اقرار کرلیا کہ یہ میرا بیٹا ہے یا گواہ موجود ہوں یا مقر نے خود اپنے نسب میں داخل ہونے کا اقرار کیا، مثلاً کہا کہ فلاں شخص میرا بیٹا ہے اور اس مجہول النسب کی عمر بھی اس قدر ہے کہ اس کا بیٹا ہوسکتا ہے اور مقرلہ کی تصدیق بھی کرتا ہے تو یہ نسب ثابت ہوجائے گا، اس لیے یہ شخص حقیقی ذوی الفروض عصبہ کی طرح میراث پائے گا۔ اس صورت میں اقرار کے بعد رجوع صحیح نہیں۔

(۱۲) پھر جس کو ثلث مال سے زیادہ کی وصیت کی ہو۔

(۱۳) اگر وہ بھی نہ ہو یا اس سے کچھ بچے تو بیت المال میں داخل کردیا جائے۔

تسہیل المیراث ــــــــ ۱۴۰

بیت المال نہ ہونے کی صورت میں زوجین یا ابن رضاعی یا بنت رضاعیہ یا معتق کے ذوی الفروض و ذوی الارحام کو دے دیا جائے، بشرطیکہ یہ سب بیت المال کے مال کے مستحق ہوں، ورنہ کسی دوسرے کار خیر میں لگا دیا جائے۔

سبق دوم

موانع ارث:

مانع ارث مدجیشک چیز چار رق وقتل و اختلاف دین و دار
جانو لیکن بکفار ست خاص مختصر گفتم تو یاد دار

① رق خواہ کامل ہو جیسے قن، یا ناقص جیسے مدبر، مکاتب، ام ولد غلام شرعاً مالک ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ اس کے قبضہ میں جو کچھ آتا ہے وہ اس کے مولیٰ کی ملک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر غلام کا کوئی رشتہ دار مرجائے تو غلام اس کا وارث نہ ہوگا، کیونکہ اگر اس کو حصہ دلایا جائے تو وہ مولیٰ کی ملک ہو جائے گا جو اس مال کا مستحق نہ تھا، اور غلام کے انتقال پر اس کے وارثوں کو میراث اس لئے نہیں ملتی کہ غلام کسی چیز کا مالک ہی نہیں جو کچھ بھی اس کے قبضہ میں ہے وہ سب مولیٰ کا مملوک ہے۔

② قتل سے مراد وہ قتل ہے جس کی وجہ سے فی نفسہ قصاص یا کفارہ واجب ہو اگرچہ کسی مانع کی وجہ سے قصاص و کفارہ ساقط ہو گیا ہو، پس اگر باپ نے بیٹے کو قتل کر دیا تو باپ وارث نہ ہوگا اگرچہ اس پر قصاص و کفارہ کچھ بھی نہیں۔ اور اگر مورث نے ناحق قاتل پر حملہ کیا، اس نے اپنے بچاؤ کے لئے مورث پر وار کیا اور مورث مرگیا، یا صبی یا مجنون نے مورث کو قتل کر دیا تو یہ محروم نہ ہوں گے، کیونکہ ان پر فی نفسہ کفارہ یا قصاص نہیں۔

فائدہ: قتل جو قصاص یا کفارہ کا موجب ہے اس کی تین قسمیں ہیں:

① عمد: ایسی چیز سے قصداً قتل کرے جو جارح ہونے کی وجہ سے اجزاء میں تفریق پیدا کرتی ہو، مثلاً تلوار، تیز پتھر، تیز لکڑی، آگ وغیرہ، اس قتل کا موجب قصاص، اثم و ارث سے حرمان ہے۔

② شبہ بالعمد: ایسی چیز سے قصداً قتل کرے جو جارح نہ ہو، مثلاً گلا گھونٹنا

یا پتھر یا لکڑی وغیرہ، خواہ پتھر یا چھری اتنی چھوٹی ہو جس سے عموماً انسان مرتے نہیں، اس کا موجب اثم و دیت و کفارہ و حرمان ہے۔

③ خطأً، سہواً قتل ہو جائے، مثلاً کسی شکار کی طرف تیر مارا اچانک کسی انسان کو لگ گیا، یا انسان کو شکار سمجھ کر تیر مارا اور وہ مر گیا، اس کا موجب دیت و کفارہ و حرمان ہے۔

④ اگر وارث اور مورث میں سے ایک مسلمان ہے دوسرا کافر تو ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا، کافر خواہ عیسائی یا یہودی ہو یا قادیانی یا شیعہ سب کا یہی حکم ہے۔ مرتد کو قتل کر دیا گیا یا مر گیا تو اس کا حالتِ اسلام میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان وارثوں پر تقسیم کر دیا جائے اور حالتِ ارتداد کی کمائی بیت المال کے مصارف میں خرچ کی جائے۔

مرتدہ کی موت کے بعد اس کا مال مسلمان وارثوں کو ملے گا خواہ حالتِ اسلام میں وہ مال اس کو حاصل ہوا ہو یا مرتد ہونے کے بعد، عورت اور مرد میں یہ فرق ہے کہ مرد مرتد ہو جائے تو وہ واجب القتل ہے، جب اس کا خون ہی اس حال میں محفوظ نہیں تو مال بدرجہ اولیٰ محفوظ نہ ہوگا۔ بخلاف عورت کے کہ اس کا خون محفوظ ہے تو مال بھی محفوظ ہوا، عورت اگر مرتد ہو جائے تو واجب القتل اس لئے نہیں کہ اس سے حرب وغیرہ کا خوف نہیں، لہٰذا جب تک دوبارہ اسلام نہ لائے اس کو محبوس رکھنے کا حکم ہے۔

مرتد جیسے مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اسی طرح کسی کافر یا مرتد کا بھی وارث نہیں ہوتا۔ البتہ اگر کسی علاقے میں اتنے لوگ مرتد ہو جائیں کہ بادشاہ کو ان سے جنگ کی ضرورت پڑے تو یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے

کوئی مسلمان کفار کے یہاں قید ہو جائے تو اس کے تین حال ہیں:

① اگر وہ مسلمان ہے تو میراث میں مسلمانوں کا سا حال ہے۔

② اگر اس نے اپنا دین چھوڑ دیا تو اس کا حکم مرتد کا سا ہے۔

③ اگر کچھ معلوم نہیں کہ وہ مرتد ہو گیا یا مر گیا یا زندہ ہے تو اس کا حکم مفقود کا سا ہے۔ مفقود کا بیان رسالہ کے آخر میں ہے۔

فائدہ : چونکہ مسلم کافر پر ولایت رکھتا ہے۔ اسی لئے مسلم کی شہادت بھی کافر پر قبول کی جاتی ہے، لہٰذا قیاس یہ ہے کہ مسلم کافر کا وارث ہو جائے، لیکن خلاف قیاس حدیث وارد ہونے کی وجہ سے وارث نہ ہوگا۔

(۴) اختلاف دار کفار کے ساتھ خاص ہے، پس اگر ایک مسلم دارالاسلام میں ہو اور دوسرا دارالحرب میں تو ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، البتہ کفار کے لئے اختلاف دار مانع عن الارث ہے۔ اختلاف دار خواہ حقیقۃً وحکماً دونوں طرح ہو مثلاً حربی و ذمی، یا صرف حکماً ہو مثلاً مستأمن و ذمی، یہ دونوں اگرچہ حقیقۃً دارالاسلام میں ہیں مگر ان میں حکماً اختلاف دار ہے، کیونکہ مستأمن دارالحرب کی طرف واپسی کا خیال رکھتا ہے ذمی نہیں، اور ذمی کے قاتل پر قصاص واجب ہے مستأمن کے قاتل پر نہیں۔

اسی طرح اگر مختلف دارین کے دو حربی ایک دار میں جمع ہوں تو حقیقۃً اگرچہ دار واحد ہے مگر حکماً مختلف ہے، کیونکہ اصل میں دارین مختلفین کے ہیں اور ہر ایک اپنے دار کی طرف رجوع کا خیال رکھتا ہے، لہٰذا ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، البتہ اگر صرف حقیقۃً اختلاف دار ہو حکماً نہ ہو تو مانع ارث نہ ہوگا، مثلاً حربی و مستأمن اگرچہ حقیقۃً دارین مختلفین میں ہیں مگر مستأمن چونکہ دارالحرب کی طرف رجوع کا خیال رکھتا ہے لہٰذا حکماً اختلاف نہیں، پس ان میں توارث جاری ہوگا۔

تنبیہ : اختلاف دار جب ہوگا کہ دونوں جگہ کا بادشاہ مستقل ہو، اور دونوں بادشاہوں کی آپس میں صلح بھی نہ ہو۔

فائدہ : مذکورہ بالا چار اسباب کے علاوہ موت کے وقت کا معلوم نہ ہونا بھی میراث سے محروم ہونے کا ایک سبب ہے، یعنی یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کون مرا ہے اور پیچھے کون، مثلاً بہت سے رشتہ دار ایک ساتھ جہاز میں غرق ہو گئے یا مکان یا دیوار کے گرنے سے دب کر مر گئے یا آگ میں جل گئے، یہ معلوم نہیں کہ کون پہلے مرا ہے کون پیچھے۔ تو یہاں یوں کہیں گے کہ گویا سب ایک ہی ساتھ مرے ہیں، نہ یہ اس کا وارث نہ وہ اس کا۔ ان کے بعد جو وارث موجود ہوں گے ان کو میراث دی جائے گی، مثلاً زید کے تین لڑکے ہیں، عمرو، بکر، خالد۔ پھر خالد کے دو لڑکے ہیں، سلمان اور حماد، زید اور اس کا لڑکا خالد دونوں غرق ہو گئے، معلوم نہیں کہ پہلے کون مرا ہے اور کون پیچھے، تو زید اور خالد ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔ بلکہ ایسا نہ

کیا جائے گا کہ زید کے مال کے تین حصے کرکے دو عمرو و بکر کو دیئے جائیں اور ایک خالد کو ملے، پھر خالد کے مرجانے کی وجہ سے اس کے دونوں لڑکوں سلطان و حامد کو ملے، بلکہ حامد محروم ہوجائے گا۔ اس لئے اس کے لڑکوں کو زید کے مال سے کچھ نہ ملے گا، کل مال زید کے لڑکوں عمرو بکر کو دیا جائے گا اسی طرح یہ بھی نہ ہوگا کہ خالد کے مال سے سدس اس کے باپ زید کو دیا جائے، پھر زید کے مرجانے کی وجہ سے اس کا یہ حصہ اس کے لڑکوں عمرو بکر کو ملے، بلکہ زید خود محروم ہوگا، لہٰذا خالد کے مال سے زید کے لڑکوں کو کچھ نہ ملے گا، کل مال خالد کے لڑکوں حامد و سلطان کو ملے گا۔

تنبیہ: محروم و محجوب کے اگرچہ لغۃً ایک ہی معنی ہیں مگر اصطلاحاً دونوں میں فرق ہے۔

محروم اسے کہتے ہیں جو مذکورہ بالا اسباب میں سے کسی سبب کی وجہ سے محروم ہو۔

محجوب وہ ہے جس کی میراث کسی دوسرے وارث کی وجہ سے کم ہوجائے یا بالکل رک جائے، اول کو حجب نقصان اور دوم کو حجب حرمان کہتے ہیں۔

محروم کسی وارث کو محجوب نہیں کرتا، نہ حجب نقصان نہ حجب حرمان۔

محجوب حجب نقصان و حجب حرمان دونوں طریقہ سے وارثوں کے لئے حاجب ہوتا ہے۔

سبق سوم

رشتہ دار وارثوں کی اقسام:

رشتہ دار وارثوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ذوی الفروض۔ جن کا حصہ قرآن یا حدیث یا اجماع امت سے معین ہے۔

(۲) عصبات۔ ذوی الفروض کے سوا باقی رشتہ داروں میں سے جو خود بھی مذکر ہوں اور میت کی طرف بواسطہ مذکر منسوب ہوں۔

(۳) ذوی الارحام۔ ذوی الفروض کے سوا جو خود مؤنث ہوں یا میت کی طرف بواسطہ مؤنث منسوب ہوں۔

تنبیہ: لفظ وارث جہاں مطلق ہو اس سے مراد صرف ذوی الفروض اور عصبات ہوں گے ذوی الارحام کو شامل نہ ہوگا۔

سبق چہارم

ذوی الفروض اور ان کے سہام

سہام:

سشش بود فرض مقدر در کتاب حق عـــه عزیز
نصف و ربع و ثمن باشد ثلث و ثلثان سدس نیز

قرآن مجید میں چھ سہام متعین ہیں۔ نصف، ربع، ثمن، ثلث، ثلثان، سدس۔ پہلے تینوں کو طائفہ اولیٰ اور آخری تینوں کو طائفہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ عدد کی دو قسمیں ہیں، مطلق اور مضاف، مطلق کو صحیح بھی کہتے ہیں، مثلاً دو، تین وغیرہ، اور مضاف کو کسر بھی کہتے ہیں، مثلاً نصف، ربع، ثمن وغیرہ۔ ہر کسر کے لئے صحیح عدد کی ضرورت ہے، مثلاً نصف کے لئے دو کی ضرورت ہے، جب تک کسی چیز کے دو حصے نہ کئے جائیں اس کا نصف نہیں نکل سکتا، اسی طرح ربع کے لئے چار کی ضرورت ہے، جو کسر جس اقل عدد صحیح کی محتاج ہو اس صحیح عدد کو اس کسر کا مخرج کہا جاتا ہے اور یہ کسر اپنے اس مخرج کی طرف مضاف ہوا کرتی ہے مثلاً ربع الاربعہ وغیرہ، ربع اگرچہ آٹھ اور بارہ وغیرہ سے بھی نکل سکتا ہے، مگر کم از کم اور اقل عدد جس سے ربع نکل سکے وہ چار ہے، اس سے کم سے ربع نہیں نکل سکتا، لہٰذا ربع کا مخرج چار ہے۔

پس سہام مذکورہ میں سے نصف کا مخرج دو، ربع کا چار، ثمن کا آٹھ، ثلث و ثلثان کا تین اور سدس کا چھ ہے۔

اگر طائفہ اولیٰ کے افراد آپس میں یا طائفہ ثانیہ کے آپس میں جمع ہو جائیں تو ان میں سے جس کا مخرج اکثر ہو اس کا اعتبار ہوگا، پس نصف و ربع جمع ہوں تو ان کا مخرج چار ہوگا، نصف و ثمن جمع ہوں تو مخرج آٹھ ہوگا، ربع و ثمن کبھی جمع نہ ہوں گے، ثلث و ثلثان جمع ہوں تو چونکہ دونوں کا مخرج تین ہی ہے لہٰذا اجتماع کے وقت بھی تین ہی ہوگا۔

عـــه یہ اشعار رسالہ میراث مطبوعہ ملتان سے بترمیم و تغییر نقل کئے گئے ہیں ۱۲ منہ

ثلث وسدس یا ثلثان و سدس یا تینوں جمع ہوں تو مخرج چھ ہوگا۔

طائفہ اولیٰ سے نصف طائفہ ثانیہ کے خواہ کسی فرد سے بھی جمع ہو مخرج چھ، ربع جمع ہو تو بارہ، ثمن جمع ہو تو چوبیس ہوگا۔

تنبیہ: ثلث ما بقی جس کی تفسیر آگے آئیگی اگر نصف سے جمع ہو تو بدستور سابق مخرج چھ ہوگا۔ البتہ اگر ربع سے جمع ہو تو مخرج بارہ نہیں بلکہ چار ہی ہوگا۔ اور ثلث ما بقی ثمن کبھی جمع نہ ہوگا۔

مسئلہ لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ھو الحی الذی لایموت ۔ یا ھو الباقی ۔ یا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھیں، پھر لفظ میت بہت لمبا کھینچ کر لکھیں اور اس کے بائیں گوشہ پر میت کا نام اور دائیں گوشہ پر لفظ مسئلہ لکھیں اور اس میت کے نیچے اس کے تمام وارثوں کو لکھیں جو اس کی وفات کے وقت زندہ تھے۔ اگر وارثوں میں زوج یا زوجہ ہو تو سب سے پہلے اس کو لکھیں، اس کے بعد باقی وارثوں کو، زوج یا زوجہ کو بعد میں لکھنے سے بھی اگرچہ مسئلہ صحیح نکل آتا ہے مگر لکھنے والا ناواقف سمجھا جاتا ہے، اگر وارثوں میں کوئی عصبہ بھی ہو تو اس کو سب سے آخر میں لکھیں، پھر ذوی الفروض کے حالات میں غور کر کے ہر وارث کے نیچے اس کا حصہ مقررہ نصف ثلث وغیرہ لکھ دیں، عصبہ ہو تو اس کے نیچے ع لکھ دیں، کوئی وارث محروم ہو تو اس کے نیچے م لکھ دیں۔ پھر ذوی الفروض کے نیچے لکھے ہوئے سہام کے مخرج کو لفظ مسئلہ کے اوپر لکھ دیں اور اس مخرج سے ہر وارث کا حصہ نکال کر اس وارث کے نیچے لکھتے جائیں، سب وارثوں کو حصہ دینے کے بعد اگر کچھ بچے تو اس کو عصبہ کے نیچے لکھ دیں، اس کے بعد عبارت والفاظ میں بھی پوری تصریح کر دیں کہ فلاں شخص کے مال کے بعد تقدیم حقوق متقدمہ علی المیراث اس قدر سہام بنا کر فلاں وارث کو اس قدر دیا جائے اور فلاں کو اس قدر۔

مسئلہ ۲۴

زوجہ	ام	بنت	عم	خال
ثمن	سدس	نصف	ع	م
۳	۴	۱۲	۵	

عول: بعض دفعہ مسئلہ سے وارثوں کو دیئے گئے سہام کا مجموعہ اصل مسئلہ کے عدد سے بڑھ جاتا ہے، اس کا نام عول ہے، وہاں حصوں کے مجموعہ کو اصل مسئلہ پر علامت عــ بنا کر اس کے اوپر لکھ دیتے ہیں، آگے جو عمل ہوگا اس عول کے عدد سے ہوگا، عول کے لغوی

مستحق کے ہیں، اس صورت میں چونکہ وارثوں کا حصہ کم ہو جاتا ہے اس لئے اس کو عول کہتے ہیں، دو، تین، چار اور آٹھ کا عول نہیں ہوتا، چھ کا عول دس تک شفعاً و وتراً ہر طرح آتا ہے اور بارہ کا عول سترہ تک صرف وتراً آتا ہے شفعاً نہیں اور چوبیس کا عول فقط ستائیس آتا ہے۔

اختین عینیتین	زوج
ثلثان	نصف
۴	۳

ذوی الفروض:

ده و دو اصحاب فرائض ہیں کہ ہیں یاد اے فتیٰ ‖ چار ہستند از رجال و ہشت بشمار از نسا
چار اول زوج و اب ہم جد و اخ خیفی بود ‖ ہشت تن اخت خیفی علی و عینی بود
نیز بنت و بنت الابن و زوجہ و مادر شمار ‖ ہشتمیں جدہ صحیحہ و دیگرے را نیست کار

جد سے مراد جد صحیح ہے۔

جد صحیح وہ ہے کہ میت کی طرف اس کی نسبت میں مؤنث کا واسطہ نہ ہو، مثلاً باپ کا باپ اور باپ کے باپ کا باپ وغیرہ۔

جد فاسد وہ ہے کہ میت کی طرف اس کی نسبت میں مؤنث کا واسطہ ہو، مثلاً ماں کا باپ اور باپ کی ماں کا باپ وغیرہ۔

جدہ صحیحہ وہ ہے کہ میت کی طرف اس کی نسبت میں جد فاسد کا واسطہ نہ ہو، مثلاً باپ کی ماں اور ماں کی ماں اور باپ کی ماں کی ماں وغیرہ۔

جدہ فاسدہ وہ ہے کہ میت کی طرف اس کی نسبت میں جد فاسد کا واسطہ ہو، مثلاً ماں کے باپ کی ماں اور ماں کے باپ کی ماں کی ماں اور ماں کی ماں کے باپ کی ماں وغیرہ۔

اخوۃ کی تین قسمیں ہیں:

عینی، علّی، خیفی۔

عینی وہ اخوۃ ہے جو ماں اور باپ دونوں طرف سے ہو، عین سے ماخوذ ہے جو بمعنی افضل ہے، چونکہ دونوں طرف سے اخوۃ یک طرفہ اخوۃ سے افضل ہے لہذا اسکو عینی کہا جاتا ہے۔

علّی وہ اخوۃ ہے جو صرف باپ کی طرف سے ہو، علّۃ[عہ] سے ماخوذ ہے جو بمعنی سوکن ہے

عہ علۃ مأخوذ من العلل وھو الشرب بعد الشرب فان الزوج لما تزوج مرۃ بعد اخری صار کأنہ شرب بعد نہل

باپ ایک ہو اور ماں جدا ہو تو وہ دونوں مائیں ایک دوسرے کی سوکن ہوں گی، اس لئے یہ اخوۃ علّی کہلاتی ہیں۔

خیفی وہ اخوۃ ہے جو صرف ماں کی جانب سے ہو، خیف سے ماخوذ ہے جو بمعنی مختلف ہے، چونکہ ایسی اخوۃ میں باپ مختلف ہوتے ہیں لہٰذا اسے خیفی کہتے ہیں۔

اس کے بعد خود صاحب اخوۃ یعنی بھائی بہن پر بھی ان الفاظ کا اطلاق ہوتا ہے، بھائی یعنی اور بہن عینیہ وغیرہ کہا جاتا ہے، ان کی جمع اعیان، اعیانی، بنو الاعیان وعلات، علاتی، بنو العلات واخیاف، اخیافی، بنو الاخیاف آتی ہے۔ پھر چونکہ اعمام وعمات واخوال وخالات ماں باپ کے بھائی بہن ہوتے ہیں لہٰذا ان کو بھی اعیانی وعلاتی واخیافی کہا جاتا ہے، پس باپ کا عینی بھائی عم عینی کہلائے گا ـــــ قال الشیخ احمد بن محمد بن علی المقری رحمہ اللہ تعالیٰ:

وصف اسرۃ تمیز الاعیان | فھم الذین یضمھم ابوان
اخیاف او لیس یجمعھم اب | وبعکسہا العلات یفترقان

بنت الابن جہاں بھی آئے گا عام ہوگا، جیسے بنت الابن وبنت ابن الابن وغیرہ، اسی طرح ابن الابن بھی عام ہے جیسے ابن الابن وابن ابن الابن وغیرہ۔

احوال الاب:

سدس آید مر پدر را با پسر وابن پسر | سدس وتعصیب آیدش با دختر ودختر پسر
گر ازیں دو قسم مذکورین نباشد ہیچ کس | نیست ز اصحاب فرائض عصبہ محض ست وبس

جب میت کا بیٹا یا پوتا موجود ہو اگرچہ ان کے ساتھ بیٹی یا پوتی بھی ہو تو باپ کو سدس ملے گا۔ اور اگر بیٹا و پوتا نہیں، صرف بیٹی یا پوتی ہے تو باپ کو سدس بھی ملے گا اور عصبہ بھی ہوگا۔

عصبہ کا مختصر حال یہ ہے:

عصبہ آں باشد کہ او دارد دو حال | گر بود تنہا بگیرد کل مال
ور بود با دیگرے صاحب نصیب | ہرچہ زو ماند بگیرد اے حبیب

اس کی پوری تفصیل سبق پنجم میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

احوال الجد:

جد چوں پدر ست میان جز سقوط ام اب | رد ام ہم سوئے ثلث ما بقی اے پر ادب
جد محروم ست اے دلبر از میراث خویش | با پدر اقرب کہ ازوے ہست در تعصیب پیش

اب اور جد کا دو مسائل میں فرق ہے:

(۱) ام الاب اب کی وجہ سے محروم ہے، جد سے محروم نہیں۔

(۲) اب کی موجودگی میں ام کو جن صورتوں میں ثلث ما بقی ملتا ہے ان میں اگر اب نہ ہو بلکہ جد ہو تو کل مال کا ثلث دیا جائے گا۔

ثلث ما بقی کی پوری تفصیل ام کے حالات میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

احوال الاخوۃ والاخوات الخیفیۃ:

در فرائض ہست مر اولاد مادر را سہ حال || مر یکے را سدس و ثلث از دو اگر زائد کساں
ساقطا اند ایشان بولد و با پدر باجد نیز || قسمتے یکساں ست در اولاد ام اے پر تمیز

اولاد عام ہے مذکر ہو یا مؤنث، اسی طرح ولد کا لفظ جس جگہ بھی آئے گا مذکر و مؤنث ولد الابن، ولد ابن الابن وھلم جرا سب کو شامل ہوگا۔ البتہ ولد البنت کو شامل نہیں۔

قال الشاعر:

بنونا بنو ابنائنا وبناتنا || بنوھن ابناء الرجال الاباعد

احوال الزوج والزوجۃ:

پس بدانکہ نصف شوہر را بباید بے ولد || ربع باشد بے تفاوت گر ولد باوے بود
با ولد ثمن ست زن را ربع باشد بے ولد || واحدے باشد کرا گر نیست فرق اے ذکی خرد

زوجہ اگر دو یا زیادہ ہوں تو ہر ایک کو جدا گانہ ربع یا ثمن نہیں ملے گا بلکہ ایک ہی ربع یا ثمن سب پر برابر تقسیم ہوگا۔

احوال البنات:

در فرائض مر بنات صلبیہ را سہ حال دان || مر یکے را نصف و ثلثان ہر اکثر بے کساں
عصبۂ بالغیر می گردند ایشان با پسر || پس پسر را حصۂ دو زن بدہ اے پر ہنر

احوال بنات الابن

چوں بنات صلب میدان در تمامی حالہا || مر بنات ابن را اندر ہمہ احوالہا
لیک احوال ست چندیں نیز شاں زائد ست || از بنات صلب میت کاں ہمہ لیست لہا

ــہ عصبہ بالغیر کی تعریف سبق پنجم میں ملاحظہ ہو ۱۲

سدس با یک بنت صلبی مر بنات ابن راست | با پسر محجوب دان رستی ز تفصیل و قال
با دو بنت ایں حکم باشد لیک با ابن پسر | عصبہ میگر دان تو شان ترا ندیجب کلھا

بنات الابن و بنات ابن الابن وغیرہ کے چھ حال ہیں، تین حال تو بنات کی طرح ہیں،
یعنی جب بنات نہ ہوں تو:

(۱) ایک بنت الابن کو نصف

(۲) دو یا زیادہ کو ثلثان

(۳) اگر ان کے ساتھ ابن الابن بھی ہو خواہ ان کا بھائی ہو یا ابن العم تو ان کو عصبہ کر دے گا اور للذکر مثل حظ الانثیین ان میں تقسیم ہوگی، بشرطیکہ یہ ابن الابن ان کا محاذی ہو۔

اور تین حال بنات الابن کے خاص ہیں:

(۱) ایک بنت کی موجودگی میں بنت الابن ایک ہو یا زیادہ ان کو سدس ملے گا، البتہ ابن الابن محاذی کے ساتھ عصبہ ہو کر باہم للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کریں گے۔

(۲) ابن کی وجہ سے محروم ہوں گی۔

(۳) دو یا زیادہ بنات کے ساتھ ساقط ہوں گی، لیکن اگر ان کے ساتھ ابن الابن محاذی یا اسفل ہو تو ان کو عصبہ کر دیگا اور آپس میں للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کریں گے۔

غرضیکہ بنات الابن جب صاحب فرض ہوں تو ابن الابن محاذی سے عصبہ ہوں گی اسفل سے نہیں، اور اگر بنات کی وجہ سے محروم ہوگئی ہوں تو محاذی و اسفل دونوں کی وجہ سے عصبہ ہو جاتی ہیں، اور عالی بہر صورت سفلیات کے لئے حاجب ہے، اسی طرح بنت الابن عالیہ کی وجہ سے بھی سفلیات جب کہ عصبہ نہ ہوں محروم ہوں گی، البتہ اگر بنت نہ ہو تو سب سے عالیہ بنت الابن بنت کے حکم میں ہوگی اور اس سے سفلی بنت الابن کے حکم میں اور اس سے سفلی اگر عصبہ نہ ہو تو محروم رہے گی۔

خلاصہ یہ کہ ابن الابن اور بنت الابن کے اجتماع کی تین حالتیں ہیں:

(۱) ابن الابن عالی ہو تو بہر حال بنت الابن کے لئے حاجب ہوگا

(۲) ابن الابن محاذی بہر صورت بنت الابن کو عصبہ کر دیتا ہے۔

(۳) ابن الابن اسفل ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ بنت الابن اگر صاحب فرض ہے تو اسے عصبہ نہ کرے گا، اور اگر محروم ہے تو عصبہ کر دے گا۔

پہلے درجہ میں ایک بنت الابن کو نصف اور دوسرے درجہ میں دو بنات الابن کو سدس ملے گا، تیسرے درجہ کی تین بنت الابن اور چوتھے درجہ کی ایک بنت الابن اسی درجہ کے ابن الابن کی وجہ سے عصبہ ہوں گی، اس لئے باقی مال انہیں للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہوگا، پانچویں درجہ کی بنت الابن محروم ہوگی۔

احوال الاخوات العینیۃ :

خواہران عینی میت را بود احوال پنج	نصف گر باشد یکے ثلثان اگر باشند گنج
یا برادر عینی وہم دختر و دختر پسر	عصبہ گردان جملہ را سہام شان نیکو بسنج

پہلے شعر میں دو حال مذکور ہیں :

(۱) ایک کو نصف۔

(۲) دو یا زیادہ کو ثلثان۔

اور دوسرا شعر بھی دو حال کو متضمن ہے :

(۱) برادر عینی کی وجہ سے عصبہ بالغیر ہوں گی اور باقی مال للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کریں گے۔

(۲) دختر و دختر پسر کی وجہ سے عصبہ مع الغیر ہوں گی مگر دختر و دختر پسر خود عصبہ نہ ہوں گی بلکہ ذوی الفروض ہی رہیں گی۔

عصبہ بالغیر وعصبہ مع الغیر میں فرق اور ان کی تعریف سبق پنجم میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پانچویں حالت احوال اخوات علّیہ کے آخر میں ہے کیونکہ وہ بھی اس میں شریک ہیں۔

احوال الاخوات العلّیۃ :

خواہران علّیہ را حالات جملہ ہفت ہست || نصف ہر یک راست ثلثان ہر چہ زاید بر یکست

سدس ایشان راست با یک خواہر عینی فقط || ور بود دو با بیاز میراث شاں ناخشست قسمت

لیک سیدان گر اخ علی با ایشان ہم بود || عصبہ ہر یک بیشود از داغ محرومی برست

ور بود ملحق با ایشان دختر و دخت پسر || عصبہ میگردند زاں کلیہ کاں شائع جست

با پسر و ابن پسر ہم با پدر بالاتفاق || نیز با جد نزد نعمان غیر را اینجا شکست

ہست ساقط اخوۃ و اخوات اعیان ہم علی || نیز علی یا اخ عینی بداں یکسو نشست

اخ علی کی وجہ سے اخوات علّیہ عصبہ بالغیر ہوں گی اور باقی ماندہ مال ان میں للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہوگا۔

بنت و بنت الابن کی وجہ سے عصبہ مع الغیر ہوں گی، مگر بنت اور بنت الابن خود عصبہ نہ ہوں گی۔

جب بنت یا بنت الابن کے ساتھ اخت عینیہ و اخت علّیہ دونوں جمع ہو جائیں تو دونوں عصبہ ہوں گی، مگر قوی عصبہ کی موجودگی میں ضعیف عصبہ محروم ہو جاتا ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سبق پنجم میں آئے گی، اس لئے اخت علّیہ محروم ہوگی، اسی طرح اخ علی بھی محروم ہوگا۔

احوال الجدّۃ :

سدس آید جدہ را پدری بود یا مادری || یا کہ اکثر لیک جدی شد بقربی یا بری

جملہ جدہ گشت ساقط با وجود ام بداں || جدہ ابوی گشت ساقط با پدر با ہمچناں

ہر شخص کی چار پشت تک تیس جدہ ہو سکتی ہیں جن میں سے چودہ صحیحہ ہیں اور باقی سولہ فاسدہ ہیں۔

نقشہ آئندہ صفحہ پر ہے۔

چودہ جدات صحیحہ کا نقشہ

نمبر پشت	جدات صحیحہ ابوی				جدات صحیحہ امی
پشت اول	دادی ۱	پہلی پشت میں صرف دو جدہ صحیحہ ہو سکتی ہیں			نانی ۲
پشت دوم	دادا کی ماں ۳	دادی کی ماں ۴	دوسری پشت میں تین ہو سکتی ہیں		نانی کی ماں ۵
پشت سوم	دادا کی دادی ۶	دادا کی نانی ۷	دادی کی نانی ۸	اس میں چار	نانی کی نانی ۹
پشت چہارم	دادا کے دادا کی ماں ۱۰	دادا کی دادی کی ماں ۱۱	دادا کی نانی کی ماں ۱۲	دادی کی نانی کی ماں ۱۳	نانی کی نانی کی ماں ۱۴

اگر میت کی زیادہ جدات ہوں اور قرب و بعد میں فرق ہو مثلاً ایک جدہ پشت اول سے اور دوسری پشت دوم سے ہو تو قربی کی وجہ سے بعدی محروم ہوگی اگرچہ قربی خود بھی محروم ہو، مثلاً باپ، دادی اور پرنانی کی موجودگی میں دادی کی وجہ سے پرنانی محروم ہوگی اگرچہ دادی خود بھی باپ کی وجہ سے محروم ہے۔

اور اگر سب جدات ایک ہی درجہ کی ہوں تو ان سب میں سدس برابر تقسیم ہوگا اگرچہ ایک جدہ صاحب قرابتین اور دوسری صاحب قرابت واحدہ ہو، مثلاً ہندہ کے پوتے اور نواسی کا آپس میں نکاح ہوا اور ان سے زید پیدا ہوا تو ہندہ زید کی جدہ صاحب قرابتین ہوئی، کیونکہ یہ زید کے باپ کی دادی بھی ہے اور اس کی ماں کی نانی بھی، ایک دوسری عورت صالحہ ہے جو زید کے باپ کی نانی ہے اور اس کو زید سے بس یہی علاقہ ہے، تو اس صورت میں

مسئلہ		زید
اب		ام
ام	اب	ام
ام		ام
صالحہ		ہندہ

زید کے مرنے پر صالحہ و ہندہ پر سدس برابر تقسیم ہوگا، یہ نہیں ہوگا کہ ہندہ دو حصے اور صالحہ کو ایک حصہ دیا جائے، بخلاف دوسرے مواقع کے کہ وہاں دو طرف کی قرابت سے حصہ بھی دو طرح سے ملتا ہے، مثلاً ایک شخص کسی عورت کا زوج بھی ہے اور ابن العم بھی، تو زوج ہونے کی وجہ سے اپنا مقررہ حصہ بھی لے گا اور اگر کوئی عصبہ اس سے مقدم موجود نہ ہو تو ذوی الفروض کے بعد باقی ماندہ مال بھی یہی زوج لے گا کیونکہ ابن العم عصبہ ہے۔

جد کی وجہ سے : ام الاب و ام ام الاب وغیرہ محروم نہ ہوں گی کیونکہ ان میں جد کا واسطہ نہیں ، البتہ ام ابجد محروم رہے گی ۔

احوال الام :

در فرائض گر ہمیں ہست مادر را سہ حال	سدس با ولد ست یا ولد الابن بے قیل و قال
مثل مذکور ست گر باشد دوئی از اخت و اخ	یعنی و علّی و خیفی بست و یک باشد مثال
ثلث ما بقی ست بعد از فرض زوجہ زوج ہم	گر بایشاں ہم پدر ماند ز میت در مآل
ثلث از کل ست چوں نبود ازیں مذکور کل	ضبط احوال ذوالفرض ست بفضل ذی الجلال

ماں کے تین حال ہیں :

(۱) سدس (۲) ثلث ما بقی (۳) ثلث کل ۔

یہ تینوں حالات ترتیب وار معتبر ہیں ، یعنی سب سے پہلے ان صورتوں کا اعتبار کیا جائے گا جن میں ماں کو سدس ملتا ہے ، اگر سدس کی صورتوں میں سے کوئی صورت بھی نہ ہو تو پھر وہ صورتیں معتبر ہوں گی جن میں ثلث ما بقی ملتا ہے ، اگر ان میں سے کوئی صورت نہ ہو تو ثلث کل دیا جائے گا ، مثلاً میت نے بیٹی ، ماں ، باپ اور شوہر وارث چھوڑے تو ماں کو سدس ملے گا ، شوہر کو دے کر باقی کا ثلث نہیں دیا جائے گا ۔

اگر میت کے بھائی اور بہنوں میں سے دو یا زیادہ موجود ہوں اگرچہ خود محروم ہی ہوں تب بھی ماں کو سدس ملے گا ۔

تمت احوال اصحاب الفروض بحمد اللہ

سبق پنجم

عصبات :

عصبہ بمعنی پٹھا ہے ، اصطلاحاً وہ جو کہ گوشت پوست میں شریک ہو جس کے عیب دار ہونے سے خاندان میں عیب لگے ، شریعت میں اولاد باپ کی ہوتی ہے اس لئے عورت کے خاندان کی اولاد عصبہ نہیں ، کیونکہ وہ اولاد تو اس کے شوہر کی ہے ۔

اصلی وارث عصبہ ہے ، اس لئے بیٹا شریعت میں عصبہ ہوا ذوی الفروض میں سے

نہ ہوا، ذوی الفروض کے بعد عصبہ کا حق ہے، اگر ذوی الفروض میں سے کوئی بھی نہ ہو یا ان سے کچھ بچے تو وہ عصبہ کو ملے گا۔

عصبہ کی دو قسمیں ہیں:

① عصبہ نسبی ② عصبہ سببی۔

عصبہ سببی معتق ہے، مذکر ہو یا مؤنث۔ یہ عصبہ نسبی سے مؤخر ہے، اگر معتق بھی نہ ہو تو اس کا عصبہ بنفسہ وارث ہوگا، پھر سببی، وعلیٰ ہذا۔ معتق کے ذوی الفروض اور عصبہ بالغیر و مع الغیر اور ذوی الارحام کا کوئی حق نہیں۔

اگر کوئی اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو جائے تو وہ غلام خود بخود آزاد ہو جائے گا، اگرچہ مالک نے آزاد کرنے کا قصد نہ کیا ہو، اس غلام کی میراث کا مستحق عصبہ نسبی کی عدم موجودگی میں یہی مالک ہوگا، اگر دو یا زیادہ شخصوں نے مشترک غلام آزاد کیا تو ہر ایک کو اس کے حصے کے مطابق میراث ملے گی۔

عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں:

① عصبہ بنفسہ ② عصبہ بالغیر ③ عصبہ مع الغیر

عصبہ بنفسہ: یہ خود بھی مذکر ہوتے ہیں اور میت کی طرف بواسطۂ ذکور منسوب ہوتے ہیں۔

عصبہ بالغیر: وہ ذوی الفروض عورتیں ہیں جو اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر عصبہ ہو جاتی ہیں، اور وہ بھائی خود بھی عصبہ بنفسہ ہوتے ہیں اس لئے ان میں تقسیم للذکر مثل حظ الانثیین ہوتی ہیں، جیسے ابن کے ساتھ بنت اور ابن الابن کے ساتھ بنت الابن اور اخ عینی کے ساتھ اخت عینیہ اور اخ علّی کے ساتھ اخت علّیہ۔

جو عورتیں ذوی الفروض نہیں وہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ نہیں ہوتیں، پس عم کے ساتھ عمہ عصبہ نہ ہوگی۔

عصبہ مع الغیر: وہ ذوی الفروض عورتیں ہیں جو دوسری ذوی الفروض عورتوں کی وجہ سے عصبہ ہو جاتی ہیں اور عصبہ بنانے والی خود ذوی الفروض رہتی ہیں، جیسے بنت اور بنت الابن کی وجہ سے اخت عینیہ و اخت علّیہ۔

جہاں مطلق لفظ عصبہ لکھا جاتا ہے اس سے عصبہ بنفسہ مراد ہوتا ہے اور فی الواقع عصبہ

مسئلہ ۳
بنتین ۲ اخت عینیہ ۱ عصبہ م

مسئلہ ۱۲
زوج ۳ بنت ۶ اب ۳ ام الاب م

مسئلہ ۴
زوج ۱ بنت ۲ اخت عینیہ ۱ اخ علی م

مسئلہ
خمس اخوات عینیہ ۵ اخ عینی ۲ اخ عینی ۲ ابن فاسق م

مسئلہ ۵
اخت عینیہ ۱ اخ عینی ۲ اخ عینی ۲

مسئلہ ۱۵
زوجہ ۳ بنت ۱۲ بنت ۳ ام ۲ اب الاب ۳

مسئلہ ۲۴
زوجہ ۳ بنتین ۱۶ ام الام ۴ ابن الاخ العینی ۱

مسئلہ
زوجہ ۱ بنت ۱ ابن ۲ ابن ۲ ابن ۲

مسئلہ ۲۴
زوجہ ۳ بنتین ۱۶ اب ۴ ام ۴

مسئلہ ۶
ام ۱ بنت ۳ اب ۲ اخ عینی م

مسئلہ
اخت علیہ ۱ اخت علیہ ۱ اخت علیہ ۱ اخ علی ۲ اخ علی ۲

مسئلہ ۱۲
زوجہ ۳ ام ۲ ابن قاتل م اخت عینیہ ۴ اخت عینیہ ۴ اخت خیفیہ ۲ اخت خیفیہ ۲

سبق ششم

نسب اربع:

اسوۂ دو عدد و تماثل شد ۔۔۔ عدد کم بیش را تداخل شد
شد تباین چوں عدد شد واحد ۔۔۔ گو توافق چو ماسلف زاید

① تماثل: دو یا زیادہ اعداد آپس میں مساوی ہوں۔

ان کا عادِ اعظم بھی ان سے مساوی ہوتا ہے جو ان متساوی اعداد میں سے ہر ایک کو یکبارگی تقسیم کرتا ہے۔

بڑے سے بڑا ایسا عدد جو دو یا زیادہ اعداد کو پورا پورا تقسیم کرتا ہو اسے عادِ اعظم یا مشترک مقسوم علیہ اعظم کہا جاتا ہے۔

ان اعداد میں سے ہر ایک کے عادِ اعظم پر تقسیم کرنے سے جو جواب آئے وہ اس عدد کا وفق کہلاتا ہے۔

مثلاً چار اور چار میں نسبت تماثل ہے، ان کا عادِ اعظم بھی چار ہے جو دونوں کو پورا تقسیم کرتا ہے اور ہر ایک کا وفق ایک ہے۔

(۲) تداخل: دو عدد متساوی نہ ہوں بلکہ کم و بیش ہوں اور چھوٹا عدد بڑے کو پورا پورا تقسیم کر دیتا ہو۔

ان کا عادِ اعظم چھوٹے عدد سے مساوی ہوتا ہے جو کہ چھوٹے عدد کو یکبارگی اور بڑے کو دو یا زیادہ بار تقسیم کرتا ہے، مثلاً تین اور چھ میں تداخل ہے ان کا عادِ اعظم تین ہے، تین کا وفق ایک اور چھ کا وفق دو ہے۔

(۳) توافق: چھوٹا عدد بڑے کو پورا تقسیم نہ کر سکے مگر کوئی تیسرا عدد ان دونوں میں سے ہر ایک کو پورا پورا تقسیم کر دے جو ان کا عادِ اعظم ہوگا، مثلاً آٹھ اور بارہ میں توافق ہے، ان کا عادِ اعظم چار ہے جو دونوں کو پورا پورا تقسیم کر دیتا ہے، آٹھ کا وفق دو اور بارہ کا وفق تین ہے۔

توافق میں بڑے اعداد کا عادِ اعظم معلوم کرنے کا طریقہ عنقریب آ رہا ہے۔

(۴) تباین: نہ چھوٹا عدد بڑے کو پورا تقسیم کرے اور نہ کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو پورا پورا تقسیم کر سکے، ان کا عادِ اعظم ایک ہوتا ہے، مثلاً تین اور سات میں تباین ہے، سوائے ایک کے کوئی عدد ان دونوں کو پورا پورا تقسیم نہیں کر سکتا، اس لئے ان کا وفق بھی نہیں نکلتا۔

اشکال: توافق کی تعریف (جن عددوں کو کوئی تیسرا عدد پورا پورا تقسیم کر دے) پر وارد ہوتا ہے کہ عادِ اعظم ایک ہونے کی صورت میں بھی نسبت توافق ہو کیونکہ یہ ہر ایک عدد کو پورا پورا تقسیم کر دیتا ہے۔

جواب : ایک عدد نہیں اور توافق میں عاد اعظم کا عدد ہونا ضروری ہے۔

عدد : ۵۱ ہے جس کے طرفین کا مجموعہ اس سے دوگنا ہو۔

فائدہ : یہ نسب اربعہ صرف اعداد میں ہیں۔ اس لئے ایک کی نسبت ایک سے یا کسی عدد سے معلوم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ ان دونوں صورتوں میں چونکہ وفق نہیں نکلتا اس لئے یہ تباین کے حکم میں ہیں۔

توافق میں عاد اعظم معلوم کرنے کا طریقہ :

بڑے عدد کو چھوٹے پر تقسیم کرنے سے جو باقی بچے اس پر چھوٹے عدد مقسوم علیہ کو تقسیم کریں، پھر اس نئے مقسوم علیہ کو دوسرے باقی پر، اسی طرح عمل کرتے جائیں یہاں تک کہ کچھ باقی نہ بچے آخری مقسوم علیہ عاد اعظم ہوگا۔

اگر یہ عاد اعظم ایک ہے تو نسبت تباین ہوگی، اور اگر کوئی عدد ہے تو نسبت توافق ہوگی۔

مثال :

۳۸۴ اور ۱۲۹۶ کا عاد اعظم یوں نکلے گا۔

```
۳۸۴) ۱۲۹۶ (۳
     ۱۱۵۲
     ۱۴۴) ۳۸۴ (۲
          ۲۸۸
          ۹۶) ۱۴۴ (۱
               ۹۶
               ۴۸) ۹۶ (۲
                   ۹۶
                   ۰۰
```

عاد اعظم مطلوب ۴۸ ہے

دو سے زیادہ اعداد کا عاد اعظم نکالنے کے لئے پہلے دو اعداد کا عاد اعظم نکالیں، پھر اس عاد اعظم اور تیسرے عدد کا عاد اعظم نکالیں، اسی طرح عمل کرتے جائیں، آخری عاد اعظم جواب ہوگا۔

سبق ہفتم

تصحیح المسائل :

اگر سہام ورثہ پر منکسر ہوں تو اس کے دفع کے لئے ایک طریقہ ہے جس کو تصحیح المسائل کہتے ہیں۔

طریقہ یہ ہے کہ اگر کسر صرف ایک طائفہ میں ہو تو اس طائفہ کے رؤس و سہام کی

آپس میں نسبت معلوم کی جائے۔

اگر تماثل یا تداخل ہو اور سہام رؤس سے زیادہ ہوں تو تصحیح کی ضرورت نہیں۔ تداخل میں سہام رؤس سے کم ہوں یا توافق ہو تو رؤس کے وفق کو اور تباین ہو تو کل رؤس کو اصل مسئلہ میں اور اگر عول ہو تو عول میں اور ہر وارث کے سہم میں ضرب دیں۔

اصل مسئلہ یا عول میں ضرب دینے سے جو حاصل آئے وہ تصحیح المسألۃ ہے، اس کو اصل مسئلہ کے ساتھ علامت سے بنا کر اس کے اوپر لکھ دیا جائے۔

مسئلہ ۵ — ۲۰

اب	ام	خمس بنات
$\frac{1}{5}$	$\frac{1}{5}$	$\frac{3}{20}$

مسئلہ ۶ — ۱۲

اب	ام	ست بنات
$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{4}{12}$

مسئلہ ۶ عول ۸ — ۱۶

زوج	ثمانی اخوت علّیہ
$\frac{3}{6}$	$\frac{3}{8}$

اگر کسر دو یا زیادہ طائفہ میں ہو تو اولاً ہر طائفہ کے سہام و رؤس کی نسبت معلوم کریں، اگر تداخل ہو اور سہام رؤس سے کم ہوں یا توافق ہو تو رؤس کے وفق کو اور تباین ہو تو کل رؤس کو محفوظ رکھیں، پھر رؤس طائفہ اولیٰ کے محفوظ داشتہ عدد اور رؤس طائفہ ثانیہ کے محفوظ داشتہ عدد کی آپس میں نسبت دیکھیں، تباین ہو تو ایک کو دوسرے میں ضرب دیں، توافق ہو تو ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں، تداخل ہو تو اکثر کو لے لیں، تماثل ہو تو دونوں میں سے ایک کو لے لیں، پھر اس حاصل ضرب یا ماخوذ کی رؤس طائفہ ثالثہ کے محفوظ داشتہ عدد سے نسبت دیکھیں اور اسی طرح عمل کرتے جائیں حتیٰ کہ سب طائفے پورے ہو جائیں، پھر اس آخری حاصل ضرب یا ماخوذ کو اصل مسئلہ یا عول میں اور ہر وارث کے سہم میں ضرب دیں، جو حاصل آئے وہ تصحیح المسألۃ ہے۔

مسئلہ ۶ — ۱۲

ثلث بنات	ثلث جدات	ثلث اعمام
$\frac{4}{12}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$

مسئلہ ۲۴ — ۱۴۴

اربع زوجات	ثلث جدات	اثنا عشر عمًا
$\frac{3}{36}$	$\frac{2}{24}$	$\frac{7}{84}$

مسئلہ ۲۴ — ۵۰۴۰

زوجتین	ست جدات	عشر بنات	سبعۃ اعمام
$\frac{3}{630}$	$\frac{4}{840}$	$\frac{16}{3360}$	$\frac{1}{210}$

مسئلہ ۲۴ — ۸۶۴۰

اربع زوجات	ثمانی عشر بنتا	خمس عشرۃ جدۃ	ستۃ اعمام
$\frac{3}{540}$	$\frac{16}{2880}$	$\frac{4}{420}$	$\frac{1}{180}$

مسئلہ ۴۵

بنت	بنت	بنت
خرچ کردہ از حصہ خود ۳۰ درم	خرچ کردہ از حصہ خود ۲۰ درم	ہیچ خرچ نہ کرد
۱۹	۱۶	۱۰

سبق ہشتم

طریق ردّ:

اگر ذوی الفروض میں سے ہر ایک کو پورا حصہ ملنے کے بعد کچھ مال بچ جائے اور کوئی عصبہ بھی نہ ہو تو باقی مال ذوی الفروض نسبیہ یعنی زوجین کے سوا باقی ذوی الفروض پر ان کے سہام کے مطابق رد کیا جائے گا، اس لئے ذوی الفروض نسبیہ کو من یرد علیہم کہا جاتا ہے، زوجین کو اس سے کچھ نہ ملے گا، لہٰذا یہ من لا یرد علیہم کہلاتے ہیں۔

رد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر مسئلہ میں من لا یرد علیہم نہ ہوں اور من یرد علیہم جنس واحد ہوں تو بعد الرد ان کے رؤس سے، ورنہ مختلف جنس کے ہوں تو ان کے سہام سے مسئلہ کیا جائے اور اس کو اصل مسئلہ کے ساتھ علامت لعـ [illegible] کے اوپر لکھ دیا جائے۔

مسئلہ ۳ لعـ ۲
اربع بنات
۲/۴

مسئلہ ۶ لعـ ۲	
جدہ	اخت خیفیہ
۱	۱

مسئلہ ۶ لعـ ۳	
اخت خیفیہ	ام
۱	۲

مسئلہ ۶ لعـ ۵	
اخت عینیہ	اختین خیفیتین
۳	۲

مسئلہ ۶ لعـ ۴	
بنت	بنت الابن
۳	۱

مسئلہ ۶ لعـ ۵		
اخت عینیہ	اخت علّیہ	اخت خیفیہ
۳	۱	۱

مسئلہ ۶ لعـ ۷		
اختین عینیتین	اختین علّیتین	اخت خیفیہ
۴	۲	۱

مسئلہ میں من لا یرد علیہ بھی ہو تو پہلے صرف من لا یرد علیہ کا مسئلہ بنا کے سہم کے اقل مخرج سے نکالیں، اس سے من لا یرد علیہ کو حصہ دے کر باقی محفوظ رکھیں پھر صرف من یرد علیہم کا مسئلہ نکالیں گویا کہ من لا یرد علیہ ان کے ساتھ نہیں اور من یرد علیہم

میں سے ہر ایک کو ان کے مسئلہ سے حصہ دے کر مسئلہ رجہ بالا طریقہ سے ان پر رد کریں،
یعنی ان کے رؤس یا سہام سے مسئلہ کیا جائے پھر من یرد علیہم کے مسئلہ بعد الرد کی من لا
یرد علیہ کے مسئلہ سے باقی کے ساتھ نسبت دیکھیں۔

اگر تماثل ہو تو مسئلہ من لا یرد علیہ بر حال رہے گا۔

تباین ہو تو کل مسئلہ من یرد علیہم کو اور تداخل ہو تو اس کے وفق کو من لا یرد علیہ
کے کل مسئلہ میں اور من لا یرد علیہ کے اس سہم میں جو اس کو اپنے مسئلہ سے ملا ہے
ضرب دیں۔

توافق اس جگہ نہیں ہو سکتا۔

من لا یرد علیہ کے مسئلہ میں ضرب دینے سے جو حاصل آئے وہ مخرج بعد الرد ہے۔

من یرد علیہم میں سے ہر ایک کو اپنے مسئلہ سے جو سہم ملا ہے اس کو من لا یرد علیہ
کے مسئلہ سے باقی کے کل یا وفق میں ضرب دیں۔

مسئلہ ۴ لہ ۳	
زوج	ثلث بنات
$\frac{۳}{۱}$	$\frac{۹}{۳}$

مسئلہ ۴ لہ ۱۶	
زوجہ	اربع اخوات عینیہ
$\frac{۳}{۴}$	$\frac{۸}{۱۲}$

مسئلہ ۱۲ لہ ۸	
زوج	ست بنات
$\frac{۲}{۲}$	$\frac{۸}{۶}$

مسئلہ ۴ لہ ۳ و ۴۸		
زوجہ	اربع جدات	ست اخوۃ خیفیہ
۳ / ۱ / ۱۲	۲ / ۱ / ۱۲	۴ / ۲ / ۲۴

مسئلہ ۲۴ لہ ۳ ر ۱۴۴۰		
اربع زوجات	تسع بنات	ست جدات
۳	۱۶	۴
$\frac{۵}{۱۸۰}$	$\frac{۲۸}{۱۰۰۸}$	$\frac{۷}{۲۵۲}$

ذوی الارحام:

ذوی الارحام کی بھی بلحاظ استحقاق عصبات نسبیہ کی طرح چار اقسام ہیں۔ اور عصبات
و من یرد علیہم کی عدم موجودگی میں بالترتیب وارث ہوتے ہیں، یعنی قسم اول سب سے

مقدم، پھر ثانی، پھر ثالث، پھر رابع۔

(۱) جزءِ میت: اولاد البنات واولاد بنات الابن وان سفلوا۔

(۲) اصل میت: الاجداد والجدات الفاسدات۔

(۳) جزءِ اصل قریب میت: اولاد الاخوات وبنات الاخوۃ وبنو الاخوۃ لام واولادھم۔

(۴) جزءِ اصل بعید میت: اعمام خیفیہ، عمات، اخوال وخالات، بنات الاعمام وکل هؤلاء للابوین وابوی الابوین، اور ان سب کی اولاد۔

اگر ایک قسم کے مختلف ذوی الارحام جمع ہو جائیں تو ہر ایک قسم کا آپس میں طریق تقسیم جدا ہے۔

مثال

قسم اول: قریب کی وجہ سے بعید محروم ہوگا، جیسے بنت البنت کی وجہ سے بنت بنت الابن،	بنت	بنت	بنت
	بنت	بنت	بنت
	بنت	ابن	بنت
	۱	۲	۱

پھر ولد الوارث[1] کی وجہ سے ولد غیر الوارث محروم ہوگا، جیسے بنت بنت الابن کی وجہ سے ابن بنت البنت۔

پھر ان ذوی الارحام کے اصول جو میت تک وسائط ہیں ان کو دیکھا جائے کہ ان میں ذکورۃ وانوثۃ کا اختلاف ہے یا نہیں؟

اگر نہیں تو موجودہ ذوی الارحام پر للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کی جائے۔

اختلاف ذکورۃ وانوثۃ ہے تو میت کی طرف سے سب سے پہلے جس جگہ اختلاف ہو وہاں للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کی جائے۔

اس تقسیم میں وصف اصول کی اور عدد سب سے آخری فروع کا معتبر ہوگا، مثلاً اصول میں اگر ایک ابن ہے اور اس کے آخر میں ایک ابن اور ایک بنت یا دو بنت یا دو ابن ہیں تو اس ابن کو جو اصول میں ہے دو ابن کے قائم مقام کیا جاتا ہے، اسی طرح اگر اصول میں ایک بنت ہے اور اس کے آخر میں ایک ابن اور ایک بنت یا دو بنت یا

[1] وارث سے مراد ذو الفرض یا عصبہ ہے۔

عینیہ، پس اب ابن الام کی وجہ سے اب اب الام محروم نہ ہوگا۔

پھر مثل قسم اول عمل کیا جائے مگر اس میں سب سے آخری بطن کے عدد کا اعتبار نہیں بلکہ اسی بطن کا عدد معتبر ہے جس پر اختلاف ذکورۃ وانوثۃ کی وجہ سے تقسیم کر رہے ہیں۔

قسم سوم: قریب کی وجہ سے بعید محروم ہوگا، جیسے بنت الاخ کی وجہ سے بنت بنت الاخ۔

پھر ولد الوارث کی وجہ سے ولد غیر الوارث محروم ہوگا، جیسے بنت ابن الاخ کی وجہ سے ابن بنت الاخ۔

پھر اگر سب اصول خیفی ہوں تو آخری فروع میں مذکر و مؤنث پر علی السویہ تقسیم کر دی جائے۔

اور سب اصول عینی یا سب علی ہوں تو باعتبار اختلاف ذکورۃ وانوثۃ قسم اول کی طرح عمل کیا جائے۔

اور مختلف ہوں تو پہلے اصول پر تقسیم کی جائے یعنی عینی علی خیفی بھائی اور بہنوں میں سے ذوی الفروض کو ان کا حصہ مقررہ دے کر باقی عصبات کو دیا جائے، اگر عصبہ کوئی نہ ہو اور رد کی ضرورت پڑے تو رد کیا جائے۔

ذوی الفروض کو حصہ دیتے وقت بھی وصف اصول کی اور عدد سب سے آخری فروع کا معتبر ہوگا۔

اس کے بعد عینیہ علیہ خیفیہ ہر ایک کو جدا جدا علی الفرز کر کے خیفیہ کا حصہ ان کے آخری فروع پر علی السویہ تقسیم کر دیا جائے اور عینیہ وعلیہ میں مثل قسم اول عمل کیا جائے۔

مسئلہ ۱

میت

اخ عینی		اخت عینیہ	اخ علی		اخت علیہ	اخ خیفی		اخت خیفیہ
٣	٢/٦	٣	٣		٣		١/٣	
بنت	ابن	بنت	بنت	بنت	ابن	ابن	بنت	بنت
٢	٢	١	٣	٣	٣	١	١	١

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ولو بطریق الجهاز فمن يدلي الى الميت يوصل قرابته اليه بنفس والباء فيه للالصاق فالقرابة مشتركة بين المدلى والواسطة ۱۲

عہ اس کی تحقیق رسالہ کے آخر میں ضمیمہ ثالثہ میں ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

مسئلہ نمبر ۳
میت

اخت عینیہ	اخت خیفیہ	اخ علی	اخت علیہ
۳/۱۵	۲/۱۰ (بنتی ۳)	۴ ۱/۵	۱
ابن ۱۵			ابن ۱

مسئلہ نمبر ۴ مثال ۲
میت

اخت عینیہ	اخت علیہ
۳/۹	۱
بنت ۹	ابن ۲، بنت ۱

قسم چہارم: قریب کی وجہ سے بعید محروم ہوگا، جیسے عمہ کی وجہ سے بنت العم اور بنت العم کی وجہ سے عمۃ الاب۔

پھر اگر اصول صرف جانب ام یا صرف جانب اب ہوں تو قوی کی وجہ سے ضعیف محروم ہوگا، یعنی عینی کی وجہ سے علی و خیفی اور علی کی وجہ سے خیفی محروم ہوگا۔

پھر ولد الوارث کی وجہ سے ولد غیر الوارث محروم ہوگا، جیسے بنت العم کی وجہ سے ابن العمہ۔ پھر حسب القسام الاولی خیفیہ میں بھی للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہوگی۔

اور اگر دونوں جانب موجود ہوں تو پہلے جانب ام کو ثلث اور جانب اب کو ثلثان دیکر ہر دو کو جدا جدا طائفہ کر دیا جائے، ہر ایک طائفہ میں قوی کی وجہ سے ضعیف محروم ہوگا۔

پھر ولد الوارث کی وجہ سے ولد غیر الوارث محروم ہوگا۔

ایک طائفہ کے قوی یا ولد الوارث کی وجہ سے دوسرے طائفہ کا ضعیف یا ولد غیر الوارث محروم نہ ہوگا۔

اس کے بعد ہر دو طائفہ میں مثل قسم اول عمل کیا جائے۔

اگر میت کی عمہ و خالہ وغیرہ نہ ہوں تو میت کے باپ یا ماں کی عمہ و خالہ میت کی عمہ و خالہ کے قائم مقام ہوں گی۔

اگر باپ کی عمہ و خالہ اور ماں کی عمہ و خالہ جمع ہو جائیں تو جانب اب کو ثلثان اور جانب ام کو ثلث دے کر جدا جدا طائفہ کر دیں، پھر ہر طائفہ کو جو حصہ ملا ہے اس میں سے اس طائفہ کی جانب عمہ کو ثلثان اور جانب خالہ کو ثلث دے کر جدا جدا طائفہ کر کے ہر ایک طائفہ میں مثل قسم اول عمل کریں۔

مسئلہ ۳ ۲۱ ۷۰
میت

عمہ عینیہ	عم عینی	عم عینی	عم عینی	خالہ علیہ	خالہ علیہ	خال علی	خال اخیافی
م	۲ / ۱۲ / ۷۰			۳	۱ / ۷	۳	م
ابن ابنی م	ابن بنتی ۲۸	ابن بنتی ۲۸	ابن بنت ۱۴	بنت ۳ بنت ۳	ابن ۱۴	بنت ابنی ۴ / ۳۰ / ۱۲ / ۳۴	بنت ابن م

مسئلہ ۱۲ ۳۶
میت

عمہ علیہ	عمہ علیہ	عم علی	خالہ علیہ	خالہ عینیہ	خالہ عینیہ	خال عینی
۱۲	۲ / ۸ / ۲۴	۱۲	م	۲	۱ / ۴	۲
بنت ۴ ابنی ۴	ابن ۸	بنت بنتی ۴۰	بنت ابنت م	بنت ۲ بنتی ۲	ابنی ۴	بنت ابنی ۲ / ۶ / ۴ / ۱۰

سبق دہم

مناسخہ:

مناسخہ اسے کہتے ہیں کہ کسی وارث کا حصہ اس کو ملنے سے پہلے میراث بن کر اس کے وارثوں کی طرف منسوخ و منتقل ہو جائے، یعنی میراث تقسیم ہونے سے پہلے میت کے وارثوں میں سے کوئی شخص مر جائے، یا اسکے بعد بھی کوئی شخص میت اول یا میت ثانی کے وارثوں سے مر جائے، یا اسی طرح بہت سے وارث یکے بعد دیگرے تقسیم ترکہ سے پہلے مر جائیں۔

سب سے پہلا میت جس سے سلسلۂ تقسیم چلایا جائے اسے مورث اعلیٰ کہا جاتا ہے۔

مناسخہ کی تخریج کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے مورث اعلیٰ کا مسئلہ نکالنے کے

لئے لفظ میت کا لمبا خط کھینچ کر اس کے اوپر "مورث اعلیٰ" اور اس کا نام لکھیں اور نیچے اس کی وفات کے وقت اس کے جو وارث زندہ تھے مع ان کے ناموں کے لکھیں، کیونکہ صرف ام یا زوجہ یا ابن وغیرہ لکھنے سے دوسرے تیسرے نمبر کے مسئلہ میں جب پھر اسی رشتہ کے وارث لکھے جاتے ہیں تو اشتباہ ہو جاتا ہے۔

پھر اس کے نیچے کچھ جگہ چھوڑ کر اس میت کے لئے جو مورث اعلیٰ کے بعد اور دوسروں سے پہلے مرا ہو خط کھینچ کر اس کے اوپر "ثانی" اور اس میت کا نام لکھیں اور نیچے اس کی وفات کے وقت اس کے جو وارث زندہ تھے مع ناموں کے لکھیں۔

اسی طرح تھوڑی تھوڑی جگہ چھوڑ کر ترتیب وار ہر میت کے لئے خط کھینچ کر اس کے اوپر اس کا درجہ ثالث، رابع وغیرہ اور اس کا نام اور نیچے اس کے وارث جو اس کی وفات کے وقت زندہ تھے مع ناموں کے لکھے جائیں۔

پھر پہلے مورث اعلیٰ کا مسئلہ نکالیں، با وجوہ سابقہ عول و رد و تصحیح وغیرہ۔ پھر اس کے وارثوں سے جو شخص مر گیا ہو اس کے نام اور سہام کے نیچے قبر کا نشان بنا دیں، ان سہام کو جو میت ثانی کو میت اول سے حاصل ہوئے "مافی الید" کہا جاتا ہے، اس مافی الید کے عدد کو میت ثانی کے خط کے اوپر بائیں طرف اس کے نام کے ساتھ علامت مـــــ بنا کر اس کے اوپر لکھ دیں۔

پھر میت ثانی کا مسئلہ مثل سابق نکالیں، پھر میت ثانی کے مسئلہ کی اس کے مافی الید سے نسبت معلوم کریں۔

تماثل ہو تو مسئلہ میت اول بحال رہے گا۔

تداخل یا توافق ہو تو مسئلہ ثانیہ کے وفق کو اور تباین ہو تو اس کے کل کو مسئلہ اولیٰ کے کل میں اور میت اول کے ورثہ میں سے ہر ایک کے سہام میں ضرب دیں۔

مسئلہ اولیٰ میں ضرب دینے سے جو حاصل آئے وہ دونوں مسئلوں کا مخرج ہوگا، اس کو مسئلہ اولیٰ کے اوپر خط کھینچ کر اس پر لکھ دیں۔

پھر میت ثانی کے وارثوں میں سے ہر ایک کے سہام کو مافی الید کے وفق یا کل میں ضرب دیں۔

پھر میت ثالث کا نام جس جس جگہ وارثوں میں ہو اس پر مع سہام کے قبر کا

نشان بنا دیا اور جس جس جگہ سے اس کو سہام ملے ہوں سب کو جمع کر کے میت ثالث کے خط پر مافی الید کی علامت بنا کر اس کے اوپر لکھ دیں، پھر اس کا مسئلہ نکال کر اس کی مافی الید سے نسبت دیکھیں، تماثل ہو تو مخرج اول برحال رہے گا ورنہ مسئلہ ثالثہ کے وفق یا کل کو مخرج اول میں اور میت اول وثانی کے وارثوں کے سہام میں ضرب دیں اور میت ثالث کے وارثوں کے سہام کو اس کے مافی الید کے وفق یا کل میں ضرب دیں، پھر میت رابع وخامس وغیرہ میں یہی عمل کرتے جائیں، الی آخر الصورۃ المسئول عنہا۔

مسئلہ کامل ہو جانے کے بعد "الاحیاء" لمبا کھینچ کر اس پر "المبلغ" لکھ کر اس کے اوپر آخری مخرج کا عدد لکھ دیں اور "الاحیاء" کے نیچے سب میتوں کے موجودہ وارثین کے نام لکھ کر ہر ایک کے نیچے جو سہام اس کو جس جگہ سے ملے ہوں جمع کر کے لکھ دیں، اس کے بعد حسب سابق عبارت میں بھی ہر ایک کے سہام کی تصریح کر دیں۔

فائدہ: جہاں کہیں مناسخہ میں ایسی صورت پیش آئے کہ کسی میت کے وہی وارث ہوں جو اس کے مورث کے تھے اور اس میت کے ساتھ ترکہ میں شریک تھے، ان سے زائد کوئی وارث نہ ہو خواہ اسی حیثیت سے وارث ہوں جس سے پہلے تھے یا دوسری حیثیت سے تو ایسی صورت میں ایسا مورث اختصار عمل کے لئے کالعدم کیا جاتا ہے، اس کے نام کے نیچے "کالعدم" لکھ دیتے ہیں، مگر اس میں دو شرائط ہیں:

① کالعدم کرنے سے جن وارثوں کا حصہ بڑھتا ہے بعینہ وہی وارث میت ثانی کے ہوں، نہ ان سے کم ہوں نہ زیادہ۔

② مسئلہ ثانیہ کے سہام میں مناسبت بھی وہی ہو جو مسئلہ اولیٰ کے سہام میں ہے۔

تنبیہ: اگر مسئلہ میں من لا یرد علیہ بھی ہو اور کالعدم کرنے سے پہلے عول کی صورت ہو اور اس کے بعد رد کی ضرورت پڑے تو کالعدم کرنا صحیح نہ ہوگا، اگرچہ مسئلہ ثانیہ کے سہام میں بھی مناسبت وہی ہو جو مسئلہ اولیٰ کے سہام میں ہے کیونکہ اس صورت میں کالعدم کرنے سے سہام کی زیادتی میں تناسب نہیں رہتا۔

کالعدم کرنے کی مثال:

کسی شخص نے ایک زوجہ اور چار ابن وارث چھوڑے، پھر وہ زوجہ مر گئی اس نے بھی یہی چار بیٹے وارث چھوڑے۔

اس صورت میں زوجہ کو اول ہی سے کالعدم سمجھیں گے، اس تطویل کی حاجت نہیں کہ مورث اعلیٰ نے زوجہ اور چار ابن چھوڑے پھر زوجہ مری اس نے بھی چار ابن چھوڑے بلکہ اول ہی سے اس شخص کی جائیداد چار بیٹوں کو دیدی جائے۔

یہ مثال اس کی تھی کہ ایک ہی حیثیت سے وارث ہیں، جس طرح اس شخص کے بیٹے تھے اسی طرح اس کی زوجہ کے بھی بیٹے ہیں۔

دوسری حیثیت سے وارث ہونے کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے فقط چار ابن چھوڑے اور پھر ایک ابن نے صرف یہی تین بھائی وارث چھوڑے تو ایسا ابن کالعدم سمجھا جائے گا، گو ورثین باقی نے میت اول سے ابن ہوکر اور میت ثانی سے بھائی ہوکر حصہ لیا۔

۱۲۸
۳۶

مسئلہ اولیٰ مورث اعلیٰ میت ۱۲

زوج	بنت	ام
زید	زینب	ہندہ
$\frac{۳}{۱۲}$	$\frac{۶}{۹}$	$\frac{۲}{۱۲}$

مسئلہ ثانی زید میت ۴

زوجہ	ام	اب
فاطمہ	کلثوم	مسعود
$\frac{۱}{۴}$ ۸	$\frac{۱}{۴}$ ۸	$\frac{۲}{۴}$ ۱۶

مسئلہ ثالث زینب میت ۶

ام الام	ابن	ابن	بنت
ہندہ	سلطان	حامد	سارہ
$\frac{۱}{۲}$	$\frac{۲}{۶}$ ۲۴	$\frac{۲}{۶}$ ۲۴	$\frac{۱}{۶}$ ۱۲

مسئلہ رابع ہندہ میت ۹

زوج	اخ عینی	اخ عینی
محمود	ولید	خالد
$\frac{۲}{۱۸}$	$\frac{۱}{۹}$	$\frac{۱}{۹}$

المبلغ ۱۲۸

الاحیاء

فاطمہ	کلثوم	مسعود	سلطان	حامد	سارہ	محمود	ولید	خالد
۸	۸	۱۶	۲۴	۲۴	۱۲	۱۸	۹	۹

مسئلہ ۱۲ مورث اعلیٰ بکر

زوجہ	ام الاب	اخ عینی	اخ عینی	اخت عینیہ	اخت عینیہ
عائشہ	رقیہ	سلیم	عظیم	سعیدہ	کریمہ
$\frac{۳}{۱۸}$	$\frac{۲}{۱۲}$	۱۴	۱۴	۷	۷

مسئلہ ثانی رقیہ میت ۱۲

زوج	ابن	بنت
سعید	حمید	زبیدہ
$\frac{۱}{۴}$	$\frac{۲}{۶}$	$\frac{۱}{۳}$

المبلغ ۷۲

الاحیاء

عائشہ	سلیم	عظیم	سعیدہ	کریمہ	سعید	حمید	زبیدہ
۱۸	۱۴	۱۴	۷	۷	۳	۶	۳

اگر سونے سے چاندی پر یا بالعکس یا دونوں سے دونوں پر یا سونے اور چاندی اور عرض سے دونوں پر صلح کی تو ترکہ کا حاضر ہونا اور قبضہ اسی مجلس میں کرنا شرط ہے، خواہ بدل صلح مصالح کے حصہ سے کم ہو یا زیادہ۔

اگر دونوں سے یا تینوں سے صرف سونے یا صرف چاندی پر صلح کی تو شرط مذکور سے زائد یہ شرط بھی ہے کہ بدل صلح اپنی جنس میں سے مصالح کے حصہ سے زیادہ ہو۔

اسی طرح اگر بدل صلح مکیل یا موزون ہو تو ربوا کی صورتیں ناجائز ہوں گی۔

اگر میت پر دین محیط بالترکہ ہے تو صلح جائز نہیں، البتہ اگر محیط بالترکہ نہیں تو بہتر یہ ہے کہ ادائے دین سے پہلے صلح نہ کریں، اگر کرلی جائے تو جائز ہے۔

اگر میت کا لوگوں پر دین ہے تو کسی وارث کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی چیز پر صلح کرکے اپنا حصۂ دین دوسروں کے سپرد کردے، کیونکہ قرض خواہ کا مقروض کے سوا کسی دوسرے کو کسی چیز کے عوض میں قرض کا مالک بنانا صحیح نہیں۔

اگر ایسی ضرورت پیش آئے تو یہ تدبیر ہوسکتی ہے کہ باقی وارث کھجور وغیرہ کی ایک مٹھی مصالح سے اس کے حصۂ دین کے برابر ثمن میں فروخت کردیں، پھر مصالح اس ثمن کو مقروض پر حوالہ کردے تاکہ باقی وارث اس مقروض سے وصول کرلیں۔

صلح کے بعد باقی ترکہ کی تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مصالح کو دوسرے وارثوں میں داخل کرکے مسئلہ نکالیں بوجوہ سابقہ عول، رد، تصحیح وغیرہ، پھر مصالح کے سہم کو کل مسئلہ سے تفریق کرکے باقی مسئلہ کو علامت صہ بناکر اس کے اوپر لکھدیں اور مصالح کے نام اور سہام پر "صہ" کا احاطہ کردیں۔

مسئلہ ۳

زوج	ام	عم
صہ ۳	۲	۱
فیصد =	۶۶ $\frac{۲}{۳}$	۳۳ $\frac{۱}{۳}$

مسئلہ ۳۲ صہ ۲۸

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن
۴	صہ	۷	۷	۷
فیصد = ۱۶		۲۸	۲۸	۲۸

سبق سیزدہم

خنثیٰ کا حکم :

جہاں تک ہو سکے خنثیٰ کو سب احکام میں مرد یا عورت کی طرح شمار کریں گے، اگر اس میں مرد کی علامات زیادہ ہوں، مثلاً ڈاڑھی نکل آئے یا مرد کی پیشاب گاہ سے پیشاب کرتا ہو یا اس سے کسی عورت کو حمل رہ جائے تو اس کو مرد سمجھا جائے گا، اگر عورت کی علامات زیادہ ہوں، مثلاً وہ خود حاملہ ہوگئی یا پستان ظاہر ہوگئے یا حیض آنے لگے یا عورت کی پیشاب گاہ سے پیشاب کرتی ہو تو عورت سمجھی جائے گی، اگر دونوں مقاموں سے پیشاب کرتا ہو تو جس مقام سے پہلے پیشاب نکلے اس کا اعتبار ہوگا، لیکن جب دونوں حالتیں بالکل برابر ہوں اور حالت ایسی مشتبہ ہو جائے کہ کسی وجہ سے کسی طرح بھی مرد یا عورت ہونے کو ترجیح نہ دے سکیں تو اس کو خنثیٰ مشکل کہتے ہیں، میراث میں اس کا حکم اسوأ الحالین ہے، یعنی مرد یا عورت فرض کرنے سے جس تقدیر پر محروم رہے یا حصہ کم رہے اسی تقدیر کا اعتبار ہے۔

مسئلہ ۴

	زوجہ	ابن الاخ العینی	ولد الاخ العینی خنثیٰ مشکل
	۱	۳	م
فیصد =	۲۵	۷۵	

مسئلہ ۴

	ابن	بنت	خنثیٰ مشکل
	۲	۱	۱
فیصد =	۵۰	۲۵	۲۵

سبق چہاردہم

حمل کا حکم :

حمل کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں :

(۱) مورث کا ہو، یعنی اس کی زوجہ حاملہ ہو۔

(۲) غیر مورث کا ہو، مثلاً مورث کی والدہ کو حمل ہو۔

حمل مورث :

زوجۂ مورث معتدۂ موت تو ہوگی ہی، علاوہ ازیں معتدۂ طلاق بھی ہوسکتی ہے، اس لئے اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) فقط معتدۂ موت: اس حمل کے وارث ہونے کی یہ شرط ہے کہ عورت نے انقضاء عدت کا اقرار نہ کیا ہو تو موتِ مورث سے دو سال کے اندر پیدا ہو۔

انقضاء عدت کا اقرار کرلیا ہو تو شرط مذکور کے علاوہ یہ شرط بھی ہے کہ وقتِ اقرار سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہو۔

(۲) معتدۂ موت و معتدۂ رجعیہ: اس میں یہ شرط ہے کہ انقضاء عدت کا اقرار نہ کیا ہو تو موتِ مورث سے دو سال کے اندر پیدا ہو، اگرچہ وقتِ طلاق سے برسوں بعد ہو، یوں سمجھا جائے گا کہ زوج نے عدت کے اندر صحبت کرکے طلاق سے رجوع کرلیا تھا، اور جوان عورت کی عدت تین حیض ہے جن کے لئے کوئی مدت متعین نہیں۔

انقضاء عدت کا اقرار کرلیا ہو تو مزید یہ شرط بھی ہے کہ وقتِ اقرار سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہو۔

(۳) معتدۂ موت و معتدۂ بائنہ: انقضاء عدت کا اقرار نہیں کیا تو وقتِ بینونہ سے دو سال کے اندر پیدا ہو۔

انقضاء عدت کا اقرار کرلیا ہو تو یہ شرط بھی ہے کہ وقتِ اقرار سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہو۔

حمل غیر مورث :

اس کی چار صورتیں ہیں:

(۱) غیر معتدہ: اس میں موتِ مورث سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہونا شرط ہے، البتہ اگر موتِ مورث کے وقت حمل کا ظہور عام طور پر معلوم ہو یا اس پر شاہد موجود ہوں تو اس میں شرط مذکور نہیں، موتِ مورث سے چھ ماہ کے بعد پیدا ہونے کی صورت میں بھی وارث ہوگا، بشرطیکہ اکثر مدتِ حمل یعنی وقتِ علوق سے دو سال کے اندر پیدا ہو۔

اگر ظہورِ حمل عام طور پر معلوم نہیں اور نہ ہی اس پر شاہد ہیں، مگر بعض وارث

سوت مورث کے وقت وجود حمل کا اقرار کرتے ہیں اور مقرین کا عدد نصاب شہادت سے کم ہے تو یہ حمل بصرف مقرین کے حق میں وارث ہوگا۔

(۲) معتدۂ رجعیہ: انقضاء عدت کا اقرار نہ کیا ہو تو موت مورث سے چھ ماہ اور وقت طلاق سے دو سال میں سے جو مدت زیادہ ہو اس کے اندر پیدا ہو۔

انقضاء عدت کا اقرار کرلیا ہو تو یہ شرط مزید ہے کہ وقت اقرار سے چھ ماہ کے اندر ہو۔

(۳) معتدۂ بائنہ: انقضاء عدت کا اقرار نہ کیا ہو تو وقت بینونت سے دو سال کے اندر پیدا ہو۔ انقضاء عدت کا اقرار کرلیا ہو تو یہ شرط بھی ہے کہ وقت اقرار سے چھ ماہ کے اندر ہو۔

(۴) معتدۂ موت: اس کا حکم بعینہ معتدۂ بائنہ کی طرح ہے۔

شرائط مذکورہ کے علاوہ حمل کے وارث ہونے کی یہ شرط بھی ہے کہ ماں کے پیٹ سے اکثر زندہ باہر آجائے، خروج اکثر کا اعتبار اگر بچہ سیدھا پیدا ہو تو خروج سینہ سے ہے ورنہ خروج ناف سے، پس اگر مردہ پیدا ہوا یا خروج اکثر سے پہلے مرگیا تو وارث نہ ہوگا، یہ شرط جب ہے کہ بچہ خود بخود نکلے، اگر جنایت سے نکالا گیا تو وارث ہوگا۔

تقسیم ترکہ میں بہتر تو یہ ہے کہ حمل کی پیدائش کا انتظار کرلیں تاکہ اس کا وارث یا غیر وارث اور مرد یا عورت ہونا ظاہر ہوجائے، لیکن اگر انتظار نہ کریں اور پیدا ہونے سے پہلے ہی تقسیم کرنا چاہیں تو حمل کے لئے بتقدیر مذکورۂ ذکورت و انوثت جدا جدا دو مسئلے نکالیں، حمل کے سوا باقی وارثوں کو جس صورت میں کم ملے وہ ان کو دے کر مسئلہ سے جو باقی بچے وہ حمل کے لئے امانت رکھیں۔

ایک حمل سے زیادہ بچے پیدا ہوجانے کا بھی احتمال ہے اس لئے بہتر ہے کہ وارثوں سے ضامن لے لیا جائے۔

بچہ پیدا ہونے کے بعد اگر کل امانت واپسی کا مستحق ہوا تو فبہا ورنہ اس کی وجہ سے جن وارثوں کو اقل حصہ دیا تھا ان کا حصہ پورا کردیا جائے۔ مگر سہام کا اقل واکثر ہونا مخرج متحد ہونے کے بعد معلوم ہوتا ہے، اگر مخرج مختلف ہے تو سہام کا اقل واکثر ہونا ظاہر نہیں ہوتا، مثلاً ایک شخص نو سے تین اور دوسرا چار سے دو لیتا ہے، اس صورت میں بظاہر تین لینے والے کا حصہ زیادہ معلوم ہوتا ہے مگر حقیقۃً دو لینے والے کا حصہ

زیادہ ہے۔ کیونکہ دو چار کا نصف اور تین نو کا ثلث ہے، اس لئے ہر دو صورت مذکورۃ والمونثۃ میں سے اقل واکثر معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں مسئلوں کا مخرج متحد ہو۔

مخرج متحد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر دونوں مسئلوں میں تداخل یا توافق ہو تو ہر ایک مسئلہ کے وفق کو اور تباین ہو تو کل کو دوسرے مسئلہ کے کل میں ضرب دے کر ہر مسئلہ کے سہام کو دوسرے مسئلہ کے وفق یا کل میں ضرب دیں، مخرج متحد ہو کر اقل و اکثر معلوم ہو جائے گا۔

مسئلہ ۲ باعتبار مذکورۃ ۳×۷۲ = ۲۱۶

زوجہ	ام	اب	بنت	حمل
۹/۷۲	۱۲/۳۶	۱۲/۳۶	۱۳/۳۹	۲۶/۷۸

مسئلہ ۲ باعتبار مؤنثۃ ۲۷×۸ = ۲۱۶

زوجہ	ام	اب	بنت	حمل
۳/۲۴	۴/۳۲	۴/۳۲	۸/۶۴	۸/۶۴

زوجہ کو ۲۴ اور ام واب میں سے ہر ایک کو ۳۲ اور بنت کو ۳۹ دے کر باقی ۸۹ حمل کے لئے محفوظ رکھیں گے، اگر لڑکا پیدا ہوا تو زوجہ کو ۳ اور ام واب میں سے ہر ایک کو ۴ دے کر باقی ۷۸ اس کو دیں گے۔

لڑکی پیدا ہوئی تو ۸۹ میں سے ۲۵ بنت کو دیں گے تو اس کا حصہ ۶۴ ہو جائے گا، باقی ۶۴ اس نومولود لڑکی کو دیں گے۔

بچہ مردہ پیدا ہوا تو زوجہ کو ۳ اور اب وام میں سے ہر ایک کو ۴ اور بنت کو ۶۹ دیں گے، تاکہ اس کا حصہ نصف یعنی ۱۰۸ پورا ہو جائے اور باقی ۹ اب کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملیں گے۔

تنبیہات: وارثوں میں صغیر یا حمل موجود ہو تو اس کی ماں، بھائی اور چچا وغیرہ کو تقسیم ترکہ اور صغیر کے مال میں تجارت اور زمین میں زراعت وغیرہ کی اجازت نہیں، البتہ صغیر کے مال کی حفاظت، بیع منقول بغرض حفاظت اور صغیر کے لئے خوراک، پوشاک وغیرہ ضروریات خریدنے کی اجازت ہے بشرطیکہ صغیر ان کی پرورش میں ہو، ترکہ کی تقسیم اور صغیر کے مال منقول میں تجارت اور زمین میں زراعت کا اختیار صرف ولی یعنی باپ پھر اس کے وصی پھر دادا پھر اس کے وصی اور پھر حاکم مسلم کو ہے، اگر وہ بھی نہ ہو تو

محلہ کے دیانتدار لوگ کوئی متولی متعین کردیں۔
صغیر کی زمین بیچنے کا اختیار بجز چند مخصوص صورتوں کے ولی کو بھی نہیں۔

سبق پانزدہم

مفقود کا حکم:

مفقود ایسا غائب ہے جس کے مرنے یا زندہ ہونے کا کچھ حال معلوم نہ ہو، مفقود کا حکم لگنے کی کوئی میعاد نہیں، بلکہ اس کا مدار اس پر ہے کہ اس کا کچھ پتہ چلنے کی امید منقطع ہوجائے۔

جب مفقود کی عمر نوے برس ہوجائے تو اس کے مرنے کا حکم دیا جائے گا، اور اس کا مال موجودہ وارثین پر تقسیم ہوگا۔

غیر کے مال میں جب سے مفقود ہوا اسی وقت سے مردہ متصور ہوگا، یعنی اگر کوئی شخص اس کے مفقود ہونے کے بعد مرگیا تو یہ مفقود اس کا وارث نہ ہوگا، اگرچہ مفقود کی عمر ابھی تک نوے برس کی نہ ہوئی ہو، مگر چونکہ غیر کے مال میں بھی مردہ ہونے کا حکم نوے برس کی عمر کے بعد ہی ظاہر ہوتا ہے، اس سے پہلے اس کے واپس آکر وارث بن جانے کا احتمال ہے، اس لئے میت کے مال سے مفقود کا حصہ امانت رکھا جائے گا، اگر واپس آگیا تو اس کو مل جائے گا، ورنہ نوے برس کی عمر ہوجانے کے بعد میت کے مال سے امانت رکھا تھا اسی کے ان وارثوں پر لوٹایا جائے گا جو اس کے انتقال کے وقت زندہ تھے، موجودہ وارثوں کا اعتبار نہیں اور نہ ہی مفقود کے وارثوں کا اس میں کوئی حق ہے۔

تنبیہات:

(۱) مفقود کی عمر نوے برس ہوجانے پر اس کو مردہ قرار دینے کا یہ مطلب نہیں کہ اس حکم کے بعد اگر وہ زندہ یا اس کی حیات کی خبر معتبر کہا جائے تب بھی مردہ متصور ہوگا، بلکہ اس کا مال اس کو واپس کردیا جائے گا۔

(۲) غائب کے مال میں قاضی کے سوا کسی کو تصرف کا اختیار نہیں، اس لئے مفقود کی صورت میں ترکہ کی تقسیم اور اس کے حصہ میں تصرف کے لئے قاضی کوئی شخص متعین کرے۔

مفقود کا مسئلہ نکالنے کا طریقہ بھی وہی ہے جو حمل کا ہے یعنی مفقود کو زندہ و مردہ فرض کرکے ہر دو تقدیر پر دو مسئلے نکال کر دونوں کا مخرج متحد کرکے مفقود کے سوا باقی ورثہ کو اقل دیں اور جو مسئلہ سے باقی بچے وہ مفقود کے لئے امانت رکھیں، اگر مفقود واپس آگیا تو کل امانت داشتہ کا مستحق ہوگیا تو فبہا، اور اگر بعض کا مستحق ہوا یا واپس نہ آیا تو اس کی وجہ سے جن وارثوں کو اقل دیا تھا ان کا حصہ پورا کر دیا جائے۔

مسئلہ ۸ / ۵۶ باعتبار حیوۃ

زوج	اختین عینیتین	اخ عینی مفقود
۴	۲	۲
۲۸	۱۴	۱۴

مسئلہ ۶ عول ۷ / ۵۶ باعتبار وفاۃ

زوج	اختین عینیتین	اخ عینی مفقود
۳	۴	
۲۴	۳۲	

زوج کو ۲۴ اور اختین کو ۱۴ دے کر باقی ۱۸ مفقود کے لئے امانت رکھیں گے، اگر مفقود آگیا تو ۱۸ سے ۴ زوج کو دے کر باقی ۱۴ اس کو ملیں گے، اگر نہ آیا تو کل امانت داشتہ یعنی ۱۸ اختین کو مل جائیں گے اور ان کے مجموعہ سہام ۳۲ ہو جائیں گے۔

فائدہ: جب مناسخہ میں حمل یا مفقود کی صورت پیش آئے تو وہاں دو صورتوں میں سے ایک صورت لکھی جائے گی، مگر پہلے الگ دونوں صورتوں کو حل کرکے جس صورت میں باقی وارثوں کو کم ملے وہ سلسلۂ مناسخہ میں داخل کی جائے۔

آخر میں غرقی، حرقی، ہدمی اور اسیر و مرتد کے احکام بیان کرنے کا دستور ہے مگر یہ تینوں مضمون بقدر ضرورت موانع ارث کے بیان میں گزر چکے ہیں لہٰذا اب ان کے لئے مستقل بحث کی حاجت نہیں۔ فقط وهذا اول ما تيسر لي جمعه وتأليفه في عنفوان الشباب، وريعان سنه، فاني المتصدي في تحرير المتون العويصة من خدمة الطلاب، فانا اقول لمن طالعه وعلمه، او استفاد به وتعلمه، ان لا ينساني في دعواته، وطيب ساعاته، والمسئول من الله تعالى ان ينفع به الطالبين، ويجعله لي ذخرا ليوم الدين، سبحان ربك رب العزة عما يصفون، وسلام على المرسلين، والحمد لله رب العالمين، وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه اجمعين، آمين برحمتك يا ارحم الراحمين۔

رقمہ العبد رشید احمد

۲۶ ربیع الآخر ۱۳۶۶ھ یوم الجمعہ

ضمیمۂ اولیٰ

ذیل میں تخریجِ مسئلہ کا ایک جدید اور مفید ترین طریقہ لکھا جاتا ہے جو بندہ نے خود ایجاد کیا ہے، عول، رد وغیرہ سب جدید طریق پر کئے گئے ہیں، اس میں مہارت ہو جانے کے بعد مناسخہ کے لمبے چوڑے مسائل بہت مختصر وقت میں بسہولت نکالے جا سکتے ہیں، طریقِ مروّج کی بنسبت بہت سہل و مختصر ہے۔

طریقہ یہ ہے کہ سہام کا مخرج متفق نکالنے کی بجائے فیصد کے حساب کے مطابق ۱۰۰ کو مخرج بنا کر اس سے ہر وارث کو حصہ دیا جائے، اس طریق میں حساب کسور کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے اس کے چند ضروری اور آسان طریقے لکھے جاتے ہیں۔

اصطلاحِ عربی میں خط کے اوپر کی رقم کو کسر اور نیچے کی رقم کو اس کسر کا مخرج کہا جاتا ہے، مثلاً دو بٹہ تین $(\frac{2}{3})$ میں دو ۲ کسر اور تین ۳ اس کا مخرج ہے، جس سے مقصود یہ ہے کہ مقسوم کے تین حصے کر کے ان میں سے دو حصے لے لئے جائیں۔

① جمع:

سب کسور کا مخرج متفق نکالیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو مخارج کی آپس میں نسبت[1] معلوم کریں۔

اگر تباین ہو تو ایک مخرج کے کل کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں۔

توافق ہو تو ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں۔

تداخل ہو تو اکثر کو لے لیں۔

تماثل ہو تو دونوں میں سے ایک کو لے لیں۔

پھر اس حاصل ضرب یا ماخوذ کی تیسرے مخرج کے ساتھ نسبت دیکھ کر اس کے کل یا وفق میں ضرب دیں، پھر اس دوسرے حاصل ضرب کی چوتھے مخرج سے نسبت دیکھیں، اسی طرح عمل کرتے جائیں، حتی کہ سب مخارج ختم ہو جائیں۔

آخری حاصل ضرب کو خط کھینچ کر اس کے نیچے لکھ دیں، پھر اس آخری حاصل ضرب

---

[1] نسبت معلوم کرنے کے لئے دیکھئے سبق ششم ۱۲۰

کو ہر کسر کے اصل مخرج پر تقسیم کر کے حاصل تقسیم کو ہر کسر میں ضرب دیکر حاصل ضرب کو خط مذکور کے اوپر لکھتے جائیں، سب کسور کا مخرج متحد ہو جائے گا۔

پھر یہ جدید کسور جو ہر کسر کی ضرب سے حاصل ہوئیں اور خط کے اوپر لکھی گئی ہیں، ان کے مجموعہ کو مخرج متحد پر تقسیم کر کے صحیح عدد بنائیں، اگر تقسیم کے بعد کچھ بچ جائے تو وہ مخرج کی کسر ہوگی۔

اگر اس کسر اور مخرج میں تباین ہو تو دونوں بر حال رہیں گے، اور اگر تداخل یا توافق ہو تو دونوں کی بجائے ان کے وفق رکھ دیں، اس طرح عدد چھوٹے ہو جائیں گے تو حساب میں سہولت ہوگی۔

$$\frac{۲}{۳}+\frac{۵}{۶}+\frac{۷}{۹}+\frac{۳}{۵}$$

$$\frac{۶۰+۷۵+۷۰+۵۴}{۹۰\ \text{مخرج متحد}} = ۲\frac{۷۹}{۹۰}\ \text{حاصل جمع}$$

② تفریق:

اس میں بھی بطریق مذکور سب کسور کا مخرج متحد کر کے تفریق کریں، باقی ماندہ کسر اور اس کے مخرج میں اگر تداخل یا توافق ہو تو ان کی بجائے ان کے وفق رکھ کر عدد کو چھوٹا کر لیں، جیسے جمع میں گزرا۔

اگر مفروق کی کسور مفروق منہ سے زیادہ ہوں اور مفروق منہ کے ساتھ عدد صحیح بھی ہو تو صحیح عدد میں سے ایک لے کر اسے مخرج کے ساتھ ضرب دیکر جنس کسور سے کر کے ساتھ والی کسور سے جمع کر کے تفریق کریں۔

$$\frac{۳}{۴}-\frac{۱}{۳}$$

$$\frac{۹-۴}{۱۲} = \frac{۵}{۱۲}\ \text{حاصل تفریق}$$

③ کسر کی عدد صحیح میں ضرب:

مخرج کو صحیح عدد پر تقسیم کریں، حاصل تقسیم کسر سے کم ہو جائے تو کسر کو اس پر تقسیم

کرکے صحیح عدد بنائیں۔

اگر مخرج صحیح عدد پر پورا تقسیم نہ ہوسکے تو کسر کو صحیح عدد میں ضرب دیکر حاصل ضرب کو مخرج پر تقسیم کرکے صحیح عدد بنالیں، تقسیم کے بعد کچھ بچ جائے تو وہ اس مخرج کی کسر ہوگی، پھر اس کسر اور مخرج کے اعداد کو بطریق مذکور چھوٹے کرلیں۔

حاصل ضرب $۲\frac{۱}{۴} = \frac{۹}{۴} = ۳ \times \frac{۳}{۴}$

(۴) کسر کی عدد صحیح پر تقسیم:

اگر کسر مقسوم علیہ پر پوری تقسیم نہ ہوسکے تو مخرج کو مقسوم علیہ میں ضرب دیکر مخرج اور کسر دونوں کو بطریق مذکور چھوٹے کرلیں۔

حاصل تقسیم $\frac{۲}{۱۵} = \frac{۴}{۳۰} = ۶ \div \frac{۴}{۵}$

(۵) اگر عدد صحیح مقسوم مقدار میں مقسوم علیہ سے کم ہے یا مقسوم کو مقسوم علیہ پر تقسیم کرنے سے کچھ باقی بچ جاتا ہے تو کل مقسوم کو یا باقی کو کسر، اور مقسوم علیہ کو اس کا مخرج کردیا جاتا ہے، پھر بطریق مذکور کسر اور اس کے مخرج کو چھوٹے کرلیں۔

حاصل تقسیم $\frac{۳}{۴} = \frac{۶}{۸} = ۸ \div ۶$ حاصل تقسیم $۲\frac{۲}{۳} = ۳ \div ۸$

(۶) اگر عدد صحیح مقسوم کے ساتھ کسور بھی ہوں اور عدد صحیح مقسوم علیہ پر تقسیم نہ ہوسکتا ہو یا تقسیم کے بعد کچھ بچ جاتا ہو تو اس مقسوم عدد صحیح کو مخرج میں ضرب دیکر جنس کسور سے کرکے ساتھ والی کسور کے ساتھ جمع کرکے مقسوم علیہ پر بطریق مذکور تقسیم کریں۔

حاصل تقسیم $\frac{۱۱}{۱۲} = ۳ \div \frac{۱۱}{۴} = ۲\frac{۳}{۴}$

مسئلہ		صورت اعنی زید				تا بالی عزیزہ ٦ 1/3			
زوجہ	زوجہ	ابن	بنت	بنت	بنت	ابن	ابن	بنت	بنت
کریمہ	عزیزہ	عبداللہ	ماجدہ	خدیجہ	عظیمہ	حمید	ولید	خدیجہ	عظیمہ
۶ 1/۴	۶ 1/۴	۳۵	۱۷ 1/۲	۱۷ 1/۲	۱۷ 1/۲	۲ 1/۱۲	۲ 1/۱۲	۱ 1/۲۴	۱ 1/۲۴

مسئلہ ثالث عقلیہ ۱۸ ۱۳/۲۴		
زوج	بنت	اخت عینیہ
احمد	فاطمہ	خدیجہ
۳ ۴۱/۹۶	۹ ۱۳/۴۸	۳ ۴۱/۹۶

مسئلہ رابع کریمہ ۶ ۱/۴		
بنت	ابن العم	ابن العم
ہاجرہ	عزیز	سعید
۳ ۱/۸	۱ ۹/۱۶	۱ ۹/۱۶

المبلغ ۱۰۰

الاحیاء								
عبداللہ	ہاجرہ	خدیجہ	حمید	ولید	احمد	فاطمہ	عزیز	سعید
۴۵	۲۰ ۵/۸	۲۳ ۱۷/۹۶	۲ ۱/۱۲	۲ ۱/۱۲	۳ ۴۱/۹۶	۹ ۱۳/۴۸	۱ ۹/۱۶	۱ ۹/۱۶

عول :

وارثوں کے سہام بطور کسور یعنی ۱/۲، ۱/۴ وغیرہ کی صورت میں لکھ کر انھیں جمع کریں، مجموعہ پر باقی الیہ کو تقسیم کرکے حاصل تقسیم کو ہر وارث کے سہام میں ضرب دیئے جائیں۔

مسئلہ			
زوج	ام	اخت عینیہ	اخت عینیہ
۳۷ ۱/۲	۱۲ ۱/۲	۲۵	۲۵

رد :

اس کی چار صورتیں ہیں :

(۱) من لا یرد علیہم مسئلہ میں نہ ہوں اور من یرد علیہم جنس واحد ہوں تو کل مسائل من یرد علیہم کے رؤس پر علی السویۃ تقسیم کر دیا جائے۔

(۲) من لا یرد علیہم مسئلہ میں نہ ہوں اور من یرد علیہم مختلف جنس کے ہوں تو مثل عول عمل کیا جائے۔

(۳) من لا یرد علیہ بھی مسئلہ میں موجود ہو اور من یرد علیہم جنس واحد ہوں تو من لا یرد علیہ کو اس کا حصہ مقررہ فیصد دیکر باقی کو من یرد علیہم کے رؤس پر برابر تقسیم کیا جائے۔

(۴) مسئلہ میں من لا یرد علیہ موجود ہو اور من یرد علیہم مختلف جنس کے ہوں تو من لا یرد علیہ کو اس کا حصہ مقررہ دیکر باقی کو من یرد علیہم پر عول کی طرح تقسیم کریں، یعنی من لا یرد علیہ سے باقیماندہ کو من یرد علیہم کے سہام کے مجموعہ پر تقسیم کرکے حاصل تقسیم

کو من یرد علیہم میں سے ہر ایک کے سہام میں ضرب دیئے جائیں۔

مسئلہ

بنت	بنت	بنت	بنت
۲۵	۲۵	۲۵	۲۵

مسئلہ

بنت	بنت الابن
۷۵	۲۵

مسئلہ

زوج	بنت	بنت	بنت	بنت
۲۵	۱۸ ۳/۴	۱۸ ۳/۴	۱۸ ۳/۴	۱۸ ۳/۴

مسئلہ

زوج	بنت	جدہ
۲۵	۵۶ ۱/۴	۱۸ ۳/۴

رشید احمد

۲۳ جمادی الاولی ۱۴۰۰ھ یوم الخمیس

ضمیمہ ثانیہ

نسب اربع کو معلوم کرنا اس علم پر موقوف ہے کہ بڑا عدد چھوٹے پر یا یہ دونوں عدد کسی تیسرے پر تقسیم ہوتے ہیں یا نہیں؟ لہذا ذیل میں چند ایسے اصول تحریر کیے جاتے ہیں جن سے ہر عدد کے متعلق خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو فوراً معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ کس کس عدد پر تقسیم ہو سکتا ہے۔

(۱) جس عدد کے شروع میں جفت یا صفر ہو وہ دو پر یقیناً تقسیم ہو سکے گا۔

(۲) درجات عدد میں سے تین، چھ اور نو کو چھوڑ کر باقی کا مجموعہ تین پر تقسیم ہو جائے تو کل عدد بھی تین پر تقسیم ہو سکے گا، مجموعہ کو تین پر تقسیم کرنے سے اگر کچھ بچے تو کل عدد کو تین پر تقسیم کرنے سے بھی اتنا ہی بچے گا۔

(۳) جس عدد کے شروع میں دو صفر ہوں یا پہلے دو درجے چار پر تقسیم ہو سکیں وہ کل عدد چار پر تقسیم ہو سکے گا۔

اسی طرح جس کے شروع میں دو صفر ہوں یا پہلے دو درجے پچیس پر تقسیم ہو سکیں وہ کل عدد بھی پچیس پر تقسیم ہوگا۔

(۴) جس عدد کے شروع میں صفر یا پانچ ہو وہ پانچ پر تقسیم ہو جائے گا۔

(۵) جو عدد دو متباین عددوں پر تقسیم ہو سکے وہ دونوں کے حاصل ضرب پر بھی تقسیم ہو سکے گا، مثلاً جو عدد دو اور تین دونوں پر تقسیم ہو وہ چھ پر بھی تقسیم ہوگا، جو تین اور چار دونوں پر تقسیم ہو وہ بارہ پر، جو تین اور پانچ دونوں پر تقسیم ہو وہ پندرہ پر، جو دو اور نو دونوں پر تقسیم ہو وہ اٹھارہ پر تقسیم ہوگا، وقس علیٰ ھذا۔

(۶) جس عدد کے شروع میں تین صفر ہوں یا پہلے تین درجات آٹھ پر تقسیم ہو سکیں وہ کل عدد آٹھ پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح جس کے شروع میں تین صفر ہوں یا پہلے تین عدد ایک سو پچیس پر تقسیم ہو جائیں وہ کل عدد بھی ایک سو پچیس پر تقسیم ہو سکے گا۔

(۷) درجات عدد میں سے نو کو چھوڑ کر باقی کا مجموعہ نو پر تقسیم ہو سکتا ہو تو یہ کل عدد

بھی نو پر تقسیم ہوگا اور مجموعہ کو نو پر تقسیم کرنے سے اگر کچھ بچے تو اس کل عدد کو نو پر تقسیم کرنے سے بھی وہی بچے گا۔

(۸) عدد کے شروع میں ایک صفر ہو تو دس پر، دو صفر ہوں تو سو پر، تین ہوں تو ہزار پر تقسیم ہو سکے گا، وقس علیٰ ہذا۔

(۹) درجات عدد میں سے فرد درجات یعنی پہلا، تیسرا، پانچواں (اکائی، سیکڑہ، دس ہزار) وغیرہ کو جمع کریں اور زوج درجات یعنی دوسرا، چوتھا، چھٹا (دہائی، ہزار، لاکھ) وغیرہ کو الگ جمع کریں، اگر دونوں مجموعے برابر ہوں یا دونوں میں اتنا تفاضل ہو کہ وہ گیارہ پر پورا پورا تقسیم ہو سکے تو یہ کل عدد گیارہ پر تقسیم ہوگا۔

(۱۰) جس عدد کے شروع میں چار صفر ہوں یا پہلے چار درجات سولہ پر تقسیم ہو سکیں وہ کل عدد سولہ پر تقسیم ہو سکتا ہے۔

(۱۱) کسی عدد کو تقسیم کرنے کے بعد حاصل تقسیم اگر پہلے مقسوم علیہ پر یا کسی دوسرے عدد پر تقسیم ہو سکے تو ہر دو مقسوم علیہ کا حاصل ضرب پہلے مقسوم کو تقسیم کر دے گا۔

(۱۲) جو عدد کسی بڑے عدد پر تقسیم ہو سکے وہ اس بڑے کے متداخل عدد پر بھی تقسیم ہوگا، مثلاً جو چھ پر تقسیم ہوگا وہ تین اور دو پر بھی تقسیم ہوگا۔

(۱۳) جو عدد کسی چھوٹے عدد پر تقسیم نہ ہو وہ اس کے اضعاف پر بھی تقسیم نہ ہوگا، مثلاً جو دو پر تقسیم نہیں ہوتا وہ چار اور چھ پر بھی تقسیم نہ ہوگا۔

(۱۴) جس اقل عدد کے شروع میں جفت ہو وہ ایسے اکثر عدد کو تقسیم نہیں کر سکتا جسکے شروع میں طاق ہو۔

(۱۵) جس اقل عدد کے شروع میں پانچ ہو اس پر وہ اکثر عدد تقسیم نہ ہو سکے گا جسکے شروع میں پانچ یا صفر نہ ہو۔

(۱۶) جس اقل عدد کے شروع میں صفر ہو اس پر ایسا اکثر عدد تقسیم نہ ہوگا جسکے شروع میں صفر نہ ہو۔

(۱۷) جب کسی عدد کو ایک عدد میں ضرب اور دوسرے پر تقسیم کرنا ہو تو مضروب فیہ کے وفق میں مضروب اور مقسوم علیہ کے وفق پر تقسیم کرنے سے بھی وہی جواب آئے گا، اس میں سہولت واختصار ہے۔

رشید احمد

۲۰ ذی القعدۃ سنہ ست و تسعین

تسہیل المیراث ۔۔ ——— ۵۸

اللہ تعالیٰ نے بندہ سے عرصۂ دراز تک علم الفرائض کی تدریس، اس کے مباحث میں تدبر و تفکر اور ان کی بہتر تشریح و تعبیر و تحریر کی خدمات لی ہیں، اس دوران ازمنۂ مختلفہ میں درج ذیل دو بہت اہم اشکال اور ان کے حل ذہن میں آئے، مزید تثبت کے لئے میں نے یہ اشکالات بعض دوسرے علماء کو بھی بھیجے، ان کا جواب بھی میرے مطابق آیا، یہ مباحث تو پہلے کے ہیں مگر ان کے ساتھ تاریخیں وہ لکھی گئی ہیں جب اس بارہ میں تحریرات مختلفہ کے حاصل کو ایک تحریر میں مرتب کیا گیا۔

احسن الفتاوی قدیم کے مرتب نے ان کو بصورت سوال و جواب شائع کر دیا، پھر بعض ناشرین نے وہاں سے اسی طرح بصورت سوال و جواب لے کر تسہیل المیراث کے ضمیمہ میں شائع کر دیا، درحقیقت یہ دونوں اشکالات کسی غیر کی طرف سے نہیں۔

رشید احمد

۳۰ ذی القعدہ ۱۴۱۳ ہجری

اشکال اول:

سلسلۂ عصبات عم الجد پر ختم ہو جاتا ہے یا کہ اور بھی جاری ہے؟ اگر عم الجد پر ختم نہیں تو ذوی الارحام اور ان سے متأخر اصناف کی توریث کی کیا صورت ہوگی؟ کیونکہ جب سلسلۂ عصبات منتہی نہیں تو ہر شخص کا دنیا میں کوئی نہ کوئی عصبہ ضرور ہوگا جو کسی نہ کسی درجہ میں اس کے جد میں شریک ہوگا، حتی الی آدم علیہ السلام۔

نیز فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا سلسلۂ عصبات کو عم الجد پر ختم کر دینا، آگے ذکر نہ کرنا دال ہے کہ اس سے آگے سلسلہ نہیں چلتا اور عم الجد میں عموم (وإن علا) نہ تو عام کتب میں مذکور ہے اور نہ درایۃً اس کا اس جگہ عموم مراد لینا صحیح ہے، کیونکہ اگر یہاں عموم مراد ہو تو جزء الجد کے بعد کوئی دوسرا مرتبہ نہ نکلنا چاہیے، عم الاب و عم الجد بھی اسی میں داخل ہو جاتے ہیں، حالانکہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ان دونوں مراتب کو جزء الجد کے بعد مستقل ذکر کرتے ہیں، جس سے ظاہر ہے کہ جد

میں عموم مراد لینا صحیح نہیں، اور عصبات کا سلسلہ عم الجد پر ختم ہوجاتا ہے۔

حل :

سلسلۂ عصبات عم الجد پر ختم نہیں ہوتا، بزازیہ میں ہے وھکذا عمومۃ الاجداد وان علوا واولادھم الذکران وان سفلوا اور معین الحکام کے حاشیہ پر لسان الحکام میں بھی "وان علوا" کی تصریح موجود ہے، عام کتب میں اس کی تصریح نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب پہلے مراتب میں بار بار عموم کی تصریح کی جاچکی تو اب ہر مرتبہ میں اس کی ضرورت نہ رہی بلکہ علیٰ سبیل المقایسہ فہم مخاطب پر چھوڑ دیا گیا اور بعض مصنفین نے احتیاطاً ذکر بھی کردیا۔

چونکہ وراثت کا مدار ثبوت نسب پر ہے اس لئے اگر کوئی شخص اپنا سلسلۂ نسب اپنے آباء کے اسماء سے میت کے کسی جد تک ثابت کردے تو وارث ہوگا۔ والاّ فلا، محض شرکت فی النسب مبہم طور پر کافی نہیں۔ کیونکہ ابہام کی حالت میں عصبات کے قرب و بعد کا پتہ چلنا محال ہے، اور بلا لحاظ قرب و بعد ساری دنیا پر میراث تقسیم کرنا بھی محال اور امر محال کو مستلزم قول باطل ہے، پس ذوی الارحام اور اصناف متأخرہ کی توریث پر کوئی اعتراض نہ رہا۔

عمومۃ الاجداد میں وان علوا کا عموم کتب بالا میں مصرح ہے۔

حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا جزء الجد کے بعد عم الاب وعم الجد کو مستقل ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عصبات کی توریث میں تین قسم کی ترتیب ملحوظ ہے، پہلے ترتیب فی الجہۃ، پھر ترتیب فی الدرجۃ، پھر ترتیب فی القوۃ والضعف، جزء الجد کے مرتبہ میں یہ وہم ہوتا تھا کہ عم اور عم الاب وعم الجد وغیرہ ایک ہی صنف ہیں اور متساوی فی الجہۃ ہیں، اس وہم کے دفعیہ کے لئے ثم عم الاب ثم عم الجد کا اضافہ کیا گیا، تاکہ ان میں اختلاف جہت اور ہر ایک کا علیحدہ صنف ہونا ظاہر ہوجائے، لہٰذا ابن ابن العم کی موجودگی میں عم الاب محروم ہوگا۔ کیونکہ جہت میں متأخر ہے، اگر ان سب کو ایک ہی جہت سمجھا جاتا تو معاملہ برعکس ہوتا، کیونکہ اتحاد صنف کے بعد اقرب فی الدرجۃ مقدم ہوتا ہے اور عم الاب اس لحاظ سے اقرب ہے۔

غرضیکہ اس اضافہ سے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا مقصد سلسلۂ عصبات کو ختم کرنا نہیں بلکہ میت کے ہر درجہ کے اب کی اولاد ذکور کو مستقل صنف اور مختلف الجہۃ ظاہر کرنا مطلوب ہے، مراتب غیر محصورہ میں سے دو تین مراتب کو ذکر کرکے عموم و شمول مراد لینا

اور بقیہ کو علی سبیل الکفایۃ فہم مخاطب کے اعتماد پر چھوڑ دینا عام طور پر شائع و ذائع ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ رجب ۱۴۰۵ھ

اشکالِ ثانی:

ذوی الارحام کی صنفِ ثانی میں اصل اختلاف پر تقسیم کرتے وقت صنفِ اول کی طرح آخری بطن کا عدد معتبر ہوگا یا نہیں؟

مجھے اس میں کچھ مدت تک تعارضِ ادلہ کی وجہ سے تردد رہا ہے لہٰذا اولاً دونوں متعارضہ نقل کی جاتی ہیں۔

عباراتِ ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ آخری بطن کا عدد معتبر نہ ہوگا۔

(۱) قال فی الشریفیۃ فی بیان اولاد القسم الرابع وذلک لان الشئ انما یتعدد حکماً اذا کان یتصور ثبوتہ حقیقۃً ومن البین امکان التعدد فی الاولاد من البنین والبنات فیثبت التعدد فیھم حکماً بتعدد الفروع اما الاب والام فلا یتصور فیھما التعدد حقیقۃً فلذا لا یثبت التعدد حکماً فی القرابات المتشعبۃ منھما۔

(۲) قسم رابع میں جب عمۂ اب وخالۂ اب اور عمۂ ام وخالۂ ام جمع ہوں تو پہلے جانبِ اب کو ثلثان اور جانبِ ام کو ثلث دیکر پھر ہر ایک طائفہ میں جانبِ عم کو ثلثان اور جانبِ خال کو ثلث دیا جاتا ہے، اس میں فروع کی کثرت وقلت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب اب کی عمہ وخالہ کے ثلث وثلثان میں عددِ فروع سے کوئی فرق نہیں ہوتا تو قسم دوم میں اب کے ابوین کے ثلث وثلثان میں آخری بطن کے عدد سے بطریقِ اولیٰ فرق نہ پڑنا چاہیے۔

ذیل کی عبارات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بطنِ اول پر تقسیم کرتے وقت اگرچہ آخری بطن کا عدد معتبر نہیں، بہرکیف جانبِ اب کو ثلثان اور جانبِ ام کو ثلث ملے گا، مگر بطنِ ثانی اور اس کے مابعد پر تقسیم کرتے وقت آخری بطن کا عدد معتبر ہوگا۔

(۱) سب کتب میں ہے ”ثم مثل الصنف الاول“۔

(۲) سب کتب میں ہے کہ اصل اختلاف پر تقسیم کرکے ذکور واناث کو علیحدہ علیحدہ طائفہ کیا جائے، لفظ ”ذکور واناث“ بصیغۂ جمع تب ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ عددِ فروع معتبر ہو۔

(۳) اگر آخری بطن کا عدد معتبر نہیں تو قسم دوم کے بیان میں سب کتب میں جو تفصیل

لکھی گئی ہے وہ فضول ہو جاتی ہے، سب کتب میں جو طویل عبارت موجود ہے اس کی بجائے صرف اتنی عبارت کافی تھی :

وان استوت منازلهم وليس فيهم من يدلي بوارث وكان قرابتهم من جهة واحدة فان اتفقت صفة من يدلون بهم يقسم المال على ابدانهم وان اختلفت صفة من يدلون بهم يقسم المال على اول بطن اختلف . كما في المصنف رحمه الله

یعنی جب اتحاد قرابت اتحاد صفت میں اور اختلاف قرابت اختلاف صفت میں داخل ہے تو عام کتب میں دونوں کو جداگانہ ذکر کرنا فضول ہے، جداگانہ ذکر کرنے سے صرف یہی مقصد ہو سکتا ہے کہ اختلاف قرابت سے مراد بطن اول میں اختلاف ہے، اس میں ثلث و ثلثان کے طور پر تقسیم ہوگی، اور اختلاف صفت سے بطن ثانی اور اس کے مابعد کا اختلاف مراد ہے، جس پر تقسیم کرتے وقت آخری بطن کا عدد معتبر ہوگا، مگر اس صورت میں بھی آخری بطن کے عدد کا اعتبار نہیں بلکہ ثلث و ثلثان کا حکم یہی ہے تو اختلاف صفت و اختلاف قرابت کو الگ الگ کیوں ذکر کیا گیا ؟

حل :

تحقیق کے بعد یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ آخری بطن کے عدد کا اعتبار نہیں، جو امور اس کے خلاف معلوم ہوتے ہیں ان کے جواب یوں دیئے جا سکتے ہیں :

(۱) صنف اول سے تشبیہ جملہ امور میں نہیں بلکہ صرف اعلیٰ اختلاف پر تقسیم کرنے میں تشبیہ ہے۔

(۲) چونکہ قسم اول میں ذکور وإناث بصیغۂ جمع مذکور تھا، لہٰذا قسم ثانی میں مسامحۃً بلاتبدیل و ترتیب جمع کا صیغہ لے آئے۔

(۳) چونکہ اتحاد قرابت اتحاد صفت میں داخل ہے، لہٰذا جمیع کتب میں اس موقع پر مذکور تفصیل محض تطویل لاطائل ہے، اس مسامحۃ کا منشأ یہ ہے کہ قسم رابع کی اولاد میں یہ تفصیل ضروری ہے، کسی نے اسی اشتباہ کی وجہ سے وہ تفصیل یہاں بھی درج کر دی، پھر وہ سلف نقل در نقل سب کتابوں میں چھپ گئی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۲ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۶ ہجری

تمت بالخیر